بچّوں کی کتابیں

کہانیوں کی کتابیں تو تم اور بھی پڑھتے رہتے ہو۔ پر ہم نے اپنی کہانیاں بہت قابل قابل لوگوں سے لکھوائی ہیں۔ ان میں خاص بات یہ ہے کہ زبان بہت سادہ، صاف اور آسان ہے اور قصے تو اتنے دلچسپ کہ بس ایک ہی سانس میں ساری کتاب پڑھنے کو جی چاہے۔ یہ قصے تمھاری قابلیت کا خیال رکھ کر لکھوائے گئے ہیں۔ اور ان کے درجے مقرر کر دیے گئے ہیں۔

درجۂ اول

نھنھی مرغابی ۔ از عبدالواحد صاحب سندھی استاد جامعہ ۔ ۶ر

بچوں کی کہانیاں " " " ۲ر

درجہ دوم

لال مرغی ۔ از عبدالواحد صاحب سندھی استاد جامعہ ۲ر

جنگو کی بلی " " " ۲ر

مرغی اجمیر چلی ۔ از رقیہ ریحانہ ۲ر

تانبیل خاں ۔ از محمد حسین حسان ایڈیٹر پیام تعلیم ۲ر

چھوٹا چھو " " " ۲ر

پوری جو کڑھائی سے نکل بھاگی ۔ از رقیہ ریحانہ ۲ر

درجہ سوم

نیت کا پھل ۔ از مرزا مظفر حسین صاحب ۲ر

شیدلا ۔ از پروفیسر محمد مجیب صاحب ۳ر

چھدو ۔ از رقیہ ریحانہ ۳ر

بیکاری " " ۳ر

انعامی مقابلہ ۔ از محمد حسین حسان ایڈیٹر پیام تعلیم ۳ر

درجہ چہارم

شہزادی گلنار ۔ از پروفیسر محمد عطاء اللہ ۶ر

عقاب ۔ از رقیہ ریحانہ ۶ر

ترکوں کی کہانیاں ۶ر

مکتبہ جامعہ

دہلی ۔ نئی دہلی ۔ لاہور

پیامِ تعلیم

دہلی

پیام تعلیم یو پی، سی پی، برار، میسور اور حیدرآباد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے "منیجر"

ایڈیٹر محمد حسین حسان ندوی (جامعی)

قیمت سالانہ عہ؍ فی پرچہ ۳؍

نمبر ۷	جولائی سنہ ۳۸ء	جلد ۲۱

فہرست مضامین

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچوں سے باتیں

جون کا پیام تعلیم پیامی بچوں اور بچیوں نے عموماً پسند کیا اس پرچے سے لڑکیوں کے صفحے بھی الگ کر دیئے گئے ہیں اب پرچے کی ترتیب اسی طرح رہے گی۔

پچھلے پرچے میں ہم نے سال گرہ نمبر کے مضامین کی طرف اشارہ کیا تھا بچے یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہیں کہ اس نمبر میں کیا ہوگا یہاں سال گرہ نمبر کے مضامین کا خاکہ بیان کیا جاتا ہے

جب سے پیام برادری قائم ہوئی ہے بچوں کی توجہ مشغلوں کی طرف زیادہ ہوگئی ہے پیام تعلیم میں مختلف مشغلوں پر مضمون بھی چھپتے رہتے ہیں اور یہ اکثر بچوں ہی کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اسی لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ اب کی سال گرہ نمبر میں تمام مضمون مشغلوں اور دستکاری ہی پر ہوں۔ ان مضامین کو ترجیح دی گئی ہے جن سے بچوں کو ہاتھ سے کام کرنے کی ترغیب ہو۔ مثلاً لکڑی کا کام۔ فریٹ ورک، ابری بنانا۔ کاغذ موڑنا۔ فوٹوگرافی۔ روئی کاتنا اور بنا۔ کشیدہ کاری۔ ہنڈکلیا وغیرہ۔ یا پھر چیزیں جمع کرنے کے بارے میں۔ مثلاً پتیاں جمع کرنا۔ ایک مضمون ٹکٹوں پر بھی ہوگا۔ مختلف نئے اور پرانے کھیلوں پر بھی ایک مضمون لکھوایا جا رہا ہے۔ ایک مضمون اسکاؤٹنگ پر بھی ہوگا اسی سلسلے میں بچوں کی معلومات بڑھانے کے لئے روئی اور لکڑی کی تاریخ، جغرافیہ اور سیاست پر بھی مضمون لکھوائے جا رہے ہیں

پچھلا تاسیس نمبر شائع ہوا تھا تو بہت سے بچوں نے ہمیں خط لکھے تھے کہ اس سال گرہ نمبر سے اچھا آپ شائع نہیں کر سکتے۔ مگر اس پرچے کو دیکھ کر انھیں معلوم ہوگا کہ ان کا خیال کس قدر غلط تھا۔

اس پرچے میں تمام مضمون، کہانیاں اور قصے بہت دلچسپ ہیں ہمیں امید ہے کہ بچے انھیں بہت دلچسپی سے پڑھیں گے۔ بعض مضمون گنجائش کی کمی کے سبب شائع نہ ہو سکے مثلاً تمھارا نام کیا ہے۔ خالہ مینا کی کہانی۔ سنڈر گوا لیسا ر، دنیا کی ترقی وغیرہ یہ اگلے پرچے میں چھپیں گے۔

منیجر صاحب سے معلوم ہوا کہ ان دنوں بچوں کے پاس سے پرچہ نہ پہنچنے کی شکائتیں زیادہ آرہی ہیں حالانکہ پرچہ پوری احتیاط سے ڈاک میں ڈالا جاتا ہے اس کے باوجود پیام تعلیم اُن تک نہ پہنچنے کے یہ معنی ہیں کہ راستے میں کچھ گڑبڑ ہوتی ہے۔ بچے اپنے اپنے یہاں کے ڈاک خانوں کو شکایت لکھیں۔ دفتر میں رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت زیادہ سے زیادہ دس تاریخ تک پہنچ جائے ورنہ دوسرا رسالہ بھیجنا ناممکن ہوگا۔

بعض بچے اپنا خریداری نمبر غلط لکھتے ہیں ان کا خریداری نمبر ۱۹۶۱ نہیں۔ یہ رجسٹرڈ نمبر ہے جو ڈاک خانے کی طرف سے ہر اخبار اور رسالے کو ملتا ہے۔ ہر مہینے سرورق یا ٹائٹل کے چوتھے صفحے پر اس کا چھپنا قانوناً ضروری ہے۔ تمھارا خریداری نمبر تو وہ ہے جو تمھارے پتے پر چھپا ہوتا ہے۔ بعض بچے غلطی کر جاتے ہیں اور دفتر کو ان کے خطوں کا جواب دینے میں بہت دقت ہوتی ہے۔ امید ہے کہ پیامی آئندہ اس کا خیال رکھیں گے۔

بچوں کے لئے

برسات

ایم۔ اے وفا۔ فرخ آبادی

برسات سر پہ آئی
گھر گھر کے آئے بادل
ہر پھر کے آرہے ہیں
موتی لٹا رہے ہیں
بجلی لپک رہی ہے
کیا مست ہیں ہوائیں
وہ بوند بوند ٹپکی
بارش کا شور دیکھو
جھم جھم برس رہا ہے
لہرا رہی ہیں نہریں
باغوں میں شان آئی

کالی گھٹائیں لائی
ہر سمت چھائے بادل
گھر گھر کے آرہے ہیں
دریا بہا رہے ہیں
کھیتوں کو تک رہی ہے
گھنگھور ہیں گھٹائیں
پھر لگ گئی جھڑی سی
پانی کا زور دیکھو
چھم چھم برس رہا ہے
بل کھا رہی ہیں نہریں
کھیتوں میں جان آئی

سبزہ نکھار پر ہے
کھیتی بہار پر ہے

میدان میں ہے پانی
پانی میں ہے روانی

بچّے نہا رہے ہیں
ہنس ہنس کے گا رہے ہیں

پنچھی چہک رہے ہیں
پکوان پک رہے ہیں

جھولے گڑے ہوئے ہیں
ڈولے پڑے ہوئے ہیں

ہجولیاں کھڑی ہیں
آپس میں لڑ پڑی ہیں

کچھ گنگنا رہی ہیں
ساون اُڑا رہی ہیں

رحمت کی ہے نشانی
برکھا کا نیر پانی

حیوان پی رہے ہیں
انسان جی رہے ہیں

سیراب ہو رہے ہیں
شاداب ہو رہے ہیں

سن لو مری زبانی
پانی ہے زندگانی

مچھلی راجہ کے دیس میں

ترجمہ: سید محمد شمیم صاحب جامعی

(جاپانی کہانی)

ایک ملاح لڑکا تھا اور اشی ما ٹانگو نام بستی میں رہتا تھا اس بستی میں اور بھی بہت سے ملاح رہتے تھے۔

ایک دن وہ نیلے سمندر میں مچھلیاں پکڑنے گیا۔ اس کی لگی (بنسی) میں ایک کچھوا پھنسا۔ جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ کچھوے ہزاروں برس زندہ رہتے ہیں۔ لڑکے نے سوچا اس کچھوے کو اتنی جلدی کیوں ماردیں۔ اس نے کچھوے کو پانی میں چھوڑ دیا اور چارا لگا کر لگی کو پھر پانی میں ڈالا۔ مچھلی پکڑنے کی اُمید میں۔ لیکن اب مچھلی کہاں؟ بنسی موجوں کے اوپر اُبھرنے لگی۔

سورج ڈوب گیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اور اشی ما اپنی ڈونگی (چھوٹی کشتی) میں سو گیا۔

بہت دیر تک سونے کے بعد اس نے ایک آواز سُنی جیسے اس کو کوئی پکار رہا ہو اور اشی ما، اور اشی ما۔

کیسی پیاری آواز تھی۔ اور اشی ما اُٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ وہی کچھوا جسے اس نے دن کے وقت ترس کھا کر پانی میں چھوڑ دیا تھا پھر پانی سے سر نکالے ہوئے ہے اور خوب مزے میں آدمیوں کی طرح بول رہا ہے پہلے اس نے اور اشی ما کا بہت شکریہ ادا کیا پھر کہا "مچھلی راجہ کا محل ریوکو میں ہے۔ وہاں چلوگے؟"

اور اشی ما ملاح کا بیٹا تو تھا ہی راج محل دیکھنے کی بہت خواہش تھی۔ فوراً راضی ہوگیا اس نے کہا "ہاں! چلیں گے"۔ تب کچھوے نے اس کو اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور سمندر کے اندر مچھلی راج محل کی طرف چلا۔ مزے کی بات

یہ تھی کہ اور اشی ما کے کپڑے ذرا بھی نہ بھیگے

چلا چل چلا چل وہ دونوں مچھلیوں کے ملک کے عالی شان راج محل میں پہنچ گئے۔ ملک میں ہل چل مچ گئی۔ ہر قسم کی مچھلیاں خوب بن سنور کے نو وارد کو دیکھنے آئیں۔ یہ سب مچھلی راجہ کی پرجا تھیں۔ یہ سب مل کر اور اشی ما کو راج کماری کے پاس لے گئیں۔ راج کماری کا نام اوتے ہی مے تھا۔ اس کا لباس شفق جیسا لال اور سنہرا تھا۔ اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔

راج کماری کا چہرا شرم اور حیا سے لال ہو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ اس نے کچھوے کے بھیس میں اور اشی ما کا امتحان لیا تھا۔ وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ اب وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ شادی کے بعد دونوں ایسے دیس میں جا کر رہیں گے جہاں سدا جوانی ہے اور سدا بہار ہے۔

اور اشی ما فوراً راضی ہو گیا۔ اُس کے تو خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس جیسا ملاح کا بیٹا اتنا چین اور سکھ پائے گا۔

پھر اس محل میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی مچھلیاں ہرے، لال، پیلے، بیگنی مختلف رنگوں کے کپڑے پہن کر تقریب میں شریک ہونے کے لئے آئیں۔ مزے دار مزے دار کھانے آئے میاں بیوی نے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا پھر مچھلیوں نے خوب خوب ناچ دکھلائے۔

شادی کی ہل چل ختم ہو گئی تو راج کماری اور اشی ما کو لے کر خزانے دکھانے چلی موتی، ہیرا جواہر، یاقوت وغیرہ کے ڈھیر کے ڈھیر تھے کوئی حد نہ تھی۔

کئی دن کے بعد وہ دونوں دوسرے ملک میں چلے گئے۔ وہاں ہر طرف بہار ہی بہار تھی۔ پورب طرف چیری کے درخت قطار در قطار کھڑے تھے۔ سنہری تتلیاں پھولوں سے شہد چرا رہی تھیں۔ خوب صورت بلبل پھولوں کی ایک جھاڑی میں بیٹھی چہک رہی تھی۔ دکھن کی مختلف رنگوں کے درخت بسنت کے خوب صورت پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ پچھم کی طرف

خوب صورت نالابوں کا پانی پگھلے ہوئے سونے کی طرح چمک رہا تھا اور اتر کی طرف برف سے ڈھکے ہوئے سفید سفید پہاڑ نظر آتے تھے ملاح کے بیٹے کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ چلاّ اٹھا "اوہو۔ کتنا سندر! کتنا خوب صورت" وہ جس طرف نظر اٹھاتا تھا اسی طرف فطرت کا حسن پھٹا پڑتا تھا

لیکن ایسے سندر دیس میں بھی تین دن میں اس کا جی گھبرا اٹھا۔ باپ ماں کی یاد اُسے ستانے لگی۔ سدا بہار بھی اُسے زیادہ دن تک نہ رجھا سکی۔ اس کا دل رونے لگا۔ ایک بار صرف ایک بار وہ پھر اپنے گاؤں کو، گاؤں کے لوگوں کو اور ماں باپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔

راج کماری نے یہ سنا تو بہت پریشان ہوئی۔ وہ سچ مچ اور اتی ما کو بہت پیار کرتی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دامن پکڑ لیا اور کہا "پیارے مت جاؤ۔ تمھارے بغیر میں مرجاؤں گی" لیکن اوراتی ما نے کچھ نہیں سنا۔ اس نے راج کماری سے بہت محبت سے کہا "صرف ایک دن کی چھٹی چاہتا ہوں۔ بس گیا اور چلا آیا اس کے بعد ہمیشہ تمھارے ہی ساتھ رہوں گا۔ ٹھیک ہے نا"؟

جاتے وقت راج کماری نے اُسے ہیرے کی ایک ڈبیا دی اور کہا "یہ ڈبیا میں تمھیں اس لئے دے رہی ہوں کہ گھر جا کر تم مجھے بھول نہ جاؤ لیکن خبردار اسے کبھی کھولنا نہیں۔ کہے دیتی ہوں" اوراتی ما نے ڈبیا لے لی۔ اور ایک بڑے کچھوے کی پیٹھ پر بیٹھ کر ایک لمحے میں سمندر کے اندر سے اپنے گاؤں میں پہنچ گیا۔ پھر اپنے باپ کی جھونپڑی کو بہت تلاش کیا۔ لیکن اس کا کوئی نشان نہ ملا۔ گاؤں کی پہچانی ہوئی چیز بھی کوئی نظر نہ آتی تھی۔ صرف ایک ندی جو پچھم طرف بہتی چلی جارہی تھی

اب تو بہت مشکل ہوئی۔ آخر گاؤں کا ایک آدمی ملا تو اس سے اس نے پوچھا "اے جناب! آپ کیا ملاح کے ایک لڑکے اوراتی ما کو پہچانتے ہیں؟" اوراتی ما کا نام سُن کر وہ سر کھجانے لگا۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد یکایک اس نے

کہا " اور اشی ما : ہاں ہاں ! یہاں ایک لڑکا تھا ۔ قصے میں اس کا نام سنا ہے ۔ لیکن وہ تو تین سو برس پرانی بات ہے ۔ قصے میں ہے کہ ایک دن وہ مچھلی پکڑنے گیا ۔ لیکن پھر واپس نہ آیا ۔ شاید پانی میں ڈوب کر مر گیا ۔ اس کے بعد اس کے باپ ، ماں ، بھائی ، بہن اور دوسرے رشتہ دار بھی بہت دن ہوئے کہ مر گئے ۔ تم اس کو ڈھونڈھ رہے ہو کیا ؟ پاگل ہوئے ہو کیا ؟ " یہ کہہ کر وہ آدمی وہاں سے چلا گیا ۔

اس وقت اور اشی ما کو خیال ہوا کہ اس دیس کا ایک دن اس دنیا کے ایک سو برس کے برابر ہے ۔ وہ سمجھتا تھا کہ تین دن کے بعد گاؤں واپس جا رہا ہے ۔ اصل میں وہ تین سو برس کے بعد آیا تھا ۔

اب یہاں رہنے سے کیا فائدہ ۔ ؟ جن لوگوں سے اسے پیار اور محبت تھی وہ لوگ تو مر کھپ گئے ۔ آج اس کو زمانہ ہو گیا اس کا دل دکھ اور درد سے بھر گیا ۔ اب زندہ رہنے کی اسے خواہش نہ تھی ۔

یکایک نیلے سمندر کی موجوں کی آواز اس کے کان میں آئی ۔ خوب صورت راج کماری کی باتیں یاد آئیں ۔ پھر اس دیس کی باتیں یاد آئیں جہاں سدا بہار تھی ۔ جہاں کے پتے پتے نہیں تھے نیلم تھے ۔ جہاں کے پھل پھل نہیں بلکہ جواہرات تھے ۔ جہاں لال ، پیلے اور سبز رنگ کی مچھلیاں پانی کی تہ میں کھیلتی تھیں ۔ جہاں موت نہ تھی ۔ جہاں کوئی بوڑھا نہیں ہوتا تھا ۔ جہاں صرف جوانی تھی اور بہار تھی ۔ کوئی غم نہ تھا ۔ صرف خوشی تھی ۔

موجوں کی آواز اور زیادہ زور سے آنے لگی ۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے راج کماری اسے بلا رہی ہے ۔ جیسے وہ ساحل کے قریب کھڑی ہے اور منتظر نظروں سے دیکھ رہی ہے ۔ لیکن ہائے ! ہائے ! راستہ کہاں ہے ؟ اسے لے جانے کے لئے کوئی آتا بھی تو نہیں ہے ؟ اب وہ کیا کرے !

وہ ساحل کے کنارے کھڑے ہو کر چلا چلا کر پکارنے لگا " اوتے ہی مے ! اوتے ہی مے ! راج کماری ! "

ساحل کی موجیں اس کے پاؤں تک آآکر ٹوٹتی تھیں۔ لیکن راج کماری کا کوئی پتا نہ تھا تب اُسے راج کماری کا تحفہ اور جواہرات کی ڈبیا یاد آئی۔ اُسے خیال ہوا کہ شاید اس کے کھولنے سے وہاں جانے کا راستہ اسے مل جائے ڈر کے مارے اور اتنی ما کا ہاتھ کانپنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ اس کو کھولنے لگا۔ جیسے ہی ڈبیہ کھلی اس میں سے تھوڑا سا دھواں نکلا اور ہوا میں مل گیا۔ اور اتنی مانے آتے وقت راج کماری سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس ڈبیا کو کبھی نہ کھولے گا۔ اس نے اس وعدے کو توڑ دیا۔ دیکھتے دیکھتے وہ بڈھا ہوگیا۔ آنکھیں دھنس گئیں اور بے نور ہوگئیں۔ جسم کا گوشت لٹک آیا۔ چہرے پر جھریاں پڑگئیں۔ بال سفید ہوگئے لمبی سفید ڈاڑھی نکل آئی جو ہوا میں اُڑنے لگی۔

اس نے راج کماری کو پکارنا چاہا لیکن اس کے گلے سے آواز نہ نکلی۔ وہ تین سو برس کا بڈھا ہوگیا۔ دونوں پاؤں کانپنے لگے۔ اور ایک تیز ہوا کے جھونکے سے بے دم ہوکر بالو پر گر پڑا۔

تکئے کے غلاف کا کونا
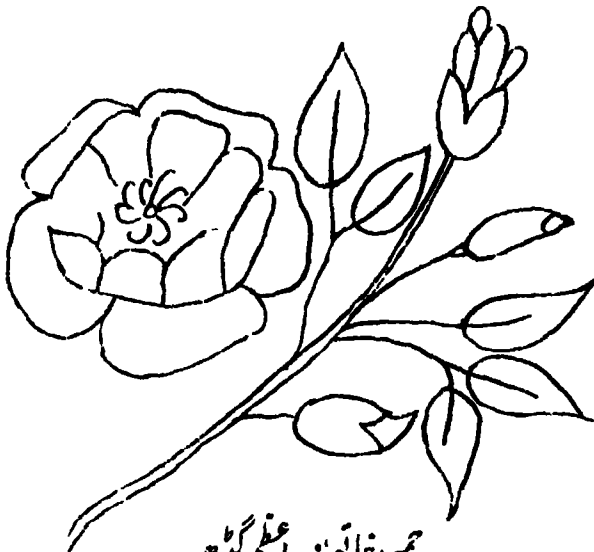
پتیاں	سبز
کلی	گلابی
پھول	نارنجی
ڈنڈیاں	سبز
زیرہ	زرد

حمیدہ خاتون۔ اعظم گڈھ

طوطا

شجاع الاسلام (عمر ۱۰ سال) درجہ دوم ماڈرن ہائی اسکول، دہلی

ایک دن میں ایک طوطا لایا
اُس کے لئے پنجرا بنوایا

پنجرے میں پھر اُس کو رکھا
پینے کو پانی بھی رکھا

جب میں کھانا کھانے بیٹھا
طوطے نے تب مجھ کو دیکھا

ٹیں ٹیں کرکے روٹی مانگی
میں نے روٹی اس کو دے دی

ہے یہ بہت ہی اچھا طوطا
ہے یہ میرا پیارا طوطا

اِک دن کرنے سیر گیا میں
طوطے کو بھی لے کے گیا میں

مجھ کو بھاتا ہے یہ طوطا
مجھ کو پیارا ہے یہ طوطا

قطبِ شمالی کی دریافت

ملک امدیر احمد ارکوی

کپتان بیری امریکہ کا ایک معمولی شخص تھا لیکن بہادر اور باہمت انسان تھا۔ اسے جب یہ خیال پیدا ہوا کہ قطبِ شمالی کی شکل صورت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہیئے تو اس نے اپنے اس ارادے کی امریکہ کی علمی مجلس کو اطلاع دی۔ خود اس کے پاس توانئی دولت نہ تھی کہ سفر کا ضروری سامان مہیا کر سکے۔ امریکہ والوں نے کپتان بیری کے لئے ضروری سامان فراہم کر دیا اور حکومت کی امداد سے ایک دخانی کشتی تیار کرادی۔ اس کشتی کا نام "نسر" رکھا گیا۔

۱۸۸۶ء میں ضروری سامان فراہم کرنے کے بعد ۲۴ سالہ کپتان اپنی جوان بیوی اور اپنے عزیز وطن سے رخصت ہو کر "قطبِ شمالی" کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ بیری کو اس سفر میں کامیابی نہ ہو سکی اس لئے وہ چند مہینے پانی میں مارے مارے پھرنے کے بعد نا امید اور ناکام لوٹا۔ مگر بیری جیسے بلند حوصلہ اور بلند ہمت جوان کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ کسی کام کو ادھورا اور ناتمام چھوڑ دے۔ اس نے ۵ برس بعد یعنی ۱۸۹۱ء میں پھر ایک بار کوشش کی اور پوری تیاری کر کے اپنی بہادر بیوی کے ساتھ اسٹیمر پر روانہ ہو گیا۔ اس اسٹیمر کا نام "لیٹ" تھا ایک سال کی لگاتار تگ و دو کے بعد بہت وقت سے اس نے ملفیل دریافت کیا اور ۸۷ درجے تک پہنچنے کے بعد اپنے وطن کو واپس آگیا۔ اس سفر میں ہمارے کپتان کو بڑی بڑی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا خاص کر اس وقت جب اس کی ران ٹوٹ گئی تھی۔ اس موقع پر اس کی بیوی اپنے شوہر کی بہت مددگار ثابت ہوئی۔

دوسرے سفر کی ناکامی سے بھی بہادر بیری مایوس نہ ہوا۔ ۲۳ جون ۱۸۹۱ء کو پھر

تیسری بار برف پوش زمین کی دریافت میں نکل کھڑا ہوا۔ اس دفعہ بھی اس کی بیوی ساتھ تھی اگرچہ اس کی حالت ہرگز اس لائق نہ تھی کہ وہ اپنے لنگڑے میاں کے ساتھ اس خطرناک سفر کو اختیار کرے لیکن "قطب شمالی" کو دریافت کرنے کی سچی لگن انھیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی چند مہینے کی جستجو کے بعد یہ پھر اپنے وطن ناکام واپس آئے سفر ہی میں گرین لینڈ Greenland کے پاس مسز پیری کو خدا نے ایک چاندسی بیٹی دی۔

تین مرتبہ لگاتار ناکام ہونے کے بعد بھی ہمت کے دھنی کپتان نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور نہ اس کا دل ٹوٹا اور ہمت پست ہوئی بلکہ برابر ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۶ء تک "قطب شمالی" کی تلاش میں سفر کرتا رہا اس چار سال کی تلاش و جستجو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسا راستا مل گیا جس پر برف کم رہتی تھی۔ یہ راستہ معلوم ہونے کے بعد پیری امریکہ سے "روزلٹ" نامی اسٹیمر پر سوار ہوا اور سمندری راستا طے کرنے کے بعد اسکیمو کے مضبوط اور بہادر جنگلیوں اور بلڈاگ کتوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر دیافت کئے ہوئے راستے پر چل کھڑا ہوا۔ کپتان پیری برابر بڑھتا ہی گیا اور خدا خدا کرکے ۶ اپریل ۱۹۰۸ء کو ۹۰ درجے تک پہنچ گیا۔ یہیں قطب شمالی تھا۔ جس کی تلاش میں ہمارا بہادر اور دلیر کپتان عرصے سے مارا مارا پھر رہا تھا۔ قطب شمالی پر پہنچ کر پیری بہت خوش ہوا۔ اور اپنا جھنڈا گاڑنے کے بعد امریکہ واپس آیا۔

امریکہ والوں کو اپنے بھائی کی اس کامیابی پر بہت خوشی ہوئی۔ انھوں نے بہادر کپتان پیری کا پرجوش خیر مقدم کیا اور اسے قطب شمالی دریافت کرنے والے کا لقب دے کر اس کا نام دنیا میں ہمیشہ کے لئے روشن کر دیا۔

اگر آپ پیامیوں نے یہ مضمون پسند کیا تو ارادہ ہے کہ آیندہ بھی پیام تعلیم میں ایسے اچھے اچھے اور مفید مضمون لکھے جائیں۔

میرے چند شوق

سید شاہ مبیغ الدین حسین۔ ورنگل کالج۔ حیدرآباد دکن

ہر شخص کو بچہ ہو یا بوڑھا کوئی نہ کوئی شوق ضرور ہوتا ہے۔ مجھے بھی بہت سی چیزوں کا شوق ہے اُن کا کچھ حال میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ شاید پیامیوں کے لئے کچھ مفید اور دلچسپ ہو۔

آٹوگراف آٹوگراف کہتے ہیں کسی مشہور شخص کے دستخط یا تحریر کو۔ میری ننھی سی خوب صورت نوٹ بک میں بہت سے مشہور لوگوں کے آٹوگراف ہیں۔ خود حیدرآباد میں بڑے بڑے لوگ رہتے ہیں۔ میں نے بڑی محنت سے ان سب کے آٹوگراف جمع کئے ہیں۔

انڈے مجھے انڈے جمع کرنے کا بھی شوق ہے۔ چیل، کوے، سانپ اور بیا کے انڈوں کے علاوہ مختلف قسم کے پرندوں کے انڈے ہیں۔ میرے پاس مرغی کا ایک انڈا ہے جو کسی طرح کبوتر کے انڈے سے بڑا نہیں۔ ان انڈوں پر تاریخ اور نام لکھ کر میں نے انھیں الگ الگ ڈبوں میں رکھ دیا ہے کہ مل نہ جائیں۔

تصویریں مجھے تصویریں جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ میرے پاس اس وقت بہت سی تصویریں جمع ہیں انھیں میں نے سلیقے کے ساتھ ایک خوب صورت البم میں لگا دیا ہے اِن میں بعض ایسی پرانی تصویریں بھی ہیں جو اب نادر کہی جاسکتی ہیں۔ میں نے انھیں بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔ جس باکمال کی تصویر مجھے ملی اُسے میں نے اس میں لگا دیا۔

پتھر میرے پاس قسم قسم کے پتھر بھی ہیں گوداوری کی سیر کے موقع پر بہت کثرت سے مل گئے تھے میں نے ان میں سے بعض خوب صورت پتھروں کو چن کر علیحدہ کر لیا ہے

اور اپنی چھوٹی سی عجائبات کی الماری میں انھیں بھی جگہ دی ہے ان میں سے دو ایک پتھروں پر بالکل آنکھ کی شکل بنی ہوئی ہے۔ اگر یہ پتھر ان لوگوں کی آنکھوں پر پھیرا جائے جن کی آنکھ میں "ایرا" ہے تو یہ مرض دور ہو جاتا ہے۔ ان میں بعض پتھر اس قدر شفاف اور چکنے ہیں جیسے بلور کے ٹکڑے ہوں ان کے علاوہ میرے پاس چند خاص قسم کے مونگے اور سیپیاں بھی ہیں جو بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ان ہی میں دو اتنی بڑی کوڑیاں ہیں کہ مشکل سے میرے ہاتھ میں آسکتی ہیں۔

ٹکٹ ٹکٹ جمع کرنے کا شوق تو بہت عام ہو چلا ہے۔ پیام تعلیم کی بدولت ٹکٹ جمع کرنے والوں کی تعداد دن پر دن بڑھتی جا رہی ہے۔ میرے پاس بھی مختلف قسم کے ٹکٹوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ کوئی صاحب حیدرآباد کے ٹکٹ جمع کرنا چاہیں تو میں مبادلہ کرنے کو تیار ہوں۔

رقعے مجھے شادیوں کے رقعے اور ملاقات کے کارڈ جمع کرنے کا بھی عجیب شوق ہے۔ میرے پاس اس وقت بہت سے رقعے سہرے کی دستیاں (رومال) اور ملاقاتی کارڈ جمع ہیں۔ رقعوں کے رکھنے کے لئے میں نے مختلف خانے بنائے ہیں کسی میں چھوٹے کسی میں بڑے۔ کسی میں ڈنر اور ایٹ ہوم کے کسی میں شادی کے۔ غرض ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ خانہ ہے۔

شکار مجھے شکار کا بھی شوق ہے۔ میں اکثر پرندوں کا شکار کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہرن مارنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس کے کباب بڑے مزے کے ہوتے ہیں۔ والد صاحب اچھے شکاری ہیں۔ چنانچہ میرے پاس جانوروں کی کھال کے علاوہ شیر کے دانت اور ناخن بھی ہیں جنھیں میں نے بڑی احتیاط سے رکھا ہے۔ دانت سفید کوئی اپنچ بھر لانبے اور قدرے گول ہیں ناخن میلے اور بلی کے ناخن کی طرح مڑے ہوئے ہیں۔

ڈرائنگ نقشہ کشی اور ڈرائنگ کا بھی مجھے شوق ہے۔ اس میں مجھے محنت اور توجہ کا موقع نہیں ملا۔ پھر بھی بُرا بھلا کچھ کر لیتا ہوں۔ اپنا ایک نمونہ ایڈیٹر صاحب کے پاس بھی بھیجا ہے۔ اگر یہ چھپ جائے تو آپ بھی میری ڈرائنگ کا اندازہ کر سکیں گے۔

مطالعہ ان تمام چیزوں سے زیادہ مجھے مطالعے کا شوق ہے کتابیں میں بہت کثرت سے دیکھتا ہوں۔ اب سے نہیں بلکہ بچپن ہی سے میری یہ عادت ہے۔ جب میں چھوٹا تھا میرے نام بہت سے رسالے آتے تھے۔ اخبار پھول کی تمام کہانیوں کی کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔ میں نے اردو کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ بعض دوست کہتے ہیں کہ میری اردو اچھی ہے۔ بہر حال میں ہمیشہ اس مضمون میں اپنے درجے میں اول رہتا ہوں۔

تقریر و تحریر مجھے لکھنے اور تقریر کرنے کا بھی بہت شوق ہے میں نے بہت سے مضمون اور افسانے لکھے ہیں۔ یہ مختلف رسالوں اور کالج میگزین میں شائع ہو چکے ہیں۔ تقریریں بھی میں نے بہت سی کی ہیں۔ کالج کے بہت سے تقریری مقابلوں میں بھی اول آیا ہوں میں نے انعام بھی حاصل کئے ہیں

مجھے اور بھی بہت سے شوق ہیں لیکن میرے یہ شوق پورے نہیں ہوئے مثلاً مجھے گانے کا بھی بڑا شوق ہے لیکن میں نے اس میں کوئی خاص بات پیدا نہیں کی اس لئے اس کا ذکر فضول ہے البتہ بلبل ترنگ بہت اچھا بجا لیتا ہوں۔ میں کھیلوں کا بھی دل دادہ ہوں کرکٹ، ہاکی، فٹ بال سب ہی کھیلتا ہوں لیکن کرکٹ کا زیادہ شوق ہے۔ تتلیاں جمع کرنے کی بھی میں نے بہت کوشش کی تھی لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ مجھے ہوائی جہاز چلانے کی بہت خواہش ہے آسمان میں ہوائی جہاز اُڑتے پھرتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ان میں پہنچ کر میں بھی چلانا سیکھ جاؤں۔ پیامی بھائیو! دعا کیجئے کہ میری یہ آرزو بھی پوری ہو جائے اور میں جہاز چلا کر اپنے تجربے بیان کر سکوں۔ اچھا اب خدا حافظ۔

کُتّا

کنور رام کشن سنگھ (عمر ۱۰ سال) درجہ دوم

میں نے ہے اِک کُتّا پالا
اچھا اچھا بھولا بھالا

جب میں دریا پر جاتا ہوں
اس کُتّے کو تیراتا ہوں

ہے یہ خوب ہمارا کُتّا
ہم کو ہے یہ پیارا کُتّا

کھاتا ہے وہ گوشت کی بوٹی
یا کھاتا ہے سالن روٹی

ہے وہ بہت ہی اچھا کُتّا
ہے وہ سب سے بڑھیا کُتّا

پیار کیا کرتا ہوں میں اُس کو
کھانا دیا کرتا ہوں میں اُس کو

مجھ کو ہے وہ اِتنا پیارا
میں نے کبھی اس کو نہیں مارا

مختلف ملکوں کے عجیب و غریب گھر
تم بھی اپنے گھروں میں ایسے گھروندے بناؤ

بجلی چمکتے وقت ان سب چیزوں سے الگ رہنا چاہئے
(بجلی پر تفصیلی مضمون اسی رسالے میں دیکھو)

آسمانی بجلی

ملک اکرام الحق ساغر پشاور

برسات کے موسم میں تم نے بجلی کو چمکتے اور بادلوں کو گرجتے سنا ہوگا۔ یہ گرج اصل میں بجلی کی ہوتی ہے یہ کڑک اور چمک کبھی تو مینہ سے پہلے ہوتی ہے۔ کبھی بعد میں۔ مینہ سے پہلے یہ بہت خطرناک ہوتی ہے۔ یہ عام طور پر آندھی یا گرد و غبار کے ساتھ آتی ہے۔

پچھلی قومیں بجلی کو دیوتا سمجھتی تھیں کسی زمانے میں یورپ میں بھی یہ خیال تھا کہ طوفان کے وقت گرجوں میں گھنٹے بجائے جائیں تو بجلی نہ گرے گی ایک دفعہ طوفان کے وقت ایک گرجے میں گھنٹہ بج رہا تھا خدا کا کرنا کیا ہوا کہ بجلی اس گرجا ہی پر گری اور بہت سے آدمی مر گئے۔ ہندوستان میں بھی عام خیال ہے کہ بجلی کالی یا سرخ چیز پر یا اس شخص پر گرتی ہے جس کے پاس کنجیاں، چاقو یا دھات کی کوئی چیز ہو۔

۱۷۵۲ء میں ایک امریکن فرینکلن نے ریشمی کپڑے کا پتنگ (جس میں تانبے کے تار لگے تھے) ریشمی ڈوری سے اُڑایا۔ ڈور کے ساتھ ایک کنجی باندھ دی اس کنجی کے پاس ہاتھ لے جانے تو چنگاریاں نکلیں۔ اس تجربے سے اس نے ثابت کیا کہ زمین کی بجلی اور آسمان کی بجلی میں کوئی فرق نہیں ہے اسی زمانے میں یہ بھی معلوم ہوا کہ بجلی دو طرح کی ہوتی ہے (۱) مثبت (+) (۲) منفی (-)

بجلی جب ایک بادل سے دوسرے بادل میں جاتی ہے تو چمک اور آواز پیدا ہوتی ہے فاصلہ زیادہ اور آواز مدھم ہونے کی وجہ سے ہم اُسے سُن نہیں سکتے۔ کبھی کبھی کئی بادلوں میں سے گذرتی ہے اور اتنی طاقت ور ہو جاتی ہے کہ ہوا اُسے روک نہیں سکتی۔ یہ بہت تیزی سے زمین پر آتی ہے۔ اکثر اونچی جگہوں پر گرتی ہے اور وہاں سے زمین میں پیوست ہو جاتی ہے۔ تم نے اونچی اونچی عمارتوں اور میناروں پر لوہے کی سلاخ سی لگی دیکھی ہوگی اِسے برق ربا کہتے ہیں۔ یہ اس غرض سے لگایا جاتا ہے کہ عمارت پر بجلی گرے تو یہ برق ربا اُسے کھینچ لے اور سیدھا زمین میں پہنچا دے۔

بہت سے لوگ طوفان کے وقت بجلی کی گڑگڑاہٹ گرج اور کڑاکے سے تو ڈرتے ہیں اور بجلی کے چمکنے وقت کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے ۔ حالانکہ خطرے کی چیز یہی ہے ۔ جب بجلی چمکتی ہو تو ہمیں ان تمام چیزوں سے الگ رہنا چاہئے جن پر بجلی گرنے کا خطرہ ہو۔ مثلاً کمرے کا آتش دان ، دروازے ، کھڑکیاں دھات کی چیزیں ۔ لوہے کا جنگلا ، نل ، توا کڑھائی اور دوسری چیزیں ۔ کمرے میں اور ریل کے ڈبے میں ایسے وقت ہمیں بس بیچ ہی میں بیٹھنا چاہئے ۔ گھر سے باہر سڑک پر کسی درخت کے نیچے کھڑا نہ ہونا چاہئے نہ لوہے کے جنگلے ، نل یا پائپ وغیرہ کے پاس چٹیل میدان میں جہاں درخت وغیرہ نہ ہوں اور ہم ہی سب سے اونچے ہوں تو لیٹ یا بیٹھ جانا چاہئے ۔ گھوڑے یا سائیکل سے فوراً اتر جانا چاہئے ۔ موٹر میں ہوں تو اتر کر وہ بیٹھ جانا چاہئے ۔ کئی آدمی ساتھ جا رہے ہوں تو سب کو الگ الگ ہو جانا چاہئے ۔ چھتری یا بھالا پاس ہو تو اسے زمین میں گاڑ کر خود بہت فاصلے پر بیٹھنا چاہئے کشتی میں ہوں تو فوراً لیٹ جانا چاہئے ۔ کبھی دہشت سے بھی آدمی کے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے ۔

ہوتا یہ ہے کہ جہاں بجلی گرتی ہے وہاں جگہ خالی ہو جاتی ہے ۔ اس جگہ کو بھرنے کے لئے چاروں طرف سے ہوا تیزی کے ساتھ آتی ہے اگر کوئی آدمی قریب کھڑا ہو تو ہوا کے جھونکے سے گر جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بجلی میرے ہی اوپر گری ۔ بس اس دہشت ہی سے مر جاتا ہے ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جہاں ایک جگہ بجلی گرتی ہے وہاں دوبارہ نہیں گرتی حالانکہ اس جگہ دوبارہ گرنے کا زیادہ احتمال ہے ۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک سال میں کوئی دس کھرب کیلو واٹ بجلی آسمان سے خارج ہوتی ہے ایک کیلو واٹ بجلی آٹھ بتیوں کا لمپ سو گھنٹے تک جلا سکتی ہے

ہمیں اب تک یہی معلوم تھا کہ بجلی آسمان سے گرتی ہے ۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ پہلے منفی بجلی ۱۰۰ میل فی سکنڈ سے لے کر انیس ہزار میل فی سکنڈ تک کی رفتار سے نیچے آتی ہے اور جب زمین میں بھر جاتی ہے تو یہی منفی بجلی ۶۰ ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے اوپر مثبت بجلی کے پاس جانا چاہتی ہے بس اسی سے کڑاکے کی آواز پیدا ہوتی ہے اور اسی کا نام بجلی گرنا ہے

لالہ رُخ

سید جمیل احمد نقوی - لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۱)

دلی کے بازاروں میں بہت دھوم تھی۔ چاروں طرف چہل پہل نظر آتی تھی۔ گھر گھر جشن منایا جا رہا تھا۔ بازار سجائے گئے تھے۔ چاندنی چوک کی سجاوٹ آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرتی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ بادشاہ عالمگیر کی دلاری چھوٹی شہزادی لالہ رُخ کا بیاہ بخارا کے شاہزادے سے طے پایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی طے پاگئی تھی۔ خصوصاً بخارا کے شاہزادے (یعنی دولھا) نے اس بات پر پورا زور دیا تھا کہ اسے کشمیر کے شاہی محل میں شہزادی کا استقبال کرنے کی اجازت دی جائے اور بادشاہ نے اس بات کو منظور بھی کر لیا تھا۔ اس دن شہزادی لالہ رُخ کی سواری دلی کے بازاروں سے ہو کر کشمیر جا رہی تھی اور دلی شہر کی یہ سب تیاریاں اسی لئے تھیں۔ جن سڑکوں سے سواری جانے والی تھی اُن پر گلاب اور کیوڑے کے عرق کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ دوکانوں کی سب قطاریں پھولوں سے سجائی گئی تھیں۔ جگہ جگہ پر مولسری اور بیلے کے گجروں سے بندنوار بنائے گئے تھے۔ بزازوں نے زربفت اور کمخواب کے تھان لٹکا کر خوب صورت دروازے تیار کئے تھے۔ جوہریوں اور سناروں نے سونے چاندی کے زیوروں اور قیمتی جواہرات کی چیزوں سے اپنی دکانیں سجائی تھیں۔ شاہی داروغہ اور برقنداز لال لال وردیاں پہنے زری کی پگڑیاں سروں پر رکھے گھوڑوں پر اور پیدل انتظام کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ مکانوں اور دکانوں کی چھتوں اور چھجوں پر لالہ رُخ کی سواری کی بہار دیکھنے کے لئے عورتوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے تھے۔ بڑے گھرانوں کی پردہ نشین بیبیاں چلمنوں کی آڑ میں کھڑی تماشا دیکھنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

آخر شبھ گھڑی (نیک ساعت) راج دلاری

لالہ رخ کی سواری لال قلعہ سے روانہ ہوئی۔
سب سے آگے شاہی سواروں کا ایک دستہ
ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے آگے آگے چل رہا تھا
اس کے بعد زرق برق پوشاکیں پہنے ہاتھوں میں
بڑے بڑے بھالے سنبھالے برقندازوں کا
ایک جھنڈ تھا۔ اس کے بعد تاتاری باندیاں تیر کمان
کمر میں کسے۔ ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے۔ جڑاؤ
کمرپٹی خنجر کھونسے، تیکھی نگاہوں سے چاروں طرف
دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔ اس کے بعد جھومتے
ہوئے شاہی ہاتھی تھے۔ جن پر زردوزی کام کی
سنہری جھولیں پڑی چم چم چم چم کر رہی تھیں
اور جن کی سونے کی عماریاں سنہری دھوپ میں
جھلک رہی تھیں۔ اُن پر ریشمی جالی کے پردے
پڑے تھے جن کے پیچھے شہزادی لالہ رُخ کی
سہیلیاں، استانیاں، مغلانیاں اور رشتہ
ناتے کی دوسری شاہی بیبیاں بیٹھی تھیں۔ ہاتھیوں
کی قطار کے پیچھے نقیبوں کی ایک فوج تھی جو چلا
چلا کر حضور شاہزادی کی سواری کی آمد لوگوں پر ظاہر
کر رہی تھی۔ اس کے بعد خاص باندیوں اور مہریوں
کے پیدل جھرمٹ میں قیمتی جڑاؤ سکھپال میں شاہزادی
لالہ رُخ بیٹھی تھی۔ ایک تمیزدار باندی پیچھے کھڑی
شاہزادی پر دھیرے دھیرے مورچھل ہلا رہی
تھی۔ سکھپال پر گلابی رنگ کے نہایت خوبصورت
مکڑی کے جالے کی طرح مہین پردے پڑے
ہوئے تھے۔ پریوں کے اس اکھاڑے کے پیچھے
گھوڑے پر سوار۔ ایک سردار خوجہ فدا حسین تھا
اور اس کے پیچھے مغل سرداروں کا ایک مضبوط
دستہ۔ سب سے آخر میں کھانے پینے کا سامان
ڈیرے، تنبو اور بلیوں سے لدے ہوئے
بہت سے اونٹ، ہاتھی خچر۔ اور بیلدار
مزدور پیدل گھسٹتے ہوئے چلے آرہے تھے۔

۲

لالہ رُخ بہت خوب صورت شہزادی
تھی۔ اس کی خوب صورتی کی شہرت دور دور پھیل
گئی تھی۔ دیس دیس کے شہزادے اسے ایک بار
دیکھنے کو ترستے تھے۔ اس کا موتیوں کی طرح دمکتا
اور جھلملاتا رنگ کیلے کے نئے پتوں جیسا ملائم اور خوبصورت
جسم۔ ہیرے جیسے چمکیلے دانت، کچے دودھ کی طرح

اُجلی اور جھلکتی ہوئی پیاری آنکھیں اور ان سب پر اس کا بھولاپن۔ عالم گیر اگرچہ بہت ہی خشک مزاج تھا مگر وہ بھی اس ننھی اور بھولی بھالی بیٹی کو سچ مچ پیار کرتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے سہارا دے کر اس کو سکھپال میں سوار کرایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر وداع کیا۔ (بیٹی بادشاہ کی ہو یا فقیر کی ایک مرتبہ پرائی ضرور ہو گی۔)

سواری جب دلی شہر کی فصیلوں کو پار کر کے لہلہاتے کھیتوں، ہرے بھرے جنگلوں اور پہاڑیوں پر پہنچی تو لالہ رخ نے اپنے نازک ہاتھوں سے سکھپال کا پردہ ہٹا کر ایک نظر دور تک پھیلی ہوئی ہریالی پر ڈالی۔ اور جو کچھ بھی اس نے دیکھا اس سے بہت خوش ہوئی۔ آج تک اسے جنگل کی ہریالی دیکھنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ شاہی محل کے جھروکوں سے بھی وہ جھانک نہ پائی تھی۔ شاہی محل کی ترک بھڑک اور بناوٹ کی زندگی سے سچ پوچھو تو کچھ اُکتا سی گئی تھی۔ اس لئے جنگل کا یہ سماں دیکھ کر اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تو کچھ اچنبھے کی بات نہ تھی۔ نئے نئے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آتے جاتے تھے طرح طرح کے پھولوں سے لدے ہوئے درخت اور جھاڑیاں۔ بے فکری سے چوکڑی بھرتے ہوئے ہرنوں کے جھنڈ۔ چہچہاتے ہوئے بھانت بھانت کے پرند اس کے دل میں گدگدی پیدا کر رہے تھے۔ وہ ان دل لبھانے والے مناظر سے اپنی آنکھیں روشن کرتی اور طرح طرح کے خیالوں میں گھری ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ ہر دس کوس پر پڑاؤ ہوتا تھا۔

ایک دن —— جب ہمالیہ کی اونچی اونچی برفیلی چوٹیاں سورج کی سنہری کرنوں سے چمک کر دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چندھیا رہی تھیں اور جنگل کی بھینی بھینی خوشبو روح کو گدگدا گدگدا کر جگا رہی تھی۔ لالہ رخ اپنے خیمے میں ریشمی ملائم گدے پر مخملی نرم تکیوں کا سہارا لئے کچھ کسمسائی ہوئی سی پڑی تھی۔ اور اپنی سہیلیوں سے کشمیر کی بہاروں اور وہاں کی خوب صورتی کی کہانیاں سن رہی تھی

(باقی آئندہ)

پیام برادری

یہ نظم حسن آرا بیگم دختر تنہا صاحب نے اپنے بھائی سے لکھوائی ہے۔ ہم ان دونوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں (ایڈیٹر)

پیامِ تعلیم نے بنائی برادری اپنی کیسی اچھی۔
کہ اس میں ہندو ہیں سکھ ہیں مسلم ہیں اور عیسائی یارہی بھی

ہمارے ہندوستاں کی قوموں کے پیارے بچے ہوئے ہیں یکجا
بڑھائیں آپس میں ہم محبت یہی ہے بس اک خیال اُن کا

ہم اُن کا لکھنا، ہم اُن کا پڑھنا ہم اُن کی تحریر دیکھتے ہیں
ہم اُن کی باتیں ہم اُن کے قصّے ہم اُن کی تصویر دیکھتے ہیں

بڑھیں گے پھولیں گے اور پھلیں گے ہم ایک ہو کر دوئی کو کھو کر
الگ الگ رنگ و بو ہو لیکن رہیں گے زینتِ چمن کی ہو کر

ہمیں جب آئے گی یاد بچپن کی ہم خوشی سے یہی کہیں گے
پیامی بھائی ہے یہ ہمارا اب اس کی تکلیف ہم سہیں گے

فضا بدل دیں گے ملک کی ہم تمام قومیں ملیں گی باہم
ملاپ ہوگا ہمارا ایسا کہ ہوں گے اک دوسرے کے ہمدم

یہ حسن آرا، یہ روشن آرا، پیامی بہنیں ہیں دونوں بہنیں
مجھے نہ ہو کیوں خیال ان کا پیامی بہنیں ہیں دونوں بہنیں

بڑے لڑکوں کے لئے

ہندوستان سے امریکہ

از سعید انصاری صاحب بی اے جامعہ ۔ ایم اے کولمبیا

جہاز کا پہلا سفر

بمبئی پہنچ کر میں نے اپنے میزبان اور عزیز دوست حارث صاحب سے کہا کہ سب سے پہلے مجھے وہ سمندر دکھائیے جس پر مجھے کل سفر کرنا ہے ۔ وہ شام کو مجھے چوپاٹی[1] لے گئے جہاں میں نے زندگی میں . . پہلی بار وسیع سمندر دیکھا ۔ ہم دونوں کچھ دیر تک سمندر کے کنارے پتھروں پر بیٹھے رہے میں ہلکی ہلکی لہروں کا تماشا دیکھ رہا تھا جو دور افق سے اٹھتی ہوئی چلی آ رہی تھیں ۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا وہ مجھے لینے آ رہی ہیں ۔ ہم دیر تک بیٹھے یہ تماشا دیکھتے رہے یہاں تک کہ پانی کھسکتے کھسکتے ہمارے پاؤں سے آ لگا[2] ۔ اور جب پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے اس کے چھینٹے ہمارے اوپر آنے لگے ، تو اٹھ کر چلے آئے ۔

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں میں نے کلکتہ ، دہلی ، لاہور ، کان پور ، لکھنؤ ، بنارس ، آگرہ ، سب کچھ دیکھے تھے ، لیکن جو بات مجھے بمبئی میں نظر آئی وہ ان میں سے کسی میں نہ تھی ۔ کلکتہ گو بڑا شہر ہے ، لیکن اس پر مغربی زندگی کا رنگ ایسا گہرا ہے کہ بعض وقت اس کے ہندوستانی ہونے میں بھی شبہ ہونے لگتا ہے ۔ باقی اور شہر ہندوستان کے زیادہ تر صوبائی شہر ہیں ۔ یعنی ان پر اس صوبے کی زندگی اور تمدن کا اثر غالب نظر آتا ہے جس میں وہ واقع ہیں ، مثلاً لاہور میں تمام تر پنجاب کا اثر چھایا ہوا ہے دہلی ، پنجاب اور صوبہ متحدہ کے بیچ میں ہے ، اس میں دونوں صوبوں کا اثر نظر آئے گا ۔ گو صوبہ متحدہ کی بہ نسبت پنجاب کا کسی قدر زیادہ ہے ۔ کان پور ، لکھنؤ ، بنارس ، آگرہ ، سب صوبہ متحدہ کے شہر ہیں اور سب پر ایک ہی اثر غالب ہے ۔ سوائے اس کے کہ بعض اپنی مقامی خصوصیتوں کی وجہ سے ممتاز ہیں ، جیسے کانپور صنعتی شہر ہے ۔ یہاں کارخانے اور مزدور زیادہ نظر آئیں گے ۔ بنارس ہندوؤں کا تیرتھ استھان ہے ۔ یہاں کثرت سے مندر اور پجاری دکھائی دیں گے ۔

لیکن بمبئی ان سب سے جدا ہے ۔ یہ باوجود سمندر کے کنارے ہونے کے یورپی اثر سے بہت پاک ہے ۔ کلکتے کی بہ نسبت یہ یورپ سے زیادہ قریب ہے ۔ یہاں پر سب بڑے بڑے جہاز آ کر رکتے ہیں ، پھر بھی اس نے اپنی ہندوستانیت باقی رکھی ۔ یہ اگرچہ صوبہ بمبئی میں ہے لیکن اس صوبے کا خود کوئی ایک رنگ نہیں ۔ ایک طرف

---

[1] بمبئی میں سمندر کا ایک کنارہ ہے جہاں شام کو لوگ تفریح کی غرض سے جاتے ہیں ۔
[2] جوار بھاٹے کی وجہ سے شام کو سمندر کا پانی تھوڑا تھوڑا بڑھنے لگتا ہے ۔

ہمارا مشترکہ اثر ہے، دوسری طرف گہرائی، اس لئے
دونوں اثرات نظر آئیں گے۔ پھر پارسی رنگ یہاں کا ایک
امتیازی رنگ ہے جو اور کسی صوبے میں نہیں۔ شمالی ہند کی
آبادی بھی بہ کثرت نظر آئے گی، اور مدراس کے لوگ بھی
کچھ نہ کچھ دکھائی دیں گے۔ غرض ہندوستان کا یہ ایک
مشترک شہر ہونے کے علاوہ مشرق و مغرب کا سنگم بھی ہے۔
جہاں مغربی رنگ اگر مشرق سے اس طرح ملتا ہے کہ وہ
اپنی مغربیت باقی نہیں رکھتا۔ بمبئی کو ہندوستان کا "باب
الہند"[۱] بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یورپ اور امریکہ سے
آنے والے لوگ سب اس طرف سے آتے ہیں۔ یہ ایک
بہت بڑا بندرگاہ بھی ہے۔ کوئی دوسرا بندر ہندوستان میں
اتنا بڑا نہیں۔ جہاں بڑے بڑے جہاز کر کنارے لگ
سکیں۔ ایک کولمبو ہے لیکن وہ بہت جنوب میں ہے کلکتہ
سمندر سے بہت دور دریائے ہگلی پر واقع ہے۔ جس میں
بڑے بڑے جہاز نہیں آسکتے

میں جس جہاز سے جا رہا تھا اس کا نام کونت وردے
(Conte Verde) تھا اور وہ اطالین کمپنی لائیڈ ٹریسٹینو
(Lloyd Triestino) کا جہاز تھا۔ اس کمپنی کا
ایک اور جہاز وکٹوریہ (Victoria) نامی نہایت اچھا
جہاز ہے۔ لیکن وہ مجھے مل نہیں سکا۔ وہ پندرہ روز پہلے
روانہ ہوگیا تھا کونت وردے بھی اس سے کچھ کم نہ تھا۔
کوئی ۲۲ ہزار ٹن وزن میں تھا۔ البتہ وکٹوریہ کی طرح موٹر
سے نہیں چلتا تھا۔ بلکہ بھاپ سے چلتا تھا۔ لائیڈ ٹرسٹینو
کے علاوہ ایک اور انگریزی کمپنی پی اینڈ او (P & O)
بھی ہے جس کے جہاز ہندوستان سے انگلستان تک
جاتے ہیں، لیکن اس کمپنی میں انگریزیت بہت ہے۔ اس
لئے میں نے اس میں جانا پسند نہیں کیا۔

بہرحال اگلے دن ۲۲ اگست کو اس بڑے سفر
کی باری تھی۔ میں بہت سویرے ہی اٹھ گیا تھا بلکہ رات
میں سویا بھی کم تھا۔ علی الصبح نہا دھوکر تیار ہوگیا۔ کچھ دوست
احباب ملنے آئے تھے۔ کچھ دیر ان سے باتیں کرتا رہا کوئی
یہ مشورہ دیتا "کبھی یہ کرنا" کوئی یہ کہتا "کبھی وہ کرنا"
ایک صاحب جو یورپ سے پہلے آچکے تھے، فرمانے لگے
تم نے دہلی سے ٹکٹ ناحق خریدا۔ یہاں چلے آتے، میں
تمہیں کمپنی میں لے جاکر بہتر جگہ کا ٹکٹ دلوا دیتا۔ یہ سب کچھ
سہی، لیکن یہ دانشمندی اور تجربہ انسان کو بعد ہی میں حاصل
ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کا حق ہے کہ اپنی راہ آپ تلاش
کرے۔ میں نے سننے کو سب کی سن لی۔ اور دل میں سوچا
کہ کرو وہی جو تمہاری اپنی سمجھ بوجھ کہے۔

غرض گاڑی آئی اور ہم نیپیر پیئر[۲] (Napier
Piere) کو روانہ ہوئے جہاں سے ہمارا جہاز چھوٹنے
کو تھا۔ ہم گودی پر پہنچے اور اپنا تمام سامان ایک قلی کے
حوالے کیا جو براہِ راست جہاز پر لے گیا اور مجھ سے کہا کہ
آپ دوسرے راستے سے آئیے، جو مسافروں کے لئے تھا
دروازے پر پاسپورٹ اور ویزا کی سخت دیکھ بھال
ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اس کی بھی کہ چیچک یا ہیضے کا

[۱] ہندوستان کا دروازہ۔ [۲] ریل گاڑی کے اسٹیشن کی طرح جہاز کے چھوٹنے کی بھی جگہیں معین ہوتی ہیں جنھیں پیئر (Piere)
کہتے ہیں۔ یہ نیپیر (Napiere) کے نام سے منسوب ہے۔

تک یہ تین سال کے اندر لگ چکا ہے یا نہیں۔ مجھے خدا کے فضل سے کسی بات میں رکنا نہیں پڑا اور میں سیدھا ڈاک[۵۱] پر پہنچ گیا۔ ڈاک پر پہنچ کر میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ جہاز کہاں ہے۔ حالانکہ وہ میرے سامنے ہی کھڑا ہوا تھا لیکن وہ اتنا بڑا تھا کہ مجھے یہ اندازہ نہ ہوا کہ یہ جہاز ہے جب میں نے اِدھر اُدھر اس کے دونوں سرے دیکھے تو سمجھا کہ جہاز یہی ہے۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ اس پر جاتے کیسے ہیں؟ انھوں نے کہا "آپ دیکھتے نہیں کہ لوگ زینے سے اوپر چڑھ رہے ہیں؟" میں نے بھی لوگوں کی تقلید کی اور اندر پہنچا اور اندر جہاز کے ایک ملازم کی مدد سے اپنے کیبن تک پہنچ گیا[۵۲]۔

جہاز کی صفائی ضرب المثل ہوتی ہے، میں جب اندر پہنچا تو مجھے ہر چیز نہایت صاف ستھری اور قرینے سے نظر آئی فرش نہایت صاف دھلا ہوا۔ لکڑی کی ہر چیز پر سفید روغن چڑھا ہوا، دروازے یا کسی اور چیز میں پیتل کے حصے نہایت چمکتے ہوئے، جہاز کے ملازمین سب نہایت صاف اُجلے کپڑوں میں ملبوس، کمرہ چھوٹا سا مگر ہر چیز نہایت قرینے سے اپنی جگہ پر اور اوپر تلے دو طرف چار نہایت صاف ستھرے بستر لگے ہوئے۔ میں یہ سب چیزیں دیکھ کر ایسا ہکا بکا رہا کہ اپنے ان دوستوں کو بالکل بھول گیا جو مجھے رخصت کرنے جہاز تک آئے تھے۔ اور جب بعد میں خیال آیا تو اپنے کو ایک قیدی کی طرح اس کمرے میں تن تنہا پایا۔ جہاز کے دروازے سے کمرے تک کا راستہ ایسا پیچ در پیچ تھا کہ پھر میری ہمت دروازے تک واپس آنے کی نہ ہوئی۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ یہاں سے نکل کر ڈک[۵۳] یا عرشہ پر یا اور کہیں بھی جا سکتے ہیں۔ مجبوراً اس ایک سوراخ سے جو روشنی یا ہوا کے لئے ہر کمرے میں رہتا ہے۔ میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ کوئی رومال ہلا رہا ہے۔ کوئی ہاتھ سے اشارہ کر رہا ہے اور اس طرح لوگ اوپر جہاز کے عرشے سے، اپنے عزیزوں اور دوستوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ میں بدنصیب بغیر کسی سے سلام و وداع کہے اس طرح روانہ ہوا۔

تقریباً ۱۲ بجے دن کے ہمارے جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کھانے کی گھنٹی بجی۔ جہاز کا ملازم آیا۔ اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولا کہ لنچ[۵۴] تیار ہے اوپر چلئے" میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور ایک پیچ دار زینے سے اوپر پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑے کمرے میں میزیں لگی ہوئی ہیں۔ چار چار آدمیوں کی ایک ایک ٹولی ساتھ بیٹھی ہے۔ چھری اور کانٹے رکھے ہوئے ہیں اور نہایت باقاعدہ ہر میز پر ایک ایک ملازم تعینات ہے۔ میں بھی ایک میز پر چپکے سے جا کر بیٹھ گیا اور اپنے آس پاس کے ساتھیوں

---

[۵۱] ڈاک (Dock) کو بس جہاز کا پلیٹ فارم سمجھئے۔ جہاں جہاز آکر لگتا ہے [۵۲] کیبن (Cabin) جہاز کے کمرے کو کہتے ہیں [۵۳] جہاز کا وہ حصہ جو کھلا رہتا ہے اُسے 'ڈک' (Deck) یا عرشہ کہتے ہیں۔ [۵۴] لنچ (Lunch) دوپہر کے کھانے کو کہتے ہیں۔

کی دیکھا دیکھی میں نے بھی پہلے نیپکن[1] اُٹھایا اور اُسے اپنے
آگے ٹانگوں پر رکھا۔ چھری اور کانٹا ہاتھ میں لیا۔ لیکن
یہ احتیاط سے دیکھ لیا کہ لوگ کس ہاتھ میں چھری پکڑتے
ہیں اور کس ہاتھ میں کانٹا۔ اس لئے کہ اکثر لوگوں کو اس کا
مذاق اُڑاتے سنا تھا۔ پھر یہ دیکھا کہ لوگ کھاتے کس
طرح ہیں غرض یہ مغربی زندگی کا پہلا سبق تھا' جو اس طرح
میں نے قدم بہ قدم سیکھا۔

لیکن مغربی سفر کا پہلا تجربہ جو کم و بیش ہر ایک کو
نہایت تلخی کے ساتھ اُٹھانا پڑتا ہے، ابھی باقی تھا۔ ابھی
جہاز ساحل سے کچھ بہت دور نہیں گیا ہوگا اور ہم لوگوں
نے ابھی اپنا کھانا بھی نہیں ختم کیا تھا کہ وہ آزمائش کی گھڑی
آپہنچی اور جہاز نہایت زوروں سے حرکت کرنے لگا
کبھی چھری گوشت پر پڑتی تو کبھی کانٹے پر، کھائیے
تو کانٹا منہ کے اندر پہنچنے کے بجائے منہ کے اوپر لگتا ہے
ایک تو یوں ہی اس سبق میں کچے تھے۔ دوسرے اس
حرکت نے اور جان مصیبت میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر
میں محسوس ہوا کہ اب تو کھانے کو بھی طبیعت نہیں چاہتی
یہی کیا کم تھا کہ نئے اور اجنبی قسم کے کھانے دیکھ کر
طبیعت میں کچھ میلان نہ تھا۔ دوسرے اندر سے امتلاء
اور قے کی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ پھر تو مجھے میز سے
اُٹھنا ہی پڑا۔ اور لڑکھڑاتا۔ لڑکھڑاتا اپنے کمرے میں
پہنچا۔ لیکن اس تمام کیفیت میں اگر کوئی چیز قابل تسکین
تھی تو یہ کہ بعض اور لوگوں کی حالت مجھ سے بھی زیادہ
خراب تھی۔

[1] نیپکن، ایک رومال، سا ہوتا ہے جو سامنے ٹانگوں پر رکھ لیتے ہیں تاکہ کوئی چیز کپڑے وغیرہ پر نہ گرنے پائے

چین کی کہانی

از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی

چھٹا باب

ہان خاندان جب چن خاندان تباہ ہوا اور اس کی حکومت جاتی رہی تو ایک صوبے کا سردار کاؤزو اپنی ہمت اور دیانت داری کی بدولت چین کا بادشاہ بن گیا۔ پھر حکومت اسی کے خاندان میں آئی جو ہان خاندان کے نام سے مشہور ہوا۔ ہان خاندان نے کوئی چار سو برس حکومت کی اور اس میں کل ۳۲ بادشاہ گذرے ہے۔

جب کاؤزو کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی نے اپنے بیٹے کو جو تاج اور تخت کا وارث تھا نکال باہر کیا۔ اور خود ملکہ بن بیٹھی۔ اس نے ۱۶ برس تک راج کیا۔ چین کی ساری تاریخ میں یہی اکیلی ملکہ ہے جس نے وہاں حکومت کی۔

ہان خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ ووطی ہوا ہے۔ اس نے ہُن قوم کو جو شمال کی طرف سے چین پر حملے کیا کرتی تھی دور تک مار بھگایا اور اُن کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر کے اُسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ کسی اٹلس میں ذرا ایشیا کا نقشہ دیکھو اس میں مغرب کی طرف بحرِ کیسپین کے نام سے ایک بہت بڑی جھیل ہے۔ ووطی بادشاہ کی سلطنت بحرِ چین سے بحرِ کیسپین تک پھیلی ہوئی تھی دیکھو وہ کتنی بڑی سلطنت کا مالک تھا۔ دنیا میں اس وقت اس سے بڑی کوئی سلطنت نہ تھی۔

ووطی کو علم کا بھی بہت شوق تھا۔ قلم اور پنسل چن خاندان کے زمانے میں ایجاد ہو چکے تھے۔ لیکن اُن کا استعمال اسی بادشاہ کے زمانے میں شروع ہوا۔ اس کے علاوہ درختوں کی چھال اور پھٹے پرانے کپڑوں سے کاغذ بھی بنایا گیا اور لکڑی پر حروف کھود کر اُس سے چھپائی بھی ہونے لگی اسی زمانے میں لغت کی سب سے پہلی کتاب بھی لکھی گئی۔ غرض ووطی کی حکومت میں علم کا اتنا چرچا ہوا کہ مرد تو مرد عورتیں بھی بڑی بڑی قابل ہونے لگیں ان میں پان چاؤ سب سے مشہور گذری ہے۔ اس نے بہت سی اچھی اچھی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

ایک دن ہان خاندان کے سترھویں بادشاہ منگ طی نے خواب میں ایک بہت ہی اونچے قد کا آدمی دیکھا۔ جس کے چہرے کے چاروں طرف نور کا ہالا پڑا تھا اس نے فوراً اپنے یہاں کے بڑے بڑے عالم اس کی تلاش میں روانہ کئے۔ یہ لوگ ہندوستان آئے۔ یہاں مہاتما بدھ پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن جب تک یہ ہندوستان پہنچیں اُن کا انتقال بھی ہو گیا تھا اُن کے چیلے ساکا منی موجود تھے اُنہی سے اِن عالموں نے بودھ مت کی تعلیم حاصل کی اور پھر چین واپس جا کر اُسے وہاں پھیلایا۔ گویا بودھ مذہب سب سے پہلے ہان خاندان کے زمانے میں چین پہنچا

اس کے بعد تو اتنا پھیلا کہ آج وہاں کی آبادی زیادہ تر اسی مذہب کی پیرو ہے

مردم شماری سے تو تم واقف ہوگے ۔ کسی ملک کے تمام لوگوں کی گنتی کرنے کو مردم شماری کہتے ہیں ۔ ہر گھر کے رہنے والے لکھے جاتے ہیں ۔ سب گھروں کے رہنے والوں کو ملاکر ضلع کی ۔ سب ضلعوں کے رہنے والوں کو ملاکر صوبے کی ۔ اور سب صوبوں کے رہنے والوں کو ملاکر ملک کی آبادی معلوم کی جاتی ہے ۔ ہندوستان میں یہ مردم شماری ہر دس سال بعد ہوتی ہے ۔ لیکن یہ طریقہ بہت تھوڑے دنوں سے رائج ہوا ہے ۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلی مردم شماری ابھی کوئی ڈیڑھ سو برس گذرے امریکہ میں ہوئی تھی ۔ لیکن یہ خیال غلط ہے ۔ سب سے پہلی مردم شماری تو چین میں ہان خاندان کے چھبیسویں بادشاہ ہوان طی کے زمانے میں یعنی ۱۵۶ء میں ہوئی تھی ۔

پرانے زمانے میں ہر ملک میں بادشاہ یا افسر کی مرضی پر منحصر ہوتا تھا کہ جسے چاہیں سرکاری عہدوں پر مقرر کردیں اس لئے اکثر نالائق لوگ بادشاہ یا افسر کی خوشامد کرکے اونچے سے اونچے عہدوں پر پہنچ جاتے تھے ۔ ہان خاندان کے بادشاہوں نے یہ طریقہ اُڑادیا اور امتحان کا طریقہ رائج کیا جو کوئی امتحان میں پورا اُترتا وہی اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا جاتا ۔ یہ طریقہ کوئی ۲ ہزار برس تک چین میں رائج رہا

لیکن آخر زمانے میں ہان خاندان میں بھی بُرے بُرے بادشاہ ہونے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خاندان بھی تباہ ہوگیا اور اس کے بعد کوئی چارسو برس تک ملک میں بڑی گڑبڑ مچی رہی ۔

ہان خاندان نے حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ۲۱۰ برس پہلے راج پاٹ سنبھالا تھا ۔ اور آپ کی پیدائش کے ۲۲۰ برس بعد تک اس کی حکومت رہی ۔ حضرت عیسیٰ اس خاندان کے بارھویں بادشاہ پنگ طی کے زمانے میں پیدا ہوئے ۔ اسی وقت سے عیسوی سنہ شروع ہوا جو آج کل رائج ہے ۔ گویا ہان خاندان ۲۲۰ء تک حکومت کرتا رہا ۔ اب آگے ہم اسی حساب سے برسوں کا ذکر کریں گے ۔

ساتواں باب

گڑبڑ | ہان خاندان کے خاتمے پر چین میں گڑبڑ مچ گئی ملک کئی حصوں میں تقسیم ہوگیا اور بہت سے خاندانوں کی حکومت رہی ۔

یہ صورت کوئی چارسو برس تک یعنی ۶۱۸ء تک جاری رہی ۔ ہم ان خاندانوں کا علیحدہ علیحدہ حال نہیں لکھیں گے ۔ البتہ خاص خاص باتوں کا ذکر کردیں گے

تم نے سُنا ہوگا کہ چین کی عورتوں کے پاؤں بہت چھوٹے ہوتے ہیں ۔ جتنے زیادہ اُن کے پاؤں چھوٹے ہوں اتنے ہی خوب صورت سمجھے جاتے ہیں ۔ اسی لئے لڑکی کے پیدا ہونے کے چند دن بعد اُسے لوہے کے جوتے پہنادئے جاتے تھے ۔ پھر اس کا سارا جسم تو بڑھتا تھا لیکن پاؤں اُتنے کے اُتنے ہی رہتے تھے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ عورتیں لڑکھڑا لڑکھڑا کر چلتی تھیں ۔ بغیر سہارے کے دو قدم چلنا بھی مشکل ہوجاتا تھا ۔ اب چین والوں نے یہ بُرا رواج چھوڑ دیا ہے ۔ اس کی ابتدا سن خاندان کے

زمانے سے ہوئی۔ اس خاندان کے آخری بادشاہ کی بیوی کے پاؤں بہت ننھے ننھے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس ملکہ نے اپنا عیب چھپانے کے لئے یہ حکم دے دیا کہ سب عورتیں پاؤں چھوٹے کیا کریں۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بادشاہ یا ملکہ جو کام کرے سب اسی کی نقل کرنے لگتے ہیں آہستہ آہستہ وہ فیشن میں داخل ہو جاتا ہے۔ چونکہ ملکہ کے پاؤں چھوٹے تھے اس لئے سب عورتوں نے اسی کو حسن سمجھ لیا اور اپنے پاؤں بھی چھوٹے کرنے لگیں۔

بادشاہوں میں لیانگ خاندان کے ایک بادشاہ نے سب سے پہلے بودھ مذہب اختیار کیا۔ چونکہ بودھ مذہب میں جان لینا بہت بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس بادشاہ نے موت کی سزا بالکل بند کر دی۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے کہ موت کی سزا قانون کی رو سے کسی جگہ بند ہوئی ہو۔

اس گڑبڑ کے زمانے میں بودھ مذہب نے چین میں بہت ترقی کی اور چین اور ہندوستان کے درمیان لوگوں کے آنے جانے کا سلسلہ بہت بڑھ گیا۔ اسی عرصے میں چین کا ایک مشہور عالم فاہیان یہاں آیا۔ اور ہندوستان اور لنکا میں ۱۵ برس گھوم پھر کر جاوا کے رستے سے چین واپس گیا۔ مہاتما بودھ کی پیدائش کی جگہ کپل وستو اسی نے معلوم کی تھی۔

دوسرا مشہور شخص ہیون سانگ تھا جو کئی سو برس کے بعد آیا۔ اس نے بھی سارے ہندوستان کا سفر کیا۔ اور ہر جگہ کا حال لکھا ہے۔ اس کی کتاب سے ہندوستان کی پرانی تاریخ کی بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں

ہندوستان میں کچھ دنوں تو بودھ مذہب کا بہت زور رہا۔ اس کے بعد ہندو مذہب جو دب گیا تھا پھر ابھرا اور اس نے بودھ مذہب کا تختہ الٹ دیا۔ اب بودھ مذہب والوں کا کوئی والی وارث نہ رہا اور ان پر طرح طرح کے ظلم ہونے لگے ان ظلموں سے پریشان ہو کر بودھ مذہب کے سب سے بڑے پیشوا یعنی مہاتما بودھی دھرما یہاں سے ہجرت کر کے چین چلے گئے اور وہاں کے مہاتما سب سے بڑے پیشوا مقرر ہوئے۔ یہ چین میں گڑبڑ کا زمانہ تھا اس کے بعد طانگ خاندان نے چین میں امن قائم کیا اور سارے ملک کو پھر ایک کر دیا۔

مشغلے اور پیامی

ابرار الرحمٰن قدوائی۔

کھیل میں کام کرنے والے

حامد
ضیا
رشید
محمود
} ہم جماعت

ڈاکیہ

پہلا منظر

(حامد اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سوچ رہا ہے اتنے میں ڈاکیہ آواز دیتا ہے۔ حامد دوڑا دوڑا جاتا ہے اور تمام ڈاک لے آتا ہے۔ سب سے پہلے ماہ جون کا نیا نیا "پیامِ تعلیم" کھولتا ہے۔ فہرست پر ایک سرسری نظر ڈال کر تھوڑی دیر کے لئے رک جاتا ہے۔ "اوہو اب کے اس کی ترتیب بدل گئی ہے"! چہرے پر مسکراہٹ کی ایک ہلکی سی لہر پیدا ہو جاتی ہے اور فوراً ہی نہ معلوم کیوں؟ —— کچھ غصہ سا آ جاتا ہے۔ جلدی جلدی ورق پلٹ کر ایک صفحہ پر ٹھہر جاتا ہے —— جس پر موٹے موٹے حرفوں میں "تصویریں جمع کرنا" لکھا ہے۔ اس سُرخی پر نظر پڑتے ہی اس کا غصہ اور بڑھ جاتا ہے —— پھر آپ ہی آپ بڑبڑانے لگتا ہے۔ ——

"لاحول ولاقوۃ —— نہ جانے ان لوگوں کو کیا سوجھی ہے؟ جب دیکھو کچھ نہ کچھ جمع کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کبھی ٹکٹ جمع کرو۔ کبھی تتلیاں، کبھی پر کبھی پتیاں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ یا تو ان مضمونوں کے مصنف کوئی دلال ہیں۔ یا پھر اناڑی مضمون نگار۔ ناک میں دم آ گیا ہے ان جمع کرنے والوں سے! آج کل گرمیوں میں تو یہ لوگ دماغ خراب کر دیں گے (ذرا اور غصے سے) بھاڑ میں جائیں کمبخت ٹکٹ اور تصویریں (غصے سے بھرا ہوا . . . اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پیامِ تعلیم کو میز پر رکھ کر شیروانی پہن کر گھر سے باہر کہیں چلا جاتا ہے۔)

دوسرا منظر

(حامد کی پیشانی پر سینکڑوں بل پڑے ہوئے ہیں۔ بازاروں اور گلیوں میں سے ہوتا ہوا ایک کشادہ سڑک پر کوئی پچاس قدم چلنے کے بعد بائیں طرف ایک کوٹھی میں داخل ہوتا ہے اور بڑے بڑے قدم اُٹھاتا ہوا مختلف کمروں سے گذرنے کے بعد ایک خوش قطع کمرے

میں داخل ہوتا ہے ——— یہاں پر ——— حامد کے چیدہ ہم جماعت ضیا۔ رشید۔ نعیم اور محمود بیٹھے ہوئے کیرم کھیل رہے ہیں۔)

حامد۔ السلام علیکم۔

سب دوست۔ وعلیکم السلام۔

ضیا۔ کہئے جناب؟ کیا خاطر تواضع کی جائے جناب محترم کی ——— ؟

حامد۔ ہونہہ ——— : بڑے آئے ہیں تواضع کرنے والے؟ بس اپنی تواضع اپنے ہی پاس رکھئے۔

ضیا۔ اور کیا آپ نے یقین بھی فرمالیا کہ میں تواضع کروں گا۔ "یہ منہ اور مسور کی دال" ——— !؟

(سب لوگ بڑے زور کا قہقہہ لگاتے ہیں اور کیرم بھی اسی عرصے میں دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔ حامد بھی فرش پر بیٹھے کیرم دیکھ رہے ہیں۔)

نعیم۔ ہاں تو باری کس کی ہے اب

رشید محمود کی۔ !

ضیا۔ تو پھر کھیلو محمود۔ لو اسٹرائیکر لو۔

(محمود ضیا سے اسٹرائیکر لے لیتا ہے اور ایک آسان گوٹ لینے کے بعد کچھ سوچنے لگتا ہے۔ چند لمحے بعد نعیم (جو محمود کا ساتھی ہے) محمود سے مخاطب ہو کر کہتا ہے)

نعیم۔ واہ ——— کیا اندھے ہو گئے ——— ؟ یہ (ایک گوٹ کی طرف اشارہ کرکے) گوٹ کیوں نہ لو؟

محمود۔ اور جو یہ (اپنے مخالف کی گوٹ کی طرف اشارہ کرتا ہے) شیطان کا دادا بنی بیٹھی ہے؟ اگر ذرا بھی اسٹرائیکر چھوا تو سمجھ لو کہ یہ بھی گئی

نعیم۔ جانے بھی دو میں لے لوں گا۔ !

محمود۔ (چڑ کر) لے لوں گا؟ بڑے آئے ہیں لاٹ صاحب

نعیم۔ ابھی دیکھو معلوم ہوا جاتا ہے ——— ! رشید صاحب لیجئے ذرا ہم بھی آپ کا کمال دیکھیں۔

(رشید اسٹرائیکر لے کر بقیہ چاروں گوٹیں بڑی صفائی کے ساتھ لے لیتا ہے۔ سب حیرت میں ہیں۔ ضیا زور سے چیخ کر کہتا ہے "بھیج دیا"۔ اور دونوں ساتھی بھیج دیا۔ بھیج دیا کے نعرے لگاتے اور تالیاں بجاتے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے قارون کا خزانہ اِن ہی کو تو مل گیا۔ محمود نعیم کو گھور گھور کر دیکھتا ہے اور طنزیہ کہتا ہے ——— "لے لی میں نے گوٹ" ——— بڑے آئے ہیں اپنے آپ پر بھروسہ کرنے والے)

رشید۔ (حامد سے مخاطب ہو کر) بھئی آج تو تم نے بہت بڑھیا شیروانی پہنی ہے؟ کب بنوائی یہ ——— ؟

حامد۔ ابھی کل ہی تو درزی دے گیا ہے۔ سی کر

محمود کتنے گز کپڑا لیا تھا؟

حامد۔ شاید پونے پانچ روپے گز لیا گیا تھا۔

نعیم۔ (ہنس کر) یہ منہ اور مسور کی دال؟ کبھی پونے پانچ روپے گز والا کپڑا دیکھا بھی ہے؟

(ایک بڑے زور کے قہقہہ سے سارا کمرہ گونج اٹھتا ہے۔ حامد ناراض ہو جاتا ہے اور دروازے کی طرف بڑھتا ہے کہ اتنے میں ضیا بول اٹھتے ہیں۔)

(باقی آئندہ)

کیڑے مکوڑوں کی کہانی

محترمہ بیگم سید بشیر الدین صاحبہ ۔ علی گڑھ

(۲)

اسی طرح کی اور مکھیاں ہیں جو لکڑی کو صفائی کے ساتھ کاٹ کر گھر بناتی ہیں۔ بعض تو ایک ایک گز تک کے سرنگ تیار کرتی ہیں۔ اور خوب صورت خانے بنا کر ان میں انڈے اور شہد بھرتی ہیں اور ان خانوں کو صفائی کے ساتھ بند کرتی ہیں۔
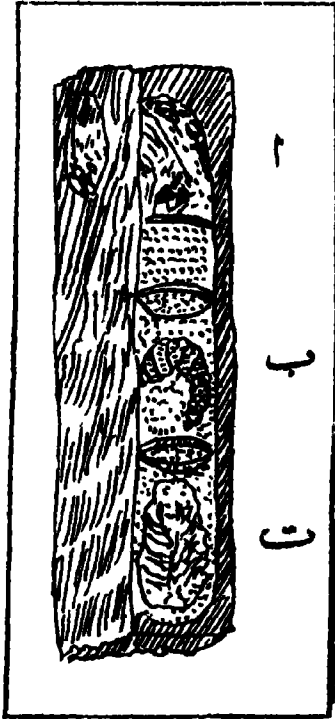
یہ تصویر ایک سرنگ کی ہے جو ایک مکھی نے ایک مضبوط لکڑی میں بنائی ہے۔ آخری خانے میں تم کو ایک مکھی نظر آئے گی جو اب اتم روپ کی حالت میں ہے اس کے نیچے ہی ایک بیضوی شکل کی شے ہے جو اس کا خول ہے اور جس میں سے وہ نکل کر اپنے خانے کی دیوار کی طرف متوجہ ہو۔ اس کے بعد کے خانے میں ابھی منجھ روپ کی حالت میں ایک مکھی ہے۔ اور تیسرے میں ابھی پہلی روپ ہے۔

یہ تو ان کیڑوں کا ذکر تھا جو بڑھئی کا کام انجام دینے میں مہارت رکھتے ہیں۔ اب ان کیڑوں کا حال سنو جو ایک ماہر راج کا کام کرتے ہیں۔

اکثر تم نے پرانی چھتوں یا پرانے پلوں کے نیچے مٹی کے بنے ہوئے گھروندے دیکھے ہوں گے باہر سے یہ مٹی کے گھر بہت ہی بھدے اور بے ڈول معلوم ہوتے ہیں لیکن کبھی کسی گھروندے کو تم گرا کر اس کے اندر کی حالت دیکھو تو معلوم ہو گا کہ کس قابلیت سے ننھی ننھی کوٹھریاں اور بیلن دار چھجے بنے ہوئے ہیں یہ شاہکار معمولی بھڑ کے کمال کا ہے۔ دور دراز سے چکنی مٹی منہ میں لاتی ہے اور اس کی زبان سے جو ایک قسم کی رطوبت نکلتی ہے اس میں مٹی گوندھ کر کئی دن کی مسلسل محنت کے بعد یہ خانے دار گھروندے تیار کرتی ہے اب وہ عمل جو ہر کیڑے کی زندگی کا اصلی مدعا ہے یعنی اپنی نسل کو قائم رکھنا شروع ہوتا ہے یعنی گھر تیار ہوتے ہی ان میں انڈے دئے جاتے ہیں۔ شہد کی مکھی کے بیان میں تم پڑھ چکے

ہو کہ کیڑا منجو روپ سے اتم روپ میں تبدیل ہونے تک لکڑی
کے خانوں میں رہتا ہے اور اس دوران میں اس کی غذا کا انتظام
پھولوں کے شہد سے کیا جاتا ہے۔ بھڑ بھی اپنی اولاد کو
شروع زمانے کے لئے مٹی کے خانوں میں رکھتی ہے مگر بھڑ چونکہ
گوشت خور ہوتی ہے اس کو بچوں کے لئے گوشت۔ کھانا پڑتا
ہے یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گوشت اس مدت تک
کہ انڈے میں سے پہلا روپ نکلے کیوں کر صحیح رہ سکتا ہے
اس مشکل کو حل کرنے کے لئے فطرت نے بھڑوں کو ایسی
عمدہ ترکیب سکھائی ہے کہ وہ ترکیب انسان کو بھی نہیں معلوم
وہ دلچسپ ترکیب یہ ہے:-

گھروندا جب مکمل ہو جاتا ہے تو بھڑ شکار کی تلاش
میں نکلتی ہے۔ اس کا شکار مکڑی ہے۔ یہ بچاری اپنے شکار
کو پھانسنے کے لئے جال بچھائے ہوئے انتظار میں بیٹھی ہوتی
ہے کہ اتنے میں بھڑ چیل کی طرح اس پر حملہ بول دیتی ہے اور اپنے
تیز دانتوں اور پنجوں میں اس کو مضبوط پکڑ کر سوئی دار ڈنک
اس کے موٹے پیٹ میں چبھوتی ہے اور زہر داخل کر دیتی
ہے۔ مگر اتنا زہر داخل نہیں کرتی...... کہ مکڑی مرجائے بلکہ
فقط اتنی مقدار میں کہ اس پہ غنودگی کا عالم طاری ہو جائے
اس بے ہوشی کے عالم میں اس کو اٹھا کر اپنے بنائے ہوئے
گھروندے میں لے جاتی ہے اور اس میں انڈے کے ساتھ
بند کر دیتی ہے۔ اب ان گھروندوں میں انڈوں میں سے پہلا
روپ نکل کر مکڑی کے نیم مردہ گوشت کو کھاتے ہیں اور سو جاتے
ہیں۔ اس کے بعد اتم روپ میں تبدیل ہو کر خانوں کو توڑ کر
باہر نکلتے ہیں۔

اسی قسم کے اور کیڑے ہوتے ہیں جو مٹی سے نہایت
مضبوط مکان بناتے ہیں اور فن تعمیر میں ماہر ہوتے ہیں۔

چیونٹی خور کیڑے

شیر سے انسان کس قدر ڈرتا ہے۔ اس
لئے کہ شیر کو انسان کہیں مل جائے تو
اس کو فوراً پچھاڑ کر پھاڑ ڈالے۔ ایک کیڑا ہوتا ہے جو
چیونٹی کا اسی قدر خوفناک اور بے رحم دشمن ہے۔

گرمیوں میں اگر کسی ریتیلی زمین پر سے گذر ہو تو تمہیں
جابجا چھوٹے چھوٹے بل ملیں گے اُن میں سے ایک کو غور سے دیکھو
تو تمہیں اس کے اطراف میں ایک بہت ہی چھوٹی دیوار
بھی نظر آئے گی۔ ذرا اور غور سے دیکھو تو اس بل میں سے
دو خفیف سی مونچھیں باہر کی طرف کو نکلتی ہوئی دکھائی دیں گی
چیونٹیوں کی تو یہ خاصیت ہے کہ یہ کھانے کی تلاش
میں ہر طرف ماری ماری پھرتی ہیں ان میں سے کسی کا گذر
اگر اس بل کی طرف ہوا تو جانو کہ اس کی موت آگئی۔ ہوتا
یہ ہے کہ چیونٹی اپنی فکر میں بدحواس بل کی دیوار پر چڑھتی ہے
اور اندر کی طرف دیکھتی ہے۔ بس یہاں سے اس کا خاتمہ
شروع ہوا۔ اندر کی طرف پوری طرح دیکھ نہیں پاتی کہ وہ
بل میں یکسر کھنچتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ لاکھ کوشش نکلنے کی
کرتی ہے لیکن ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ وہ بل کے اندر گر جاتی ہے
اور گرتے ہی ایک بے رحم کیڑے کا شکار بن جاتی ہے جو اس
کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے۔ یہ جو مونچھیں نظر آتی ہیں یہ دراصل
اس کیڑے کے جبڑے ہوتے ہیں جو نہایت تیز اور مضبوط
ہوتے ہیں۔ یہ کیڑا اپنا بل بنانے میں ذہانت کا ثبوت
دیتا ہے۔ یہ آگے اور پیچھے دونوں جانب تیزی سے
بھاگ سکتا ہے۔

کیڑے جو انجیر پیدا کرتے ہیں

انجیر کس قدر لذیذ میوہ

ہے۔ لیکن یہ معلوم کرکے تم کو حیرت ہوگی کہ یہ مزے دار پھل دنیا سے مٹ جائے۔ اگر ایک قسم کا کیڑا جو اس کی پیداوار میں مدد دیتا ہے دنیا سے ضائع کر دیا جائے۔

کالیفورنیا امریکہ کا ایک صوبہ ہے۔ یہاں کے انجیر دنیا میں مشہور ہیں۔ لیکن وہ اصل میں پھل سمرنا کا ہے جو ایشیائے کوچک کا ایک علاقہ ہے۔ کالیفورنیا کے ایک اخبار والے نے اپنے پرچے کی اشاعت بڑھانے کی خاطر کئی ہزار انجیر کی قلمیں سمرنا سے منگوا کر اخبار کے خریداروں میں مفت بانٹیں۔ لوگوں نے شوق سے یہ قلمیں بوئیں۔ تین چار سال کے عرصے میں یہ پودے بڑھ کر درخت ہوگئے اور ان میں پھل بھی آئے لیکن ان لوگوں کو یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ پھول بجائے پھل میں تبدیل ہونے کے سوکھ سوکھ کر گر رہے ہیں۔ کئی سال یوں ہی گذر گئے۔ کچھ پتہ نہ چل سکا۔ تب ان لوگوں نے امریکہ کے محکمہ زراعت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ وہ اس کی وجہ دریافت کرے کہ انجیر کے درخت بار آور کیوں نہیں ہوتے۔ محکمے نے اپنے کچھ ماہر بھی بھیجے۔ لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ ایک ماہر زراعت وہاں بھیجا جائے جہاں سے کہ انجیر کی قلمیں آئی تھیں۔ چنانچہ ایک سائنس داں دور دراز سے سمرنا پہنچا۔ اور دن اور رات تفتیش میں مصروف رہا۔

کئی ہفتے گذارنے کے بعد ایک روز اس نے دیکھا کہ جس زمانے میں انجیر کے درخت پھولوں سے لدے ہوتے ہیں باغ والے جنگلوں میں سے ایک جنگلی پھل کافی تعداد میں توڑ کر لاتے ہیں، ان پھلوں کے ہار بنا کر انجیر کے باغ میں ٹانگ دیتے ہیں۔ یہ جنگلی پھل سخت اور بدمزہ ہوتا ہے جس کو کوئی نہیں کھاتا۔ ماہر نے باغ والوں سے دریافت کیا یہ پھل کیوں لٹکائے جاتے ہیں۔ باغ والوں نے بتایا کہ انجیر کے باغ کا دیوتا ان پھلوں کے ہاروں سے خوش ہوتا ہے اور فصل اچھی ہونے میں مدد دیتا ہے۔ ماہر ایک سائنس داں تھا اس کو اس جواب سے اطمینان نہ ہوا لیکن اس کو یہ شبہ پیدا ہوگیا کہ ان جنگلی پھلوں میں اور انجیر کی فصل میں کوئی رشتہ ضرور ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ تن دہی سے تحقیق و تلاش میں مصروف ہوگیا۔ اس کی یہ تن دہی اکارت نہیں گئی۔

اس نے دیکھا کہ جنگلی پھلوں کے ہار ٹانگنے کے کچھ دن بعد اُن میں مچھر کے سے کیڑے نکلے اور فوراً اُڑ کر انجیر کے پھولوں کی طرف بڑھے۔ پھولوں پہ پہنچتے ہی انھوں نے یہ چاہا کہ اندر داخل ہوں۔ چنانچہ پھولوں کے منہ نوچ کر یہ اندر پہنچے اور کچھ دیر کے بعد پھر باہر نکل کر گرے اور گر گر کر جان دے دی۔ امریکن نے یہ بھی دیکھا کہ یہ کیڑے انجیر کے پھلوں میں گھسنے کے لئے جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔ اس کوشش میں کئی کیڑوں کے پر بھی گر گئے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انجیر کے پھولوں میں داخل ہونا ہی اُن کی زندگی کا ماحصل ہے۔

امریکن ماہر زراعت اب یہ بھی سمجھ گیا کہ جو نظارہ اس نے دیکھا ہے وہی اِس معمے کا حل ہو سکتا ہے چنانچہ اس مشاہدے پر غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جنگلی پھل جب پھول کی حالت میں ہوتے ہیں اس وقت ایک بھنگا ان میں انڈے دے دیتا ہے وہ کیڑے جو ان پھلوں میں سے نکلے ہیں اپنی پیدائش کی تینوں منزلیں وہیں گذارتے ہیں۔ یعنی پہلی روپ سے منجھ روپ تک۔ منجھ روپ سے

تم روپ تک اس میں رہتے ہیں۔ جس وقت وہ اتم روپ
میں پہنچ کر باہر نکلتے ہیں تو اُن کے جسم ان جنگلی پھولوں اور
پھلوں کے زردانوں سے لپٹے ہوتے ہیں۔ جب وہ انجیر کے
پھولوں میں داخل ہوتے ہیں تو ان میں وہ زردانے اُن
کے جسم سے گر جاتے ہیں اور ان ہی زردانوں سے انجیر کے
پھول بارآور ہوتے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ
کیڑے انجیر کے پھولوں کی جانب اس تیزی اور بے قراری
سے کیوں اُڑتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کیڑوں کی زندگی
میں پیدائش کے بعد ایک ہی مقصد ہوتا ہے یعنی اپنی نسل
کو جاری رکھنے کا اہتمام۔ چنانچہ کیڑے جب جنگلی پھلوں میں
سے نکلتے ہیں تو فوراً انڈے دینے کے لئے انجیر کے پھولوں پر
یہ سمجھ کر کہ وہ جنگلی پھلوں کے ہی پھول ہیں حملہ کرتے ہیں مگر
زمین ناموافق پاکر نکل آتے ہیں اسی عرصے میں اپنی غلطی کی
بدولت انجیر ایسا لذیذ پھل دنیا کو دیتے ہیں۔

اس راز کو دریافت کرنے کے بعد امریکن ماہر
نے حکومت کو لکھا کہ اگر کالیفورنیا کے انجیر کے درخت بارآور
نہیں ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں یہ جنگلی پھل
نہیں پیدا ہوتا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اُن کی کاشت
وہاں کی جائے چنانچہ حکومت نے ان درختوں کی پود سمرنا
سے جہاز میں لدوا کر امریکہ منگوائی اور وہاں اس کی
کاشت شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس وقت یہ پھل وہاں
پیدا ہونے لگے تو انجیر کے درخت جو اس وقت پھل نہیں
دیتے تھے انجیروں سے لدنے لگے۔ غرض دنیا
انجیروں کے لئے ان ناچیز کیڑوں کی مرہون منت
ہے۔ جو جنگلی پھلوں میں سے نکلتے ہیں ؛

کام کی باتیں

۱۔ لالٹین وغیرہ سے جو کالک جھڑتی ہے اسے گملوں میں ڈالنا بہت مفید ہے

۲۔ اگر خوش رنگ اور نازک پھولوں کو عرصے تک رکھنا ... ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے۔ پھولوں کو ڈنٹھل سمیت درخت سے جدا کریں۔ پھر چند آلو لے کر ان میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کریں اور پھولوں کے ڈنٹھل ان میں ڈال دیں۔ جب تک آلو میں رطوبت رہے گی پھول تازہ رہیں گے

۳ گرم پانی سے جسم بھگونے کے بعد نمک سفوف خوب ملیں۔ اور چند منٹ بعد تولیے سے جسم رگڑ کر گرم پانی سے نہائیں بہت مفید ہے جلد بالکل صاف ہو جاتی ہے۔

۴۔ کتاب پر روشنائی گر پڑے تو پانی میں کسی قدر اکزالک حل کر کے داغ پر لگا دیں

۵ سرکے میں نمک ملا کر پیتل کے برتنوں پر ملنے سے برتن بہت چمک دار اور صاف رہتے ہیں

(ط۔ ب)

لڑکیوں کے لئے

سگھڑ بیٹی

خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی

خواجہ محمد شفیع صاحب (مصنف دلی کا سنبھالا) نے یہ کہانی پیامِ بچیوں کے لئے لکھی ہے خواجہ صاحب کو دلی کی زبان لکھنے کا خاص ملکہ ہے۔ کہانی میں کہیں کہیں ایسے لفظ آ گئے ہیں جو تمہارے لئے نئے ہیں۔ مگر لعبد کے لفظوں سے اُن کی تشریح ہو جاتی ہے۔ اس کہانی کا اگلا حصہ اگست کے پرچے میں چھپے گا۔

(ایڈیٹر)

پرانے زمانے کی بات ہے ایک لکھتی سوداگر تھا۔ گرمی کے بعد برسات آئی۔ آسمان پر اودی اودی گھٹا چھائی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی۔ پانی میں بھیگی ہوا سرسرائی۔ اس موسم میں اُن ہونے کے دل میں امنگ اُٹھتی ہے۔ تم جانو وہ ٹھہرا لکھی سوداگر۔ جوانی کی عمر۔ دل باغ کی سیر کو چاہا۔ دیوان خانے سے اُٹھ حویلی میں آیا۔ باغ ایک پیادہ دوڑایا کہ سوداگر صاحب تشریف لاتے ہیں باغ آراستہ کرو۔ بیوی سے کہا "دیکھو کیسا اچھا موسم ہے۔ آج باغ میں بہار ہوگی آؤ، ہم تم سیر کو چلیں"۔ بیوی نے جواب دیا "خدا کی ذرا ٹھیر جاؤ۔ میں انتظام کرلوں ابھی چلتی ہوں"۔ سوداگر اِدھر ٹہلا ادھر ٹہلا پھر کہا "بیوی چلو" اس نے کہا "پل کی پل میں چلی ذرا انتظام کرلوں"۔ میاں نے پھر ٹہلنا شروع کیا۔ گھٹا پر گھٹا اُڑی چلی آتی ہے۔ اس کی طبیعت مچلی جاتی ہے دل چاہتا ہے کہ باغ گھڑی کی جو تہائی میں پہنچ جائے بیوی کا انتظام کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا۔ چلنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ اب کے اس نے بگڑ ملکر کہا "بیوی ایسا کون سات بادشاہوں کا انتظام ہے جو کسی عنوان ختم ہی نہیں ہو چکتا"

بیوی نے جواب دیا "تم تو ہتھیلی پر سرسوں جماتے ہو۔ گھر کا انتظام کوئی منہ کا نوالا ہے۔ چلتے ہی چلتے چلوں گی اپنی طرف سے تو کوئی دیر لگا نہیں رہی" میاں کو یہ بات ناگوار گذری بگڑ ملکر بولا "بیگم کمائی میری، پیسہ میرا تم صبح سے شام تک بیٹھی حکم چلاتی ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسا کون انتظام ہے جس میں تم لگی رہتی ہو"۔ بیوی نے جواب دیا "بیشک کمائی مرد کی ہوتی ہے پر انتظام عورت کا اگر عورت پھوہڑ ہو تو لکھ پتی کے گھر میں خاک اڑتی نظر آئے۔ اور اگر گھر والی سگھڑ ہو تو ٹکے کے لکڑہارے کا گھر چندن بن جائے۔ مرد پھاوڑوں سے ڈھائے تو گھر نہیں ڈھیتا عورت سوئیوں سے ڈھا دیتی ہے لہر بہر گھر والی کے دم سے ہے" سوداگر چپ ہوگیا۔ گھوڑے کسوا، بیوی کو ساتھ لے جنگل کی طرف چل کھڑا ہوا۔ دونوں گھوڑوں کو ایڑ لگاتے شہر سے کئی منزل دور نکل گئے۔ سوداگر کو درخت کے نیچے ایک بوڑھا لکڑہارا کھڑا دکھائی دیا۔ گھوڑے کی باگیں کھینچیں۔ دونوں اُتر پڑے۔ میاں نے بیوی سے کہا "اب لکڑہارے کے گھر کو چندن بناؤ۔

میں جاتا ہوں۔" اتنا کہہ گھوڑے پر تھا۔ دوسرے گھوڑے کی باگ پکڑ۔ اڑ لگا یہ جا وہ جا۔ یہ غریب ہکا بکا دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ وہ دم کے دم میں نظروں سے غائب ہو گیا۔ عورت کی ذات جنگل کا معاملہ اکیلا دم حیران پریشان کھڑی ہے۔ کبھی آسمان کو دیکھتی ہے کبھی زمین کو۔ لکڑہارا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا۔ سوداگر بچی کو ہم جنس غنیمت نظر آیا۔ منہ کو آنچل سے چھپا اس کی طرف بڑھی۔ غیر مرد سے کبھی بات نہ کی تھی۔ منہ کل گیا۔ زبان بند ہو گئی۔ پر یہ موقع، بے موقع شرم کا نہ تھا۔ بمشکل تمام لکڑہارے سے کہا: "تم میرے دین کے باپ میں تمہاری دین کی بیٹی۔ اگر کہو تو میں تمہارے گھر چلی چلوں زندگی کے دن وہاں گذار دوں گی اللہ تم کو ثواب دے گا۔" لکڑہارے کو ترس آیا بولا "بیٹی جو دال روٹی اللہ نے دی ہے حاضر ہے" شام ہوتے لکڑہارا اس مصیبت زدہ کو ساتھ لے شہر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ آگے آگے لکڑہارا پیچھے پیچھے سوداگر بچی سر پر لکڑیوں کا گٹھا دل میں بیوی کا ڈر۔ کہ اس کو کیوں کر سمجھاؤں گا وہ تو سر بالوں کو آئے گی۔ بڑے مان قیمہ پھیلائے گی جھگڑا مچائے گی۔ خیر اب جو ہو سو ہو۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں سے کیا ڈر۔ زبان دے چکا ہوں، منہ سے بیٹی کہہ چکا ہوں۔ ڈرتے ڈرتے خدا کا نام لے گھر میں قدم رکھا۔ گھروالی نے جو ایک نوجوان عورت کو میاں کے ساتھ دیکھا تو آگ بگولا ہو گئی۔ جھک کر بولی: "اے یہ تیرے ساتھ کون ہے" لکڑہارا پہلے ہی سہما ہوا تھا۔ بے چارے نے دبی زبان سے جواب دیا "یہ میری دینی بیٹی ہے اس نے مجھے باپ بنایا ہے۔" گھروالی بگڑ کر بولی "تیرے کیا اپنے اس اولاد نہیں جو دینی بیٹیاں بناتا پھرتا ہے۔" لکڑہارا بچارا دم بخود کھڑا تھا۔ سوداگر بچی بولی "اماں میں تمہاری خدمت کروں گی۔" لکڑہاری آگ بگولا ہو گئی بولی "خبردار مردار جو مجھے اماں وہاں کہا ہوگا۔ بڑی آئی کل موئی مجھے اماں بنانے والی۔ تو یہ ہماری خدمت کرے گی خدانخواستہ ہم کوئی اپاہج ہیں۔ ہم تجھ جیسی وتی کی خدمت کرکے چھوڑ دیں۔ چل اپنا راستہ لے موئی چڑیل خدا جانے کہاں سے پکڑ لایا ہے۔ عورت ہے اڑ لگنی" اپنی بابت یہ باتیں سن کر سوداگر بچی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے چاہتی تھی کہ سر لپیٹ نکل کھڑی ہو کہ لکڑہارے نے آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "میں نے تجھ کو بیٹی کہا ہے باپ بن کر دکھاؤں گا۔ جو دال دلیا خدا دے گا پہلے تجھ کو کھلاؤں گا۔ پھر خود کھاؤں گا۔ تو اس کی باتوں پر نہ جا یہ خود دو چار دن میں ٹھیک ہو جائے گی" یہ باتیں سن کر بیوی کے تلووں سے جو لگی تو سر سے نکل گئی۔ لگی دھڑا دھڑ اپنے آپ کو پیٹنے۔ خوب پاکھنڈ مچائے چوڑیاں توڑ لیں۔ سر پھوڑ لیا۔ سارے محلے کو جمع کیا پر میاں کے آگے جب کچھ بس نہ چلا تو صبر کرکے بیٹھ رہی بیٹی کو ایک طرف بٹھا لکڑہارا بازار گیا لکڑیاں بیچ کر جو دو چار آنے ملے ان میں سے ایک پیسے کی پیاز لی اور باقی کا آٹا۔ گھر میں چولھا سلگتا بھی نہ تھا تنور پہ پکتی تھی۔ بیوی اتنی مہربانی ضرور کرتی تھی کہ آنے میں دو ٹکیاں لگا دیتی تھی آج اس کی بھی امید نہ تھی۔ بچارا دن بھر کا تھکا ہارا تنور پر سے روٹیاں پکوا، گھر آیا۔ ایک

ایک آدھی آدھی جو قسمت میں آئی سب نے لے لی اور پیاز سے کھانے لگے۔ بیوی کے آگے بھی ایک روٹی اور ایک گنٹھی پیاز کی رکھ دی پر وہ تو منہ ہاتھ لپیٹے ایک کونے میں پڑی تھی۔ اس نے لاکھ کہا کہ نیک بخت کل اسی وقت کا کھائے ہوئے ہے ٹکڑا کھالے پر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ غریب ہار جھک مار کے چپ ہوگیا۔ اس کے حصے کی روٹی چھینکے میں رکھ دی کہ رات برات کو کھالے گی۔ سوداگر بچی نے جب یہ دیکھا کہ گھر والی کسی عنوان مانتی ہی نہیں تو اس کے پاس جاکر بیٹھی۔ کٹورے میں پانی لے گئی چھینکے پر سے روٹی۔ بہت خوشامد درآمد کی اس نے ایک نہ سنی۔ بڑی مشکل سے اٹھاکر بٹھایا پانی کا کٹورا دیا کہ روتے روتے حلق خشک ہوگیا ہے دو گھونٹ پیو۔ اس نیک بخت نے کٹورے کو ایک ایسی لات ماری کہ زمین پر جاکر پڑا۔ یہ اللہ رے سوداگر بچی کا ظرف بری بھلی سنتی جاتی تھی اور اُسے مناتی جاتی تھی۔ آخر آدھی رات گئے خدا خدا کرکے اس نیک بخت نے ٹکڑا کھایا اور سوداگر بچی بھی جس نے عہد کیا تھا کہ جب تک لکڑہارے کی بیوی روٹی نہ کھائے گی وہ بھی نوالا نہ توڑے گی۔ بسم اللہ کرکے روٹی کھانے بیٹھی اس غریب نے یہ تندوری گندوڑے کب کھائے تھے۔ پانی کے گھونٹ سے ایک ایک نوالا اُتارتی جاتی تھی اور اللہ کا شکر کرتی تھی کہ تو نے بھوکا نہیں سلایا۔ سوداگر بچی نے کچھ ایسا طریقہ رکھا کہ دو چار دن میں لکڑہارے کی بیوی اس سے خاصی ہل مل گئی۔

ہنڈکلیا

دُولھا بھائی کی دعوت

آپ نے کبھی اپنے دولھا بھائی کی دعوت بھی کی ہے اگر ابھی تک نہیں کی ہے تو ایک دن اپنی آپا جان سے اجازت لے کر کر ہی ڈالیے۔ دولھا بھائی ندیدے تو بہت ہوتے ہیں۔ دعوت کا نام سن کر باچھیں کھل جائیں گی اور دل ہی دل میں خوش ہوں گے۔ میرے خیال میں چائے کی دعوت کیجئے

بس سہ پہر کو میز پر سب سامان چن دیجئے اور دولھا بھائی کو بلا کر کھلائیے۔ لیکن یہ کام ذرا سنجیدگی سے ہونا چاہیئے۔ اگر ہنسی آگئی تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔

دعوت کے لئے جو جو سامان تیار کرنا ہیں اُن کی ترکیب میں بتاتی ہوں۔

سموسے

آلو، ایک پاؤ۔ میدہ، ایک پاؤ۔ بالائی، آدھ پاؤ گھی، ایک چھٹانک۔ نمک حسب ذائقہ۔ روئی حسب ضرورت (اگر میٹھے بنانا منظور ہوں تو شکر ایک پاؤ)

آلو اُبال کر چھیل لیجئے اور بالکل باریک آٹے کی طرح گوندھ لیجئے۔ اب اس میں میدہ گھی، شکر (یا نمک) ملا کر گوندھئے۔ اب چکلے بیلن سے باریک باریک پوریاں بیل کر اس میں دھنکی ہوئی روئی بھر کے مثلث کی طرح کے سموسے بنا لیجئے۔ کناروں پر مرمرہ توڑ کر گھی میں تل لیجئے

پراٹھے

میدہ، آدھ سیر۔ نمک حسب ذائقہ۔ گھی حسب ضرورت

میدہ میں نمک پیس کر ملا لیجئے اور اس کو گوندھ کر آدھ گھنٹے تک رکھا رہنے دیجئے۔ اس کے بعد بالکل باریک باریک پوریاں بیلئے۔ ایک پوری پر گھی لگا کر اس پر دوسری پوری رکھ دیجئے۔ اب اس پر گھی لگا کر تیسری پوری رکھ دیجئے۔ تیسری پوری پر باریک ململ کا سفید ٹکڑا لے کر پوری کے برابر کاٹ کر پوری پر رکھ دیجئے۔ پھر اس کے اوپر تین پوریاں گھی لگا کر رکھ دیجئے۔ اور بیلن سے آہستہ آہستہ بیل کر گھی میں تل لیجئے۔

ہے ہے بے چارے دولھا بھائی کو کس قدر شرمندگی ہوگی جب وہ پوری توڑیں گے نگوڑی کپڑے کے مارے ٹوٹے گی نہیں۔

(نوٹ) پوری بالکل باریک ہو۔ بیلن سے کنارے اچھی طرح دبا دیجئے

بالائی

روئی عمدہ دھنکی ہوئی لے کر توم لیجئے۔ ایک پیالے میں دودھ ڈال کر روئی بھگو دیجئے۔ دن بھر بھیگنے دیجئے۔ شام کو دولھا بھائی کے سامنے پلیٹ میں نکال کر شکر چھڑک کر لے جائیے

ٹکٹوں کی خبریں

خواجہ حافظ نبی احمد صاحب بی اے (جامعہ)

خیراتی ٹکٹ

حال میں جو خیراتی ٹکٹ جاری ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ بلجیم کے ٹکٹوں کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ٹکٹ پر شہزادی (Princess Charlotte Josephine) کی تصویر ہے۔ ٹکٹ اپنی اصلی قیمت سے کچھ زائد پر فروخت ہو رہے ہیں اور یہ آمدنی بلجیم کے ٹی بی (دق) فنڈ میں جمع کی جائے گی۔

جنوبی روڈیشیا کے نئے ٹکٹ

جنوبی روڈیشیا میں جارج ششم کے نئے ٹکٹ جاری ہو گئے ہیں۔ پورا سیٹ ۱۱ ٹکٹوں کا ہے۔ بادشاہ کو امیر البحر (Admiral) کے لباس میں دکھایا گیا ہے تمام ٹکٹ ایک ڈیزائن کے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان ٹکٹوں پر شاہی تاج کی تصویر نہیں ہے۔

بلجین کانگو

بلجین کانگو نے ایک باتصویر سیٹ جاری کیا ہے جس میں کانگو کے جانور اور دیہاتی زندگی کے مناظر پیش کئے گئے ہیں۔ یہ سیٹ طلباء کے لئے تعلیمی نقطۂ نظر سے بہت مفید ہے کیونکہ اس میں بلجین کانگو کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

جزیرہ فلپائن

جزیرۂ فلپائن میں دو ٹکٹ بڑی قیمت کے جاری ہونے والے ہیں۔ یہ ٹکٹ دس پیسو اور بیس پیسو یعنی ۱۲ روپیہ اور ۲۵ روپیہ کے ہوں گے عام طور پر اس قیمت کے ٹکٹوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن یہ ٹکٹ سونے کی کانوں کی کمپنیوں نے خاص طور پر درخواست دے کر تیار کرائے ہیں کیونکہ انھیں سونے کے پارسلوں کے لئے جو بنکوں کو بھیجے جاتے ہیں ان ٹکٹوں کی ضرورت تھی۔

جمہوریہ پناما نے ۹ نئے ٹکٹ جاری کئے ہیں ۶ معمولی ڈاک کے لئے اور ۳ ہوائی ڈاک کے لئے یہ ٹکٹ فائر بریگیڈ (آگ بجھانے کا انجن) کی پچاسویں سالگرہ کے سلسلے میں جاری کئے گئے ہیں ٹکٹ خوب صورت اور مختلف ڈیزائن کے ہیں ایک ٹکٹ پر ایک قدیم شہر کی تصویر دکھائی ہے جس میں آگ لگ گئی ہے۔ دوسرے ٹکٹ پر جدید قسم کا آگ بجھانے کا انجن دکھایا گیا ہے ہوائی ڈاک کے ٹکٹوں پر دھات کی بنی ہوئی ٹوپی (Helmet) دکھائی گئی ہے جو آگ بجھانے والے پہنتے ہیں دوسرے ٹکٹ پر حفاظتی زینے کی تصویر بنی ہے۔

دلچسپ معلومات

(۱) زمین چاند سے ۵۰ گنا بڑی ہے۔

(۲) بادل زمین سے ۶½ میل سے زیادہ اوپر نہیں جا سکتے۔

(۳) آواز کی رفتار (۱۱۳۰۰ میل) فی سکنڈ ہے۔

(۴) زمین سے ۷۰۰ میل اوپر ہوا بالکل نہیں ہے۔

(۵) سورج کی روشنی صاف ستھرے پانی میں ۱½ فٹ کی گہرائی تک پہنچ جاتی ہے۔

(۶) ۲۴ گھنٹے میں آدمی کا دل عام حالت میں ۹۲۱۶۰ بار حرکت کرتا ہے۔

(۷) گھڑدوڑ کے گھوڑے اور کتے کی رفتار ایک سی ہوتی ہے۔

(۸) ۴۰۰۰ سال پہلے مصر میں بیر بطور دوا کے استعمال ہوتے تھے۔

ملک نذیر احمد ارکوی

(۹) دنیا میں سب سے پہلا اسپتال لیڈی فیبولا (Lady Fabiola) نے ۳۸۰ عیسوی میں یورپ میں بنوایا تھا۔ اس کے سو برس بعد جس ٹی نین (Justi nean) نے یروشلم میں سینٹ جان کا اسپتال بنوایا تھا۔

(۱۰) چین میں بہت مدت سے چائے کا استعمال ہوتا ہے۔ چائے گھر تقریباً ہر گلی کوچے میں پائے جاتے تھے۔ وہ لوگ چائے میں دودھ اور شکر نہیں ملاتے تھے۔ پیالی میں چائے کی پتی ڈالتے تھے اور اس میں گرم پانی ڈال کر تھوڑی دیر بعد اس کو پی جاتے تھے۔

(۱۱) آواز کی لہریں ۷۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہیں۔ اور برقی لہریں ۱۸۶۳۲۹ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم پہلے بجلی کو دیکھتے ہیں اور بعد میں گرج کی آواز سنتے ہیں۔ حالانکہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔

عبدالرحمٰن۔ علی گڑھ

(۱۲) ہاتھی کوئی ستر من وزن اپنی پیٹھ پر اٹھا لیتا ہے

(۱۳) انسان کے جسم میں سب سے چھوٹی اور نازک ہڈیاں اس کے کان میں ہوتی ہیں۔

(۱۴) افریقہ میں تقریباً ۷۰۰ بولیاں بولی جاتی ہیں۔

(۱۵) سورج گرہن دو گھنٹوں سے زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا۔

چاند ثریا۔ لدھیانہ

(۱۶) برلن میں اشتہار دینے کا عجیب و غریب طریقہ ہے۔ یہ اشتہار ہوائی جہاز کے ذریعے دیا جاتا ہے ہوائی جہاز جب کافی بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو قلا بازیاں کھانے لگتا ہے اور دم کی طرف سے دھوئیں کی باریک دھار نکلتی رہتی ہے۔ قلا بازیوں کی گردش سے حروف بنتے ہیں۔ یہ حروف چند منٹ تک رہتے ہیں۔ پھر غائب ہو جاتے ہیں

عبدالرشید (دکن)

خط کتابت

میرے پاس سگریٹ کارڈ بہت قسم کے ہیں۔ کوئی بچہ انہیں اکٹھا کرنے کا شوق رکھتا ہو تو خط بھیج کر منگوا سکتا ہے میں خوشی سے بھیج دوں گا۔ خط کے ساتھ پورا پتہ اور ار سکا ٹکٹ آنا ضروری ہے

پتہ:۔ چاند شرما۔ پربھو نواس۔ ٹوٹی کنڈی۔ شملہ۔ ایس رڈ بلیو

مجھے جنوری ۱۹۳۷ء کے پیامِ تعلیم کی ضرورت ہے قیمتاً خریدنے کو تیار ہوں کوئی پیامی بھائی فروخت کرنا چاہیں تو اس پتے پر خط کتابت کریں

عزیز حسین۔ معرفت مولوی عبد القدیر صاحب

شاہی چبوترہ۔ امروہہ۔

مجھ کو ابی سینیا، بلغاریہ، مالٹا، البانیا اور پرتگال کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے جن کا مبادلہ میں انڈو چین اور آسٹریا کے ٹکٹوں سے کرسکتا ہوں امید ہے کہ پیام بھائی مجھ سے براہ راست خط کتابت کرکے مبادلہ کریں گے

پتہ:۔ عتیق الرحمٰن قدوائی

بڑا گاؤں۔ بارہ بنکی

جن بھائیوں کو حیدرآباد کے ٹکٹوں کی ضرورت ہو وہ مجھ سے خط کتابت کریں۔ محمد اسماعیل

معرفت محمد غوث اسٹور کیپر۔ سنگارینی کالریس (دکن)

میرے پاس حیدرآباد کے ٹکٹ کافی تعداد میں ہیں۔ دیسی ریاستوں کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ بھاری قیمت یا یادگاری ٹکٹوں کے عوض حیدرآباد جوبلی کے ٹکٹ دوں گا

پیامیوں کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ ایک پیامی بچی عزیزہ اشرف النساء (نظام آباد) کا انتقال ہوگیا۔ مرحومہ کو اپنی برادری اور پیامِ تعلیم سے بہت محبت تھی۔ امید ہے کہ پیامی اپنی بہن کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے ہمیں اس حادثے میں مرحومہ کے والد ام ے امام الدین صاحب (نظام آباد) سے دلی ہمدردی ہے

(محمد حسین حسان)

جن پیامی بھائیوں کا خط سب سے پہلے وصول ہوگا ان کو حیدرآباد دکن کے ۵۰ ٹکٹ روانہ کردوں گا۔

احمد عبدالعزیز

سلطان پورہ۔ عزیز باغ۔ حیدرآباد (دکن)

میرے پاس ٹرکی، افغانستان، ایران، جاپان، روس اور اٹلی کے ٹکٹ کافی تعداد میں ہیں۔ میں اُن کا مبادلہ کرنا چاہتا ہوں اگر کوئی پیامی ان ٹکٹوں کا بھوپال بہاولپور ہندوستان کے سلور جوبلی سے مبادلہ کرنا چاہے تو اس پتے سے خط کتابت کرے علی انور سیف الدین

معرفت سید عطا حسین صاحب انجم پلی

(حیدرآباد دکن)

مجھے سلور جوبلی حیدرآباد، سلور جوبلی ہندوستان۔ سلور جوبلی ڈنمارک۔ نرادھکور کے مندر کے داخلے کے مکمل سٹوں کی ضرورت ہے اس کے عوض میں غیر ممالک کے خوبصورت خوبصورت ٹکٹ دوں گا اور اسلامی ممالک کے بھی۔ یہ ٹکٹ کہاں اور کن قیمتوں پر ملیں گے نیز یہ ٹکٹ کسی پیامی کے پاس ہوں تو اطلاع دیں۔ بلجیم، ملکہ اسٹرڈ کا ماتمی ٹکٹ روس، اسکاؤٹ لڑکے کی یادگار، اسپین مکمل سٹ کولمبس، ہٹلر کی سالگرہ کا ٹکٹ برازیل کا ٹکٹ۔ نمائشی ٹکٹ منگولیا، کوچین، ملایا، امریکہ، مالٹا، البانیا۔

سکندر امام۔ معرفت ملک فضل امام شیدا۔ ڈاکخانہ اورنگ آباد۔ گیا۔

پیام برادری

عزیز بچو اور بچیو! خدا کا شکر ہے کہ آپا جان اب اچھی ہو رہی ہیں۔ مگر ابھی اس قابل نہیں ہوئی ہیں کہ پیام برادری کا کام کر سکیں یا خطوں کے جواب دے سکیں اس عرصے میں بچوں اور بچیوں نے خیریت دریافت کرنے کے لئے بے شمار خط بھیجے ہیں۔ آپا جان ان سب کی محبت اور خلوص کا دلی شکریہ ادا کرتی ہیں انہیں افسوس ہے کہ وہ ان خطوں کا بچوں کو فوراً فوراً جواب نہ دے سکیں۔

اس مہینے ان بچوں اور بچیوں نے تصویروں میں رنگ بھر کر بھیجا ہے۔ ابوالفضل، اودے پور۔ سعید الزماں جعفری، علی گڑھ۔ صلاح الدین دہلی۔ چاند شرما، لدھیانہ۔ ظہور الحق نعیمی مرکز جامعہ، دہلی۔ احسان الحق تعلیمی مرکز جامعہ دہلی۔ شمیم آرا رحمن۔ پٹنہ۔ کے ام احسان احمد، کلکتہ۔ سید زین العابدین، حیدرآباد دکن۔ خورشید آرا۔ سرائے میر۔ سید انور علی شاہ۔ دہلی۔ سید مسعود حسین تعلیمی مرکز جامعہ، دہلی۔ ضیاء الاسلام۔ بمبئی۔ نصیر احمد خاں میر مالن گوڑا۔ مرزا بشیر احمد، حیدرآباد دکن۔ محمد نقی، کلکتہ۔ مصطفےٰ کمال پاشا۔ مدراس۔ لطیف النساء بیگم حیدرآباد دکن۔ جمیلہ خاتون میرٹھ۔ قدسیہ بیگم میرٹھ۔ محمد سعید خاں تعلیمی مرکز جامعہ، دہلی۔ علاء الدین تعلیمی مرکز جامعہ، دہلی۔ نور جہاں عرف افسر، اورنگ آباد۔ سید منظور الحسن بانکی پور پٹنہ فضل اللہ خاں بدایوں۔ محمد عزیز الدین صدیقی، سریا پیٹھ۔ سکندر امام، گیا۔

ان میں فضل اللہ خاں اول۔ منظور الحسن، دوم اور نور جہاں سوم آئی ہیں۔ فضل اللہ خاں کے رنگ ہمارے آرٹسٹ صاحب کو بہت پسند ہوئے وہ عزیز موصوف کو اپنی طرف سے ایک انعام بھی بھیج رہے ہیں یہ ان ہی کا بنایا ہوا ایک اسکیچ ہے

پالتو جانوروں پر ان بچوں نے مضمون بھیجے ہیں :۔ محمد ابراہیم خاں ساگر۔ شفیق احمد ساگر۔ اسرار اللہ خاں ساگر۔ عارف حسین پیلی بھیت اقبال احمد امروہہ۔ ان سب بچوں نے کوئی نہ کوئی کام کی بات لکھی ہے کسی کے مضمون میں شوخی اور شگفتگی زیادہ ہے تو کسی کے مضمون میں معلومات زیادہ ہے ان سب کو ایک ایک کتاب انعام میں بھیجی جائے گی۔

الفاظ کھیلنے کے انعامی مقابلے میں ان بچوں نے حصہ لیا :۔ روشن آرا بیگم میرٹھ۔ اعزاز حبیب امروہہ۔ حسن آرا بیگم، میرٹھ۔ الطاف فاطمہ لکھنؤ مرزا بشیر احمد۔ حیدرآباد دکن۔ حبیب احمد۔ بلند شہر۔ شمس الاسلام علی خاں تلہر۔ ان میں عزیزی حبیب احمد کا مضمون انعام کے قابل قرار پایا ہے

عزیزی گوردیال چند شرما چاند نے آسٹریلیا کا ایک پتہ بھیجا ہے۔

Master Keith Wilson Munday Student VI Class Public School Telegraph point, NEW SOUTH VALES AUSTRALIA

بچے اس پتے پر براہ راست خط و کتابت کریں۔

پیام برادری سے دلچسپی بچوں میں دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ اس مہینے علی گڑھ میں بھی برادری کی شاخ قائم ہو گئی ہے کئی جلسے بھی ہو چکے

ہیں۔ میرٹھ کی دونوں شاخوں نے اپنی اپنی لائبریریاں بھی قائم کرلی ہیں۔ میرٹھ کے پیامی اپنی سرگرمی میں سب شاخوں سے بازی لے گئے ہیں۔ وہاں ممبروں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے ہمیں گلبرگے، لاہور، لکھنؤ کے پیامیوں سے بھی امید ہے کہ وہ اپنے یہاں جلد سے جلد شاخیں قائم کرلیں گے۔

جو پیامی اپنی شاخ کے ماتحت لائبریری قائم کرلیں گے انہیں مکتبے کی طرف سے پانچ روپے کی کتابیں مفت نذر کی جائیں گی اس کے علاوہ مکتبے اور پیام تعلیم کی طرف سے انہیں امکانی مدد دی جائے گی۔ وہ اگر اپنے یہاں کا دستورالعمل چھپوانا چاہیں گے تو وہ بھی چھپ جائے گا یہ دستورالعمل چھوٹے سائز کے چار صفحوں سے زیادہ کا نہ ہو۔

اگلے پرچے کے لئے انعامی مقابلے کے مضمون کا عنوان یہ ہے۔ تمہارے شہر یا کون کون سے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ تمہیں ان میں سے کون کون سے پسند ہیں۔ ان پھلوں کے بارے میں کوئی خاص بات تمہیں معلوم ہو تو وہ بھی لکھو۔ مضمون زیادہ سے زیادہ تین صفحے کا ہو اور ۱۲ جولائی تک ہمارے پاس پہنچ جائے۔ اں ایک بات اور کہنا ہے۔ گنجائش کی کمی کے سبب اس پرچے میں پہیلیاں اور لطیفے شائع نہ ہوسکے پچھلے مہینے کی پہیلیوں کے جواب یہ ہیں (۱) چیونٹا (۲) بیر بہوٹی (۳) خرگوش (۴) مور (۵) گیہوں (۶) نارنگی (۷) گرگٹ

اچھا اب رخصت۔ محمد حسین حسان

کارروائی شاخ پیام برادری۔ میرٹھ

پیام برادری کا جلسہ ۱۷ اپریل ۳۸ء کو قاضی بشیر الدین صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ تلاوت سے پہلے جلسے کی کارروائی سنائی گئی۔ اور اس میں آپا جان نے جو ترمیم کی تھی وہ بتائی گئی۔ تقریر جس میں صدر صاحب نے نمبر دئے

فیشن کرنا اچھا ہے یا بُرا (۵ نمبر)

موافق:۔ عقیلہ بیگم (۳½)، حسنہ بیگم (۲½)　　مخالف:۔ حلیمہ بیگم (۳½)، ذکیہ بیگم (۲½)

تقریر کے بعد سب ممبروں نے یہ طے کیا کہ ڈراما اور نمائش ۸ جون کو رکھی جائے۔ اور ہم کو نمائش کے لئے کیا کیا چیزیں بنانا چاہئیں۔ مگر چونکہ تمام ممبر شریک نہیں تھے اس کا فیصلہ دوسرے جلسے پر رکھا گیا کہ آیا ہم کو ۸ جون رکھنا چاہیے یا نہیں

پھر سب نے یہ طے کیا کہ انجمن اصلاح الخواتین کے جلسے میں لڑکیوں کو ممبر بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے اس کے بعد سب نے دلچسپ مشغلوں کے بارے میں بات چیت کی۔ صدر جلسہ کی تقریر کے بعد جلسہ ٹھیک ۷½ بجے ختم ہوگیا

---

(۲)

پیام برادری کا جلسہ ۲۴ اپریل ۳۸ء کو اقبال منزل میں منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد حلیمہ بیگم بنتِ ڈاکٹر اقبال مرحوم

کی موت پر ایک مضمون پڑھا۔ پھر یہ طے ہوا کہ ہم کو ایک جلسہ ڈاکٹر اقبال کی موت پر کرنا چاہیئے۔ جس میں اُن کی لکھی ہوئی نظمیں وغیرہ پڑھی جائیں۔ اس کے بعد اپنا پروگرام شروع کیا۔

مباحثہ: دنیا ترقی کی راہ پر گامزن ہے یا تنزل کی طرف

صدر جلسہ نے اس طرح نمبر دئے :- (۱) بولنے کا طریقہ ۵ نمبر۔ (۲) مضمون کا مواد ۱۰ نمبر

موافق:- عقیلہ بیگم ۳ منٹ (۷ نمبر) آفاق زمانی ۳ منٹ (۸ نمبر)

مخالف:- آمنہ عمر ۲ منٹ (۸ نمبر) حلیمہ بیگم ۳ منٹ (۵ نمبر)

صرف ایک رائے سے پاس ہوا کہ دنیا تنزل کی طرف جا رہی ہے۔

اظہر زمانی نے ایک کہانی بہت اچھی طرح سنائی۔ سب نے بچی کی ہمت پر شاباش دی۔ پھر آیندہ جلسے میں تقریر کے لئے یہ عنوان دئے گئے:- مسلمانوں کو کانگریس میں حصہ لینا چاہیئے (عقیلہ بیگم)، موجودہ نصاب تعلیم (اظہر زمانی) جنگ سے فوائد ہیں یا نقصانات (آمنہ عمر) سب کی رائے سے یہ پاس ہوا کہ تقریر کا مضمون موجودہ نصاب تعلیم رکھا جائے۔ پھر دلچسپ مشغلوں کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ صدر جلسہ نے تقریر کی جس میں ان باتوں پر زور دیا :-

انگریزی کے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ ہنسا نہ جائے۔ عنوان سے تقریر دور لے جانا۔ پورے طور پر ایک ہی طرف کی پیروی کرنا۔ صرف ایک ہی طرف کا نقص نکالنا وغیرہ

پھر ہمارا جلسہ ٹھیک ۶ بجے شام کو ختم ہوگیا۔ نیز اس جلسے میں اسسٹنٹ سکریٹری کا انتخاب ہوا۔ سب نے عقیلہ بیگم کو اسسٹنٹ سکریٹری چنا

آمنہ عمر - سکریٹری

---

(۳)

شاخ پیام برادری میرٹھ کا پانچواں جلسہ بتاریخ ۱۹ مئی ۱۹۳۸ء کو زہرہ بیگم صاحبہ کے مکان پر منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کے بعد بہت سے رزولیوشن پاس ہوئے جو حسب ذیل ہیں :-

صدر صاحبہ نے سب ممبروں کے سامنے اپنی یہ رائے پیش کی کہ آیندہ ماہ سے ممبروں کے گھر پر فہرست نہ جائے گی کیونکہ اس فہرست کے گھموانے کے لئے ہم کو ایک آدمی مقرر کرنا پڑتا ہے اور پھر اس کو اس کی اُجرت دی جاتی ہے اور یہ اُجرت ممبران کے چندے سے ہی دی جاتی ہے۔ اس کے بجائے اگر وہ چندہ جو ممبران اس آدمی کو دیں۔ جامعہ سے کتابیں منگائیں تو بہتر ہوگا۔ دوسرا رزولیوشن یہ پاس ہوا کہ ہر ممبر ہر ماہ دو ۲ ، چندہ دے تاکہ ہم ان آدمی کے ممبر بن سکیں اور ہماری شاخ کی طرف سے ہر سہ ماہی چھ روپے چلے جایا کریں۔ ان تجویزوں کے پاس ہونے کے بعد زہرہ بیگم صدر شاخ پیام برادری نے فرمایا۔ چونکہ آج کے جلسے کے پروگرام میں بارہ وفات کا میلاد بھی ہونا قرار پایا ہے اس لئے انھوں نے اپنی ہمشیرہ سلطانہ بیگم صاحبہ سے درخواست کی کہ وہ نئے طرز کا میلاد دکھیں اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ انھوں نے

اس درخواست کو قبول کر لیا اور ایک جدید طرز کا میلاد لکھا ہے۔ اس کے بعد صدر اور سکریٹری کی درخواست پر انھوں نے جلسے میں وہ میلاد پڑھا۔ زہرہ بیگم نے چند عمدہ اور بلند پایہ مناجاتیں اور نظمیں پڑھیں اور اس طرح میلاد ختم ہو گیا۔
کچھ دیر طرزِ میلاد پر ذکر ہوتا رہا اور پھر دوسرے جلسے کے لئے یہ عنوان چنا گیا کہ "آیا میلاد کا یہ طرز درست ہے؟" اور پھر جلسہ ختم ہو گیا

خاکسار عقیلہ شاکر سکریٹری شاخ پیام برادری، میرٹھ۔

کارروائی محفلِ میلاد۔ میرٹھ

۲۲ رمئی کو میرٹھ کی پیام برادری کی شاخ کی طرف سے ربیع الاول کے مبارک مہینے میں محفلِ میلاد منعقد ہوئی۔ میلاد میں سلطانہ بیگم صاحبہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک اور اخلاق عادات وغیرہ پر روشنی ڈالی۔ میلاد نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ اخیر میں بہت سے نئے ممبر برادری میں شامل ہوئے۔ یہ میلاد نئے طرز پر ہوا تھا۔ میلاد سے پہلے ایک جلسہ ہوا اس میں پیام برادری کو بڑھانے، لائبریری قائم کرنے پر غور ہوا۔ اگلے جلسے کے مباحثے کا یہ موضوع رکھا گیا کہ "میلاد کا موجود طرز درست ہے؟"

کارروائی جلسہ شاخ پیام برادری۔ علی گڑھ

پیام برادری کا پہلا جلسہ ۲۹ رمئی کو ہنلی چھتری میں ہوا۔ جلسہ منعقد ہونے سے پہلے بارش ہونے لگی۔ پھر بھی جلسہ کامیاب رہا۔ احمد سعید صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اس کے بعد پیام برادری کے فائدے اصول اور جگہ جگہ شاخ کھولنے کی ضرورت بتائی گئی پھر عہدے داروں کا انتخاب ہوا۔ سب ممبروں نے احسان رشید صاحب کو صدر خلیل عمر صاحب کو نائب صدر عزیز عمر کو سکریٹری احسان رشید کو نائب سکریٹری اور احمد سعید صاحب کو خزانچی چنا۔ اس کے بعد آپس کے مشورے سے یہ باتیں طے ہوئیں۔

(۱) مباحثے میں ہر ایک کو تقریر کرنا ضروری ہے اور ہر ایک کی تقریر پر نمبر دئے جائیں گے۔ سال کے ختم پر زیادہ نمبر پانے والے کو انعام دیا جائے گا۔ (۲) ۱۲ سال تک کی عمر کے ممبروں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا کوئی نیک کام جو انھوں نے اس درمیان میں کیا ہو سچ سچ بتائیں۔ جس کا کام انعام کے قابل ہوگا اسے انعام دیا جائے گا۔ (۳) کبھی کبھی اپنے بزرگوں کی اجازت سے شکار یا پکنک کو جایا کریں گے (۴) ہر سال ہمارے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں اور ذخیروں کی نمائش ہوگی اور اس میں انعام بھی دیا جائے گا (۵) سال میں ایک بار ڈراما ہوا کرے گا اور اس کا ٹکٹ بھی ہوگا اور اس طرح ٹکٹ کے روپے سے ہابیز کلب (مشغلوں کی انجمن) قائم کیا جائے گا (۶) ڈرامے میں حصہ لینے والوں کے لئے ایک انعام ہوگا۔ جو سب سے بہتر کام کرنے والے کو دیا جائے گا۔ (۷) ہر ایک ممبر کو رائے دینے کا پورا پورا حق حاصل ہوگا۔ پھر سب لوگوں کا شکریہ ادا کیا گیا اور اگلے جلسے کے مباحثے کے لئے یہ عنوان طے پایا۔

"اس ایوان کی رائے میں ہماری موجودہ تہذیب قدیم تہذیب سے اچھی ہے" جلسہ ۷½ بجے ختم ہوا۔

(۲)

پیام برادری کی شاخ علی گڑھ کا دوسرا جلسہ یکم جون سنہ ۳۸ کو نیلی چھتری میں بوقت ۸ بجے صبح منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد چھوٹے بچوں نے کہانیاں سنائیں۔ صدر صاحب نے انعام دئے۔ بچوں کے نام یہ ہیں۔ اشفاق حسین قادری۔ اقبال احمد۔ احسن عمر بدرالدین ابوالحسن۔ بڑے لڑکوں نے بھی مباحثے میں حصہ لیا۔ نام یہ ہیں:۔ احسان رشید۔ خلیل عمر۔ احمد سعید۔ محمد یسین اس کے بعد عزیز عمر (سکریٹری) نے آداب مجلس پر تقریر کی۔ پھر خورشید عمر نے ایک پرجوش نظم پڑھی جو سب نے بہت پسند کی پھر بدرالدین نے ایک اچھی نظم سنائی۔ جلسے موسمی چھٹیوں میں نیلی چھتری ہی میں منعقد ہونگے۔ چندہ فی ممبر ۲ ماہوار رکھا گیا۔ پھر صدر نے ایک مختصر تقریر کی اور تقریر کرنے والوں سے جو غلطیاں دوران تقریر میں ہوئی تھیں بتلائیں۔ اور پیام برادری کے ممبر بنانے پر زور دیا اور کہا کہ اب ہم سب لوگوں کو ممبر بنانے کی حد سے زیادہ کوشش کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد اگلے جلسے کے لئے یہ عنوان تجویز ہوا۔ "اس ایوان کی رائے میں سائنس کی ایجادات بنی نوع انسان کے واسطے مفید ہیں" پھر جلسہ ٹھیک ۱۰ بجے برخاست ہوا۔ عزیز عمر سکریٹری)

(۳)

پیام برادری کا تیسرا جلسہ نیلی چھتری میں ۱۵ جون کو ٹھیک ۷ بجے شروع ہوا۔ تلاوت قرآن شریف کے بعد چھوٹے بچوں نے کہانیاں سنائیں۔ بچوں کے نام یہ ہیں:۔ اشفاق حسن قادری۔ عبدالحمید۔ بدرالدین ابوالحسن۔ اقبال احمد۔ انیس عمر۔ احسن عمر محمد یسین۔ اس کے بعد بڑے لڑکوں نے تقریریں کیں۔ جن کے نام یہ ہیں احسان رشید صاحب خلیل عمر صاحب احمد سعید صاحب کرشنا رانگا صاحب۔ پھر اشفاق حسن قادری صاحب اور احسن عمر صاحب نے ایک لطیفہ سنایا۔ اور بدرالدین ابوالحسن اور محمد یسین صاحب نے دلچسپ نظمیں سنائیں۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے لطیفے سناکر حاضرین کو بے حد محظوظ کیا اور پھر صدر نے ایک تقریر فرمائی۔ اگلے جلسے کے لئے موضوع بحث یہ طے ہوا۔" ہندوستان کی عورتوں کو پردہ چھوڑنا چاہیئے یا نہیں۔ یہ بھی طے پایا کہ چھٹیوں میں جلسہ ہر اتوار کو منعقد ہوا کرے گا۔ جلسہ ٹھیک ۸ بجے ختم ہوا۔ سکریٹری۔ عزیز عمر

(۴)

پیام برادری کا چوتھا جلسہ نیلی چھتری میں ٹھیک ۹ بجے منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن شریف کے بعد چھوٹے بچوں نے کہانیاں سنائیں جن کے نام یہ ہیں:۔ اشفاق حسین صاحب۔ بدرالدین صاحب۔ انیس عمر صاحب۔ اقبال احمد صاحب۔ محمد یسین صاحب۔ اس کے بعد بڑے لڑکوں نے تقریریں کیں جن کے نام یہ ہیں۔ احمد سعید صاحب۔ اشفاق حسین صاحب۔ بدرالدین صاحب۔ کرشنا رانگا صاحب احسان رشید صاحب۔ پھر احسان رشید صاحب نے سر محمد اقبال مرحوم پر ایک تقریر کی جو بہت اچھی اور قابل تعریف تھی اس کے بعد اور لوگوں نے تقریریں کیں اور نظمیں سنائیں۔ اس کے بعد دعائے مغفرت ہوئی اور پھر صدر محترم نے ایک عمدہ تقریر ارشاد فرمائی

اور اگلے جلسے کے لئے یہ مضمون طے ہوا " ہندوستانی مدرسوں میں ہندوستانی زبان ہونی چاہیے یا انگریزی"
جلسہ ٹھیک ۱۱ بجے بخیر و خوبی ختم ہوا۔ سکریٹری - احسان رشید

شاخ پیام برادری - آگرہ

ہماری برادری کا اجلاس ۶ جون ۳۰ء کو صغیر فاطمہ ہال میں منعقد ہوا تھا۔ جلسے کا افتتاح خاکسار نے سورۂ یٰسین (مع ترجمہ) سے کیا۔ اس کے بعد آمنہ بیگم نے ایک مضمون پرانی تہذیب پڑھا۔ جلسے کا مقررہ عنوان "نئی تہذیب اچھی ہے یا پرانی" تھا۔ اس عنوان کی مخالفت کرنے والی زاہدہ بیگم تشریف نہ لاسکیں۔ بحث خوب پر زور رہی اور بالآخر آمنہ بیگم کے حصے میں زیادہ ووٹ آئے اور وہ انعام کی مستحق قرار پائیں۔ پچھلے اجلاس میں یہ بھی طے پایا تھا کہ ہر ہفتے اچھی پڑھنے والی لڑکی کو کوئی ایک ممبر انعام دے گی لہذا خاکسار نے آدھی درجن رومال انھیں دیئے انھوں نے انعام لیتے وقت بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم اسلام فاطمہ کے ممنون ہیں۔ انھوں نے ایسی تجویز پیش کی جس سے لڑکیوں کی ہمت بڑھے گی اور وہ ہر دفعہ بہتر سے بہتر مضمون پڑھنے کی کوشش کریں گی۔ اس کے بعد زاہدہ بیگم نمبر ۲ اور زبیدہ بیگم نے حفیظ صاحب جالندھری کا سلام بہت خوش الحانی سے گایا پھر عاقلہ بیگم نے ایک مختصر سی تقریر میں بتایا کہ ہم لوگوں کو اس برادری میں دلچسپی لینا چاہیے۔ جلیس فاطمہ نے اسی وقت دو ممبر پیش کئے۔ جلیس فاطمہ اور ملقیس فاطمہ و آمنہ بیگم کی رائے ہوئی کہ اب کے جو چندہ جمع ہوا ہے اس سے سکندرہ کی سیر کی جائے۔ زبیدہ بیگم، عاقلہ بیگم و خاکسار نے یہ رائے پیش کی کہ چھٹے مہینے سب ممبر اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزوں کی نمائش لگائیں۔ اور خواتین کو بلایا جائے۔ جو خواتین نمائش کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنا چاہیں رجسٹر پر لکھ دیں۔ یہ تجویز سب نے بہت پسند کی۔ اسلام فاطمہ سکریٹری شاخ آگرہ۔

برادری کے نئے ممبر۔ آر نمر فلپ لاہور۔ اعظم علی خاں درگزئی لاہور۔ اندرجیت سنگھ سود۔ امرتسر۔ اچ کے ڈھلے امرتسر۔ سراج الیکین نئی دہلی شاہ زمانی بیگم میرٹھ۔ زکیہ بیگم میرٹھ۔ یوسف بشیر، میرٹھ حسنہ بیگم میرٹھ۔ حمید عمر سہارنپور۔ عاقل شاکر میرٹھ۔ قمر زمانی قدوائی میرٹھ شمر زمانی قدوائی میرٹھ۔ سید محمد سعید کاظمی آگرہ۔ الیاس ہمایوں بیگ علی گڑھ۔ احمد جواد بیگ علی گڑھ۔ محمد ظفر اقبال احمد خاں۔ ساگر۔ مسعود احمد خاں شروانی علی گڑھ۔ ایم شوکت تھگتیا۔ محمد ابراہیم خاں ساگر۔ جمیلہ الطاف حسین اٹاوہ۔ صغرا بیگم اٹاوہ۔ محمد نسیم۔ میرٹھ۔ ککرام۔ گلبرگہ۔ فتخار اللہ جامعہ نگر اوکھلا۔ سید مسرور الحسن۔ میرٹھ۔ ثنا راللہ خاں لائل پور۔ شاہ حسین قریشی زلفی میرٹھ۔ غازی الدین حسن۔ حیدرآباد دکن انعام احمد فاروقی میرٹھ۔ اظہار عالم۔ میرٹھ۔ اشوک کمار رائے میرٹھ۔ سلطان نسیم میرٹھ۔ یوسف پاشا میرٹھ۔ محمد خورشید احمد، میرٹھ حافظہ خاتون ملکی (گیا) عبیدہ سلطانہ ملکی۔ ابو نصر خلیل مہندہ۔ عمیر احمد ملکی۔ عقیدہ سلطانہ ملکی۔ سید منصور علی میرٹھ۔ جہان یحییٰ میرٹھ۔ انیس احمد۔ میرٹھ۔ معراج الدین میرٹھ۔ محمود احمد میرٹھ۔ سید منظور علی میرٹھ۔ محمود مختار جوہر میرٹھ۔ آفتاب احمد۔ میرٹھ سید تشکیل حسین۔ میرٹھ۔ عبد الرحمٰن علی گڑھ۔ حمیدہ بانو، علی گڑھ۔ گھسیٹا میرٹھ۔ خالدہ خاتون میرٹھ۔ نجمہ مسعود اسرٹیلی میرٹھ (باقی پھر)
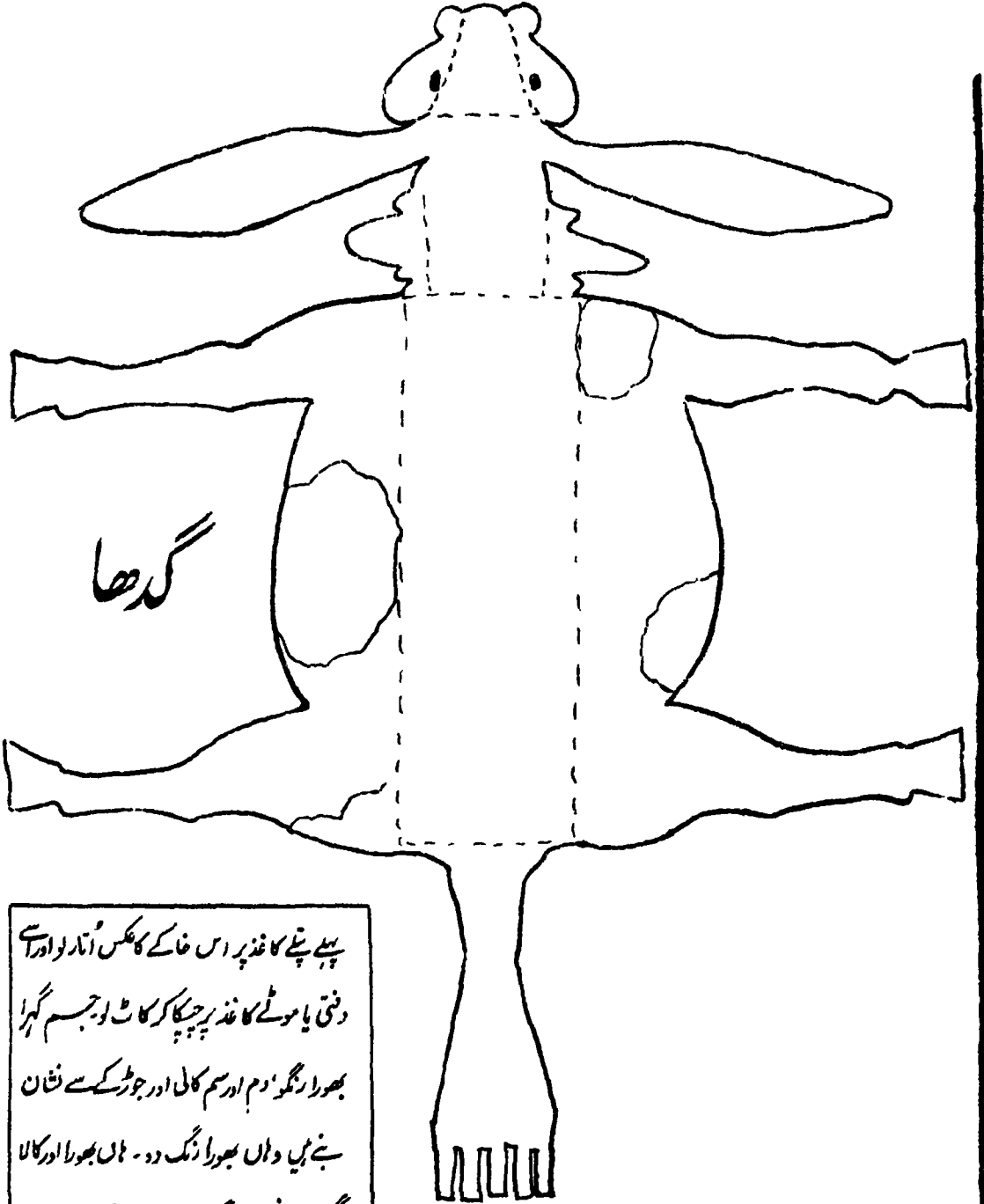
گدھا
پہلے پتلے کاغذ پر اس خاکے کا عکس اُتار لو اور اسے
دفتی یا موٹے کاغذ پر چپکا کر کاٹ لو جسم گہرا
بھورا رنگو، دم اور سم کالی اور جو ٹکڑے سے نشان
بنے ہیں وہاں بھورا رنگ دو۔ ہاں بھورا اور کالا
رنگ ملانے سے گہرا بھورا بن جاتا ہے۔

مذہبی کتابیں

عقائد اسلام — یہ رسالہ مسلمان بچوں کو اسلامی عقائد سکھانے کے لئے اختصار کے ساتھ سلیس اردو میں لکھا گیا ہے۔ ۱مر

ارکان اسلام — اس رسالے میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۳ر

قرآن کیا ہے اور اس نے کیا کر دکھایا؟ — بچوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کیا ہے۔ کیسے اُترا۔ کس پر اترا۔ اور اس نے لوگوں پر کیا اثر کیا۔ قیمت ۴ر

چالیس حدیثیں — ایسی چالیس حدیثیں درج کی گئی ہیں جو خاص طور پر بچوں کے لئے سبق آموز ہیں۔ قیمت ۳ر

آخری نبیؐ — آسان زبان میں آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

ہمارے نبیؐ — ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کا حال کہانی کے انداز میں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھا گیا ہے ۳ر

آں حضرتؐ — رسول پاک کی زندگی کے حالات بہت آسان اور دلچسپ زبان میں۔ قیمت ۱۲ر

ہمارے رسولؐ — یہ کتاب سرور عالم صلعم کی پاک سیرت پر ذرا بڑے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے جس کے پڑھنے سے رسول کی محبت اور سنت کی پیروی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۵ر

سرکار کا دربار — سرورِ کائنات صلعم کے حالات، بچوں، عورتوں اور عام مطالعے کے لئے بہت مقبول و مشہور کتاب۔ آٹھواں ایڈیشن۔ قیمت ۶ر

سرکار دو عالم — نسبتاً بڑے لڑکوں کے لئے سیرت پاک بہت ہی صاف اور ستھری اور آسان زبان میں چھاپی گئی ہے۔ قیمت ۸ر

چاریار — حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علی رضوان اللہ علیہم کے نصیحت آمیز اور دلچسپ حالات۔ تیسرا ایڈیشن ۲۰ صفحے۔ قیمت ۴ر

خلفائے اربعہ — اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی، خدمت اسلام، محبت رسول، عام عادات و اخلاق سہل زبان میں ذرا بڑے لڑکوں کے لئے لکھے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ خلفائے اربعہ کے عہد میں عرب کی کیا حالت تھی اور اسلام نے کیا ترقیاں کیں۔ حجم ۱۲۰ صفحات۔ قیمت ۸ر

دس جنتی — حضرت زبیر، طلحہ، عبدالرحمٰن، سعد، ابوعبیدہ اور سعید کے حالات تفصیل سے اور باقی چار یار رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات۔ قیمت ۵ر

نبیوں کے قصے — حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کے حالات آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

اچھی باتیں — ان آیات قرآنی کی عام فہم تفسیر جو پند و نصائح پر مبنی ہیں
قیمت ۳ر

مکتبہ جامعہ
دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

دلچسپ معلومات اور ڈرامے

تاریخ ہند کی کہانیاں سینکڑوں برس پہلے کے ہندوستان کی تاریخی کہانیاں ایسی آسان اور پیاری زبان میں لکھی گئی ہیں کہ کوئی بچہ بغیر ختم کئے نہیں چھوڑ سکتا۔ پہلے حصے میں قدیم ہندی باشندوں کا ذکر ہے اور دوسرے حصے میں مسلمانوں کا۔

قیمت حصہ اول ۳ر ۔ حصہ دوم ۵ر

اسلامی تاریخ کی کہانیاں اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں اسلامی تاریخ کی بہت سی مختصر کہانیاں چھوٹے بچوں کے لئے جمع کر دی گئی ہیں اور حصہ دوم میں ذرا بڑی کہانیاں ہیں۔ قیمت حصہ اول ۵ر۔ حصہ دوم ۵ر

کائنات سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا چیز ہے، دن رات کیسے ہو جاتے ہیں گرمی جاڑا کیوں ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں کے ذریعے بچوں کو سمجھایا گیا ہے۔

دنیا کے بسنے والے عرب افریقہ، جاپان، سوئزرلینڈ اور تھڈما کے باشندوں کے حالات درج ہیں بہت دلچسپ ہے

دنیا کے بچے دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے حالات بہت آسان زبان اور اچھوتے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے قیمت ۶ر

تعلیمی کھیل اس کتاب میں اول جماعت سے لے کر چھٹی جماعت تک کے لئے ایسے کھیل درج ہیں جن سے بچوں میں حساب، انگریزی اور ڈرائنگ وغیرہ کی استعداد بڑھتی ہے قیمت ۳ر

دہلی دہلی کی خاص خاص عمارتوں کا دلچسپ بیان خاص طور پر بچوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ بلاک کی چھ تصاویر اور دو نقشے۔

قیمت ۱۲ر

بچوں کے لئے ڈرامے

دیانت ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین		قیمت	۲ر
شریر لڑکا ۔ ڈاکٹر سید عابد حسین		"	۲ر
قوم پرست طالب علم ۔ محمد عبد الغفار مدھولی		"	۲ر
بچوں کا انصاف	"	"	۳ر
اسکول کی زندگی	"	"	۳ر
محنت	"	"	۳ر

مکتبہ جامعہ

دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور

پیامِ تعلیم
دہلی

پیامِ تعلیم :- یوپی، سی پی، برار، میسور اور حیدرآباد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔

ایڈیٹر محمد حسین حسّان ندوی جامعی

قیمت سالانہ عہ/ ۔ فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۱	اگست سنہ ۳۸ء	نمبر ۸

فہرست مضامین

پرنٹر، پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچّوں سے باتیں

پیام تعلیم سے بچوں اور بچیوں کی محبت اور دلچسپی دن بردن بڑھتی ہی جاتی ہے۔ ہر پرچے کے انتظار اور اس کے مل جانے پر بہن بھائیوں کی پرچے پر قبضہ کرنے کے لئے کھینچا تانی کے قصے اگر لکھے جائیں تو اچھا خاصا دلچسپ مضمون تیار ہو جائے۔

یہ بچیاں اور بچے اپنے پرچے کی ترقی کے لئے اپنی بساط بھر پوری کوشش کرتے ہیں۔ اس کے خریدار بڑھانے کے لئے بھی دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں۔ عزیزہ رفیعہ زمانی اور آمنہ عمر (میرٹھ) اب تک ہمیں بہت سے خریدار دے چکی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے بچے بھی برابر ہمیں خریدار بھیجتے رہتے ہیں

بچوں کے ساتھ اب بڑوں نے بھی رسالے کی ناچیز خدمتوں کو کسی قابل سمجھا ہے۔ اور اس کی سرپرستی شروع کر دی ہے۔ حیدر آباد کے ایک بزرگ جناب عبدالجبار صاحب کا نام پہلے آچکا ہے۔ انھوں نے حیدر آباد میں پیام تعلیم کے بہت سے خریدار پیدا کئے ہیں۔ ان کے علاوہ جناب مولانا زین العابدین صاحب کلکتہ، جناب محمد حسین صاحب دسنوی (جوبلی ہائی اسکول)۔ جناب غلام ابرار صاحب صدیقی اثر بی اے علیگ اور دوسرے حضرات پرچے کی اشاعت بڑھانے کی خاص طور پر کوشش فرما رہے ہیں۔

اسی سلسلے میں جناب خان بہادر لفٹنٹ سلطان عالم خاں صاحب چیرمین ایجوکیشن کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈ فرخ آباد۔ جناب خان بہادر مولانا اسلم سیفی صاحب چیرمین میونسپل بورڈ میرٹھ۔ جناب مولانا عبدالعلی صاحب بی اے ال ال بی چیرمین ایجوکیشن کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈ اعظم گڈھ خاص طور پر شکریے کے مستحق ہیں۔ ان تینوں بزرگوں نے پیام تعلیم کے بہت سے پرچے اپنے اپنے یہاں کے ابتدائی مدرسوں میں جاری کرائے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان کی یہ سرپرستی آئندہ بھی جاری رہے گی۔

پیام تعلیم کئی مہینے سے چالیس کی جگہ پچاس صفحوں پر نکل رہا ہے پھر بھی ہر بار کئی اچھے اچھے مضمون چھپنے سے رہ جاتے ہیں اس مرتبہ تو سلسلے کی دلچسپ کہانی "لال رُخ" کا باقی حصہ گنجائش کی کمی کی وجہ سے ہمیں مجبوراً نکالنا پڑا ہم جناب جمیل احمد صاحب نقوی اور پیام تعلیم پڑھنے والوں سے معافی چاہتے ہیں۔ یہ باقی حصہ اگلے نمبر میں شائع کر دیا جائے گا۔

اس پرچے میں میرٹھ کے جلسے کی رپورٹ اور بہن سلطانہ بیگم کا خط چھپ رہا ہے۔ بچے اور بچیاں یہ دونوں چیزیں غور سے پڑھیں

چھوٹے بچوں کے لئے

خالہ مینا کی کہانی

از ف ، خ

پہلے ہماری بڑی بوڑھیاں سوتے وقت بچوں کو کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ بچے اِن کہانیوں کے لئے بے چین رہتے تھے اور خوشامد درآمد سے زبردستی ضد کرکے غرض جس طرح بھی بن پڑتا تھا کہانیاں سنا کرتے تھے۔ بے سنے انھیں نیند ہی نہ آتی تھی۔ مگر اب زمانہ کچھ بدلتا سا جا رہا ہے۔ نانی دادی اماں کو بھی کہانیاں سنانے کا اب وہ شوق نہیں۔ نہ جانے یہ نئے فیشن کا اثر ہے یا اُن کی یادداشت ہی کمزور ہو گئی ہے۔ ننھے منھے پیامیوں کے لئے ایک کہانی لکھی جاتی ہے۔ اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ بالکل اسی انداز میں لکھی گئی ہے جس انداز میں بڑی بوڑھیاں اسے سناتی ہیں۔ پیامیوں نے یہ کہانی اور اس کا انداز پسند کیا تو اگلے پرچے میں اور بھی اچھی اچھی کہانیاں چھپیں گی (ایڈیٹر)

ایک تھیں خالہ مینا ایک تھا کوا۔ کوے کا گھر تھا نون کا۔ خالہ مینا کا موم کا۔ خالہ مینا نے کھچڑی پکائی۔ کوے کے گھر نون مانگنے گئیں۔ کوا بولا تمھارے نون کے لئے میں اپنی دیوار ڈھاؤں گا! ایک دن کیا ہوا کہ خوب پانی برسا۔ کوے کا گھر نون کا تو تھا ہی - بہ گیا۔ کوا حیران پریشان، خالہ مینا کے گھر آیا۔ اور بولا خالہ مینا مجھے کہیں بٹھالو۔ وہ بولیں "جا بیٹھ بھاڑ میں"۔ کوا بولا "خالہ مینا میں جل جاؤں گا" پھر کوا بولا "خالہ مینا مجھے کہیں بٹھالو"۔ خالہ مینا بولیں "جا بیٹھ چولھے پہ"۔ کوے نے کہا "خالہ مینا میں جل جاؤں گا" پھر کہنے لگا "خالہ مینا مجھے بٹھالو"۔ وہ بولیں "جا بیٹھ چکی پہ"۔ کوا بولا "خالہ مینا میں پس جاؤں گا"۔ پھر کہا "خالہ مینا مجھے بٹھالو"۔ وہ بولیں "جا بیٹھ اوکھلی میں"۔ کوا بولا "خالہ مینا میں کُٹ جاؤں گا"۔ خالہ مینا بولیں "جا بیٹھ کٹھیا پہ"۔ کٹھیا میں بھرے تھے چنے۔ کوے نے رات بھر کھائے۔ سویرے خالہ مینا نے کوے سے پوچھا" کوے رے کوے

تو کیا کھا رہا ہے۔ کوا بولا "میں اپنی ننگنی کے بیڑے
بتاشے کھا رہا ہوں" پھر ایک چنا چونچ میں دبا ایک
ٹھنٹھ پر جا بیٹھا۔ خالا مینا نے کھٹیا جو دیکھی تو خالی
تھی۔ مینا گئی کوے کے پاس "کوے رے کوے
میرے چنے دے" کوے نے چونچ جو کھولی
تو اس کا چنا ٹھنٹھ میں جا پڑا۔ ادھر سے ایک بڑھئی
نکلا۔ کوے نے کہا "بڑھئی رے بڑھئی ٹھنٹھ چیرے"
بڑھئی بولا "میں کیوں چیروں" کوا بولا "بڑھئی
ٹھنٹھ چیرے نا ٹھنٹھ چنا دے نا میں کھاؤں تو
کیا کھاؤں" خالا مینا بولیں "خاک کھائے"۔ ادھر
سے ایک راجہ نکلے کوے نے کہا "راجہ رے
راجہ بڑھئی کو ڈانٹو" راجہ بولا "میں کیوں ڈانٹوں"
کوا بولا "راجہ بڑھئی ڈانٹے نا بڑھئی ٹھنٹھ چیرے نا
ٹھنٹھ چنا دے نا۔ میں کھاؤں تو کیا کھاؤں" خالا
مینا بولیں "خاک کھائے" پھر گیا رانی کے پاس
"رانی رانی راجہ سے روٹھو" رانی بولی "میں کیوں
روٹھوں" کوا بولا "رانی راجہ سے روٹھے نا
راجہ بڑھئی کو ڈانٹے نا۔ بڑھئی ٹھنٹھ چیرے نا
ٹھنٹھ چنا دے نا۔ میں کھاؤں تو کیا کھاؤں"

خالا مینا بولیں "خاک کھائے" پھر گیا چوہے کے
پاس "چوہے رے چوہے رانی کا کھٹولا کتر"
چوہا بولا "میں کیوں کتروں" کوا بولا "چوہا رانی کا
کھٹولا کترے نا۔ رانی راجہ سے روٹھے نا۔ راجہ
بڑھئی کو ڈانٹے نا۔ بڑھئی ٹھنٹھ چیرے نا۔ ٹھنٹھ
چنا دے نا۔ میں کھاؤں تو کیا کھاؤں" پھر
وہ گیا بلی کے پاس "بلی رے بلی چوہا مار" بلی بولی
"میں کیوں ماروں" کوا لا بولا "بلی چوہا مارے نا۔
چوہا رانی کا کھٹولا کترے نا۔ رانی راجہ سے روٹھے نا
راجہ بڑھئی کو ڈانٹے نا۔ بڑھئی ٹھنٹھ چیرے نا ٹھنٹھ
چنا دے نا۔ میں کھاؤں تو کیا کھاؤں" خالا مینا
بولیں "خاک کھائے" اب کوا گیا کتے کے پاس
"کتے رے کتے بلی مار" کتا بولا "میں کیوں ماروں"
کوا بولا "کتا بلی مارے نا۔ بلی چوہا مارے نا۔ چوہا
رانی کا کھٹولا کترے نا۔ رانی راجہ سے روٹھے نا۔
راجہ بڑھئی ڈانٹے نا۔ بڑھئی ٹھنٹھ چیرے نا ٹھنٹھ
چنا دے نا۔ میں کھاؤں تو کیا کھاؤں" خالا مینا
بولیں "خاک کھائے" کوا گیا لاٹھی کے پاس۔
"لاٹھی لاٹھی کتا مار" لاٹھی بولی "میں کیوں ماروں"

کوا بولا" لاٹھی کتا مارے نا۔ کتا بلی مارے نا۔ بلی چوہا
مارے نا۔ چوہا رانی کا کھٹولا کترے نا۔ رانی راجہ
سے روٹھے نا۔ راجہ بڑھئی کو ڈانٹے نا۔ بڑھئی ٹھنٹھ
چیرے نا۔ ٹھنٹھ چنا دے نا۔ میں کھاؤں تو کیا
کھاؤں"۔ خالا مینا بولیں" خاک کھائے"۔ کوا آگ
کے پاس گیا" آگ آگ لاٹھی جلا"۔ آگ نے کہا
"میں کیوں جلاؤں"۔ کوا بولا" آگ لاٹھی جلائے
نا۔ لاٹھی کتا مارے نا۔ کتا بلی مارے نا۔ بلی چوہا
مارے نا۔ چوہا رانی کا کھٹولا کترے نا۔ رانی راجہ
سے روٹھے نا۔ راجہ بڑھئی کو ڈانٹے نا۔ بڑھئی ٹھنٹھ
چیرے نا۔ ٹھنٹھ چنا دے نا۔ میں کھاؤں تو کیا
کھاؤں" مینا بولی" خاک کھائے" کوا پانی کے پاس
گیا۔ پانی پانی آگ بجھا۔ پانی بولا" میں کیوں بجھاؤں"
کوا بولا" پانی آگ بجھائے نا۔ آگ لاٹھی جلائے
نا۔ لاٹھی کتا مارے نا۔ کتا بلی مارے نا۔ بلی چوہا
مارے نا۔ چوہا رانی کا کھٹولا کترے نا۔ رانی راجہ
سے روٹھے نا۔ راجہ بڑھئی کو ڈانٹے نا۔ بڑھئی ٹھنٹھ
چیرے نا۔ ٹھنٹھ چنا دے نا۔ میں کھاؤں تو
کیا کھاؤں"۔ خالا مینا بولیں" خاک کھائے"

کوا ہاتھی کے پاس گیا۔" ہاتھی ہاتھی سمندر سوکھ" ہاتھی
نے کہا" میں کیوں سوکوں" کوا بولا" ہاتھی سمندر سوکھے
نا۔ سمندر آگ بجھائے نا۔ آگ لاٹھی جلائے نا۔ لاٹھی
کتا مارے نا۔ کتا بلی مارے نا۔ بلی چوہا مارے نا۔ چوہا رانی
کا کھٹولا کترے نا۔ رانی راجہ سے روٹھے نا۔ راجہ
بڑھئی کو ڈانٹے نا۔ بڑھئی ٹھنٹھ چیرے نا۔ ٹھنٹھ چنا
دے نا۔ میں کھاؤں تو کیا کھاؤں"۔ خالا مینا بولیں
"خاک کھائے" کوا گیا چیونٹی کے پاس" چیونٹی چیونٹی
ہاتھی کو مار" اس نے کہا" اچھا" اب تو ہاتھی بولا" مجھے کوئی
مت ماریو۔ میں سمندر سوکوں" سمندر بولا" مجھے کوئی مت سکھیو
میں آگ بجھاؤں" آگ بولی" مجھے کوئی مت بجھائیو میں لاٹھی
جلاؤں" لاٹھی بولی" مجھے کوئی مت جلائیو میں کتا ماروں"
کتا بولا" مجھے کوئی مت ماریو میں بلی کو ماروں" بلی بولی" مجھے
کوئی مت ماریو میں چوہا ماروں" چوہا بولا" مجھے کوئی مت ماریو
میں رانی کا کھٹولا کتروں" رانی بولی" میرا کھٹولا کوئی مت کتریو
میں راجہ سے روٹھوں" راجہ بولا" مجھ سے کوئی مت روٹھیو میں
بڑھئی کو ڈانٹوں" بڑھئی بولا" مجھے کوئی مت ڈانٹیو میں ٹھنٹھ چیروں"
ٹھنٹھ بولا" مجھے کوئی مت چیریو میں چنا دوں" کوا چنا لے کر
خوش خوش اڑ گیا۔

ایم۔ اے وفاؔ فرخ آبادی

برسات کی اندھیری رات تھی۔ ایک بڑھیا پھوس کے چھپر میں بیٹھی کہہ رہی تھی: میں کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔ شیر سے بھی نہیں ڈرتی البتہ "ٹپکے" سے ڈرتی ہوں۔ ایک شیر دیوار تلے کھڑا سن رہا تھا وہ بہت چکرایا کہ "ٹپکا" کوئی مجھ سے بھی بڑا ہے۔ جبھی تو بڑھیا اس سے ڈرتی ہے۔ آگے کیا ہوا بچے نظم پڑھ کر معلوم کریں ......"

(۱)

اک لڑکے کی پرنانی سر ہلتا ختم جوانی
اور بال سفید نشانی برسات پڑی دیوانی
یہ بولی کہ ہے حیرانی
اک لڑکے......

(۲)

اُف برکھا رات ہی کالی کیا بیٹھی ہوئی ہوں ٹھالی
اس گھر کی تو ہوں رکھوالی کرنی ہے مجھے دربانی
اس بات کی ہے حیرانی
اک لڑکے......

۳

لگ جائے کہیں جو ٹپکا کب ہوگا نہ بیرے بس کا
ہے شیر بھی اس سے ڈرتا بھر جائے گا گھر میں پانی
اس کی ہے مجھے حیرانی
اک لڑکے ....

۴

اک شیر کہیں تھا سنتا اور اپنے سر کو دھنتا
اس نام سے جلتا بھنتا ٹپکے سے پڑی حیرانی
سب بھول گیا جو پانی
اک لڑکے......

تھی اس کو یہی حیرانی — بھر جائے گا گھر میں پانی

---

(۵)

دھوبی بھی وہاں اک آیا — دو دن سے گدھا بس گم تھا
اس کو جو ملا کچھ کھٹکا — بولا وہ "کہاں" لے بچا!

دو دن سے نہیں تھا ملتا — اب بھاگ نہیں تو سکتا
اور کان پکڑ چڑھ بیٹھا — اُس شیر نے سمجھا "ٹپکا"

آج اس نے مجھے دے پٹکا — کی میں نے جو آنا کانی
کھا جائے گا یہ بھڑانی — اس بات کی تھی حیرانی
اک لڑکے کی پرنانی
تھی اس کو یہی حیرانی — بھر جائے گا گھر میں پانی

---

(۶)

ہونے کو ہوا جب تڑکا — اور جاگ اٹھا ہر لڑکا
دھوبی نے جو دیکھا دھڑکا — جب شکل ذرا پہچانی
بس مر گئی اس کی نانی — تھی شیر سے اب حیرانی

ہوئی مشکل جان بچانی — اک لڑکے کی پرنانی
تھی اس کو بھی یہ حیرانی
بھر جائے گا گھر میں پانی

---

(۷)

دونوں کے دلوں میں ڈر تھا — تھا شیر سمجھتا "ٹپکا"
دھوبی نے جو دیکھا ٹھٹکا — چپ چاپ وہ اس میں سٹکا

اب شیر نے مڑ کر دیکھا — غائب تھا وہاں سے ٹپکا
بس دم کو دبا کر بھاگا — پھر کوئی اگر چڑھ بیٹھا
ہو جائے گی اک حیرانی
جنگل کی تب اس نے ٹھانی — اک لڑکے کی پرنانی
تھی اس کو بھی یہ حیرانی
بھر جائے گا گھر میں پانی

لو بچو ختم کہانی — تم گانا مل کے زبانی
اک لڑکے ......

ہماری ترقی

جوہر، میرٹھی

تم نے ریل کا سفر تو کیا ہوگا اور ہاں۔ ہوائی جہاز بھی اُڑتا دیکھا ہوگا۔ اور جب تم بازار گئے ہوگے تو کیا موٹریں اور ٹرام تمہاری نظر سے نہیں گذریں؟ کبھی اس پر بھی غور کیا کہ وہی انسان جو جنگلوں میں رہا کرتا تھا۔ پتوں سے اپنا بدن ڈھانکا کرتا تھا۔ جو نہ کبھی بازار لگاتا اور نہ کوئی رسالہ نکالتا۔ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ کھانا پکانا بھی نہ جانتا تھا کس طرح اتنی بڑی بڑی چیزیں بنانے لگا۔ لوہے کے دیو چھوٹی چھوٹی پٹریوں پر دوڑادئے آسمانوں کی سلطنتوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اِترانے لگا۔ اور اس کا پاگل پن تو دیکھو کہ چاند کے اندر بھی جانا چاہتا ہے۔ تاکہ اس ننھی منّی دنیا کو بھی دیکھ لے۔ اس کے فوٹو کھینچے اور واپس آکر پیارے بھائیوں کو سب باتیں بتائے۔ فوٹو دکھائے اور حیرت میں ڈال دے۔ وہی انسان جو سمندر کے نیلے پانی سے ڈر کر دور، میلوں دور بھاگ جایا کرتا تھا آج اسی پانی کے سینے پر کھڑے ہوکر اُسے روندرہا ہے۔

آؤ۔ اب ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ کس طرح ترقی کی خواہش اور اُسے حاصل کرنے کی کوشش نے ہمیں ترقی کا یہ دن دکھایا یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ انسان پرانے زمانے میں بہت اچھی اچھی چیزیں بناتا تھا اجنتا کے غار اس بات کا کافی ثبوت ہیں۔ زمین سے نکلے ہوئے شہروں کی ہر ہر چیز نے موجودہ زمانے کے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ لیکن تم کو تعجب ہوگا کہ جب انسان یہ سب کام کرسکتا تھا۔ تب بھی وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔ اور اگر اس وقت ہم اپنے علم اور اپنی معلومات کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جائیں تو ہماری آنکھوں کے سامنے دنیا کے لڑکپن کی تصویر پھرنے لگے۔

آؤ۔ اب ہم ذرا شروع شروع دنیا کی سیر تو کرلیں۔ دیکھنا یہ بہت سارے آدمی اس پودے کے نیچے کیوں جمع ہو رہے ہیں ارے۔ یہ تو پتھروں سے اس پودے کی جڑیں اُکھاڑ رہے ہیں۔ اور دیکھو تو۔ انھیں شرم بھی نہیں آتی۔ بالکل ننگے ہیں۔ ارے لو! وہ پودا اُکھاڑ ڈالا اور یہ انسان اس کو بانٹ بانٹ کھانے لگے۔

تم نے ان لوگوں کو اچھی طرح دیکھ لیا؟ یہ پہلے پہل کے انسان ہیں۔ یہ لوگ پیڑوں کی جڑیں اور پتے کھاکر ہی گذر کرتے تھے۔ بالکل ننگے رہتے۔ اور دل کو ڈرانے والی بات تو یہ ہے کہ یہی آدمی آپس میں لڑتے اور اپنے دشمنوں کی لاشوں کو کھا جاتے۔

لیکن۔ تم جانو خدا بڑا رحیم ہے۔ وہ اپنی اچھی زمین میں ایسی بُری بُری باتیں کب برداشت کرسکتا تھا۔ آخر اس نے اُن کے اندر بھی ایک لیڈر پیدا کیا۔ جس نے اِن آدم خور لوگوں کو اشاروں سے سمجھایا بجھایا اور منع کیا۔ پھر اس لیڈر نے پرندوں کی طرف اشارہ کرکے شکار کی ترغیب دی۔ اور ممکن ہے کہ اسی لیڈر نے آگ جلانے اور گوشت کو پکانے کا طریقہ بھی بتایا ہو۔ بھئی یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

لیکن تم جانو کہ جب سب ایک ہی بات کی طرف جھک جائیں تو کیا ہو؟ بس ویسا ہی پرانی نسلوں کے ساتھ ہوا۔ یعنی جب سب انسان درخت اور جانور ہی کھانے لگے تو اُن چیزوں کی تعداد میں کمی ہونے لگی۔ اب تو وہ لوگ چکرائے کہ کیا کریں۔ کیونکہ پیٹ تو بھرنا ہی پڑتا تھا۔ آخر کو انسان نے بھیڑ، بکریاں اور گائیں جمع کیں۔ اور انھیں حفاظت سے اپنی نظروں کے سامنے رکھنے لگا۔ اب جہاں کی آب وہوا اِن جانوروں کی پرورش اور نشوونما کے موافق تھی وہاں اُن کی تعداد بڑھنے لگی۔ اور اب وہ جنگلی انسان گلہ بانی کے درجے تک پہنچ گیا۔

لیکن جب بھیڑ، بکریاں، چاروں طرف چلتی پھرتیں تو انھیں جو سبزی ملتی اسی کو صاف کر دیتیں۔ اس لئے انسان کے لئے رفتہ رفتہ سبزی کی کمی پڑنے لگی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ وہ

کیا کرتا۔ سوائے اس کے کہ بھیڑ بکریوں کی چراگاہ الگ بنا دیتا اور اپنے واسطے ایک الگ چراگاہ بناتا۔ اس نے ایسا ہی کیا بھی۔ اور پھر جب اس کی اپنی چراگاہ کا اناج ختم ہونے کو آیا تو اس انسان نے پھر اس کے دانے زمین میں ڈالے اور خدا کی قدرت سے کچھ مدت کے بعد وہ دانے اُگ آئے۔ اب تو وہ جنگلی انسان کاشتکاری کے درجے تک پہنچ گیا۔

لیکن اب ایسا ہوا کہ ایک انسان کے پاس گیہوں زیادہ ہوگیا اور دوسرے کے پاس جو۔ تو ان دونوں نے آپس میں طے کیا کہ بھئی تم تو مجھے جو دے دو اور میں تم کو اس کے بدلے میں گیہوں دیتا ہوں۔ اس طریقے سے جنس کا تبادلہ جنس سے ہونے لگا۔ آخر یہ کب تک؟ رفتہ رفتہ انسان نے ایک دھات لی اور اس کے وزن کے لحاظ سے اس کی قیمت مقرر کی پس اب تو اس انسان کے پاس روپے پیسے بھی ہونے لگے۔ لیکن وہ اتنے اچھے تھوڑی تھے جتنے تمھارے پاس اس وقت ہیں۔

اور آؤ اب ایک بہت ہی مزے دار بات بتائیں۔ دیکھو انسان میں کچھ کچھ سمجھ آئی تو گلہ بانی کرنے لگا۔ پھر ان ریوڑوں کی حفاظت اور دیکھ بھال بھی اپنے ذمے لی پھر اس کے لئے ایک چراگاہ بنائی اور پھر دیکھو وہی محنت رفتہ رفتہ انسان کو کاشتکاری کے درجے تک لے آئی اس کے بعد اسی محنت اور سوجھ بوجھ کی بدولت سکہ بنا۔

اس پرچے کی پہیلیوں کے جواب

(۱) گھڑی　(۲) چاند　(۳) چھتری　(۴) گراموفون

(۵) سنگھاڑا　(۶) مولی　(۷) ٹڈا۔

مشغلہ

گوردیال چند شرما چاند

انسان فرصت کے وقت یا تو لیٹ جاتا ہے۔ یا ویسے ہی بے کار بیٹھا رہتا ہے۔ یہ بہت بری بات۔ ہمیں بے کار اور تنہا نہیں رہنا چاہیئے۔ انگریزی کی مشہور مثل ہے کہ "بے کار کا دماغ شیطان کا کارخانہ ہے" یعنی بے کار کو شرارتیں ہی سوجھتی ہیں اسی طرح ایک اور عالم نے کہا ہے:۔ اگر تم بے کار ہو۔ تو اکیلے مت رہو۔ اور اگر تم اکیلے ہو تو بے کار مت رہو"

چنانچہ اگر تم بے کار ہو تمھیں فرصت ہے۔ اور کوئی کام کرنے کو نہیں تو سوچ سمجھ کر کوئی کام شروع کردو۔ کیونکہ "بے کار سے بے گار بھلی۔ بے گار سے سنوار بھلی"۔ کام ایسا ہونا چاہیئے جس سے دماغ کو آرام اور دل کو خوشی حاصل ہو۔ اور جسم کو بھی آرام ملے۔ ایسے کام کو انگریزی میں ہوبی (Hobby) اور اردو میں مشغلہ کہتے ہیں۔

چنانچہ الگ الگ آدمیوں کے جدا جدا مشغلے ہوتے ہیں۔ کوئی تصویریں اکٹھا کرتا ہے تو کوئی خط لکھتا ہے۔ کوئی ٹکٹ جمع کرتا ہے تو کسی کو پودے لگانے یا باغبانی کا شوق ہے۔ غرض ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے لگتا ہے۔

تم بھی فرصت کے وقت کچھ نہ کچھ ضرور کیا کرو۔ اس کے علاوہ فوٹوگرافی، نجوم۔ سیر۔ مشاہدے کرنا۔ وغیرہ وغیرہ سب ہی نہایت دلچسپ اور فائدہ مند مشغلے ہیں۔ بعض لوگوں کے مشغلے نہایت عجیب وغریب ہوتے ہیں مثلاً:۔ امریکہ میں بعض لوگ قسم قسم کی چھڑیاں اکٹھا کرتے ہیں۔ ایک آدمی بوتلوں کے قسم قسم کے رنگ برنگے بڑے چھوٹے فیتے

کھٹے کرتا ہے۔ ایک اور شخص استروں کے کور (Covers) جمع کرتا ہے ایک شخص لوگوں کے قسم قسم کے بال جمع کرتا ہے غرض بہت سے لوگ عجیب عجیب مشغلے اختیار کرتے ہیں چنانچہ میں خود وہ تمام لفافے جو میرے نام آتے ہیں نہایت احتیاط سے رکھ چھوڑتا ہوں میرے اور بھی کئی مشغلے ہیں اور ان سے میرا فرصت کا وقت بہت دلچسپی سے کٹ جاتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔

میں پھر کبھی تمھیں سگریٹ کارڈ جمع کرنے کے متعلق کچھ بتاؤں گا۔ اور اگر تم کسی اور مشغلے کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا چاہو تو نہایت خوشی سے پوچھ سکتے ہو۔ بس ایڈیٹر صاحب کو خط لکھ بھیجو۔ وہ تمھارا سوال چھاپ دیں گے اور پھر میں تمھیں اس سوال کا جواب دے دوں گا۔

بڑھا کر اُن کے قریب لے جاؤ۔ یہ سب گویا ہاتھ باندھے کنگھے کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور اس کے بعد لپک کر گلے جا ملیں گے۔ پھر علیحدہ ہو جائیں گے۔ اور دوبارہ کچھ پس و پیش کے بعد کودکر کنگھے کے ساتھ جا چمٹیں گے۔

فرماں بردار لکڑی

اپنی کرسی کے پیچھے والی لکڑی پر ایک چھڑی
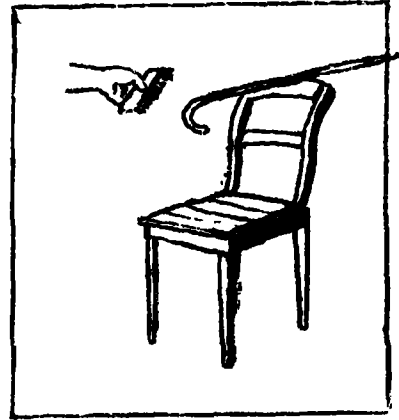
کو رکھو اور کنگھے کو بڑھا کر لکڑی کے ایک سرے کے قریب لے جاؤ۔ اور اس کو اپنی طرف آنے کا حکم دو۔ لکڑی نہایت خاموشی کے ساتھ تمہارے حکم کے مطابق کنگھے کی طرف کھنچ آئے گی۔

برقی لنگر

دیوار میں لگی ہوئی بڑی گھڑیوں میں تم نے لنگر گھومتے اور ٹک ٹک کرتے دیکھا ہوگا۔ ہم تم کو برقی لنگر بنانے کی ترکیب بتاتے ہیں

سر کنڈے کا تقریباً پاؤ انچ لمبا اور اسی قدر موٹا گودے کا ٹکڑا لے کر اس کو ریشمی دھاگے میں باندھ کر دیوار میں کسی کیل کے ساتھ لٹکا دو یہ تمہارا لنگر ہو گیا۔ اب کنگھے کو بڑھا کر گودے کے قریب لے جاؤ۔ گودا کنگھے کی طرف کھنچ کر اس کے ساتھ چمٹ جائے گا۔ پھر خود بخود علیحدہ ہو کر کنگھے سے دور ہٹ جائے گا۔

برقی چھوئی موئی

موم بتی کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو روشن کرو۔ جب بتی کے ارد گرد کا موم ذرا نرم ہو جائے تو اس میں لوہے یا کسی اور دھات کا تقریباً ڈیڑھ انچ لمبا، پاؤ انچ چوڑا پترا گاڑ دو۔ اب سگرٹ کے پیکٹ والے ورق میں سے ایک انچ لمبا، پاؤ انچ چوڑا ٹکڑا کاٹ کر دھات کے پترے کے بالائی سرے

پر ذرا سے گوند سے چپکا دو۔ اس ورق کو

اپنی انگلی سے چھوؤ۔ کیا کوئی حرکت پیدا ہوئی اب اپنے برقائے ہوئے کنگھے کو ورق کے قریب لاؤ۔ دیکھو ورق کس طرح دھات کے پترے سے علیحدہ ہو کر کنگھے کی طرف کھنچتا ہے ورق کو کنگھے سے ذرا چھو دو۔ اب ورق کو اپنی انگلی سے چھو دو۔ ورق فوراً چھوئی موئی کے پتوں کی طرح سکڑ کر دھات کے پترے کے ساتھ جا لگے گا۔

نوٹ:۔ ان کھیلوں میں جتنی چیزیں استعمال کی جائیں وہ سب خشک ہوں۔ خاص کر کنگھا اور تمہارے سر کے بال ؛

پہیلیاں

(۱)
دو سہیلی ایک مکان ؛ چلیں پھریں گائیں ہر آن
ہاتھ پاؤں آنکھ نہ کان ؛ سب کو بتائیں آپ انجان

(۲)
دیکھا ہم نے عجب تماشا ہر مہینے ہر سال
پچھم کی تلوار بنی اور پورب جاکر ڈھال

(۳)
ایک پاؤں اور پر ہی پر احسان اس کا سب کے سر پر
دھوپ اور مینہہ میں دیکھو جوہر غنچہ پھول بنا ہے کھل کر
ایک کوٹھے پر گول توا زور سے ناچے مثل ہوا
اس پر بیٹھے جو چڑیا گانا بجانا اس کو روا
چپ ہو اگر تو کان امیٹھو ہے یہی اس کے دکھ کی دوا
غلام یزدانی حیدرآباد

(۴)
انگل بنگل کھونٹا گائے مرکھنی دودھ میٹھا

(۵)
اجلی اجلی مرغی سبز پوچھ بوجھ تو بوجھ نہیں تو نانی سے پوچھ
محمد ظہور الحق

(۶)
ہری تھی من بھری تھی
سوا سو موتی جڑی تھی
لالہ جی کے کھیت میں
دوشالہ اوڑھے کھڑی تھی[1]
چاند شرما

[1] ان پہیلیوں کے جواب صفحہ ۳۱۵ پر دیکھو۔

بڑی عمر کے لڑکوں کے لئے

نئی دنیا کا سفر

از سعید انصاری صاحب بی اے جامعہ، ایم اے کولمبیا

جناب سعید انصاری صاحب نے اپنے مضمون کا
عنوان اب بدل دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ پیامی بھی
اس عنوان کو پسند کریں گے۔ (ایڈیٹر)

(۳)

پہلی منزل | چکر اور متلی کی یہ کیفیت کوئی چار روز تک رہی جب تک جہاز بحیرۂ احمر میں داخل نہ ہو لیا۔ اور یہ کیفیت مختلف شخصوں پر مختلف درجہ رہی۔ میرے ساتھیوں میں بنارس کے ایک نوجوان طالب علم بی اے، بی ٹی کرنے کے بعد انگلستان مزید تعلیم کے لئے جا رہے تھے۔ ان بے چاروں پر یہ مصیبت بری طرح نازل ہوئی۔ وہ کہیں اوپر جہاز کے عرشے پر تھے کہ دوران سر اور امتلاء شروع ہوا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اُن کی حالت ایسی ابتر ہوئی کہ وہ نیچے اپنے کمرے میں بھی واپس نہ آسکے۔ وہیں اوپر کرسی پر سوئے اور باقی عمر دیات بھی وہیں گزاری گئیں۔ کوئی دو دن گذرنے کے بعد جب ان کی طبیعت ذرا سنبھلی تو گرتے پڑتے نیچے کمرے میں آئے۔ لیکن یہاں بھی اُن کی حالت بُری رہی میں کچھ اتنا زیادہ پریشان نہ تھا۔ اس لئے کبھی کبھی اُن کی خیریت مزاج پوچھ لیا کرتا تھا۔ چار روز گذر جانے کے بعد جب ان کی طبیعت پورے طور پر سنبھل گئی تو کہنے لگے۔ " بھائی انصاری! تم نے میری مدد کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کوئی چیز یادگار بھیجوں۔ اپنا پتہ مجھے دے دو " وہ مصیبت سر سے گذری اور ان بے چاروں کو آج تک ایک خط لکھنے کی توفیق بھی نہ ہوئی!

لیکن وہ آدمی بڑے دلچسپ تھے کہتے تھے "جی تو چاہتا ہو کہ راستے سے لوٹ جاؤں لیکن پھر وہی جہاز کا سفر! اچھا اب تو کسی نہ کسی طرح پہنچ جاؤں پر واپسی میں بتا جی سے کہوں گا کہ وہ مجھے ہوائی جہاز سے بلائیں"

یہ کیفیت کچھ ہندوستانی یا غیر ہندوستانی پر موقوف نہیں۔ اور نہ اس پر کہ کس نے جہاز کا سفر ایک بار کیا ہو یا بار بار۔ میرے ہی کمرے میں ایک اطالوی تھا، اس کا اُن سے بھی برا حال تھا۔ وہ جس دن سے جہاز

چلا ہے، بستر پر لیٹ گیا اور پھر آخیر دن تک اٹھنے کا نام ہی نہ لیا اس کے لئے نرسیں بھی آئیں، ڈاکٹر بھی آئے پر دہ نہ، چھا ہوا تھا اور نہ ہوا۔ اس کے لئے تو جہاز گویا ہسپتال تھا۔ وہ وہیں بستر پر کھاتا پیتا اور سب کچھ کرتا۔

بعض اور لوگوں کی حالت بھی کم بیش ایسی ہی تھی۔ جب طوفان زور کا ہوتا اور جہاز موجوں کے تھپیڑے کھانے لگتا تو لوگوں کی آہ و بکا کی آوازیں بھی آنے لگتیں۔ اور اس میں مرد عورت، بچے اور بوڑھے سب ہی ہوتے ہیں اصل یہ ہے کہ جہاز کی یہ بیماری کچھ تو تعلق مزاج پر موقوف ہے اور کچھ اس کے لئے روک، کی تدبیریں بھی کی جا سکتی ہیں، مثلاً آدمی کو خالی پیٹ نہیں رہنا چاہئے۔ خواہ بھوک معلوم ہو یا نہ معلوم ہو، کچھ نہ کچھ کھاتے ضرور رہنا چاہئے۔ ہوسکے تو کوئی ترش چیز یا سنگترے وغیرہ غذا میں رکھنے چاہئیں۔ بعض لوگ مٹھائیاں وغیرہ ساتھ لے کر چلتے ہیں جو دوست احباب ساتھ کر دیتے ہیں ان کا کھانا بہت مضر ہوتا ہے۔ سفر سے پہلے آدمی میں تکان نہ ہونا چاہئے اس کا بھی اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔ جہاز پر زیادہ سے زیادہ جتنا وقت کھلی ہوا میں گذر سکے گذارنا چاہئے اور ممکن ہو تو کسی نہ کسی کھیل اور دلچسپی میں ہر وقت مصروف رہنا چاہئے۔ اس سے طبیعت بہلی رہتی ہے۔ بوڑھے ٹھوڑھے یا فلسفی قسم کے لوگ جو موجوں پر نظر جمائے یوں ہی سوچا کرتے ہیں ان کا برا حال ہوتا ہے۔ ہماری ہندوستانی عورتیں بھی بےچاری اکثر بری طرح اس بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

لیکن یہ سب کیفیتیں رفتہ رفتہ دور ہونے لگیں جب چوتھے روز ہمارا جہاز خلیج عدن میں داخل ہوا۔ لوگ کھانے کے کمرے میں بھی ہر کھانے کے وقت دکھائی دینے لگے اور عرشے پر بھی صبح شام کو موجود ہوتے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر تبسم اور بشاشت کی کیفیت بھی پائی جانے لگی اور ہر طرف ایک چہل پہل اور ہنگامہ برپا رہتا تھا۔ جہاز کی زندگی بھی ایک عجیب زندگی ہے۔ جب تک طوفان کی کیفیت رہتی ہے، ہر شخص ایک مصیبت میں گرفتار ایک آفت میں مبتلا۔ لیکن جہاں وہ کیفیت دور ہوئی گویا قیامت کی گھڑی سر سے ٹل گئی۔ جب جہاز ساکت پانی میں آتا ہے تو پھر آدمی یہ سب مصیبتیں ایک ایک کر کے بھول جاتا ہے۔ اگر مطلع صاف ہو تو صبح شام طلوع و غروب کا بہترین منظر دیکھنے میں آتا ہے روشن دن میں اگر دھوپ تیز نہ ہو تو پھر سمندر کا سفر نہایت پر لطف ہوتا ہے۔ رات میں گھنٹوں چاندنی کا مزہ اٹھائیے۔ اور اگر کبھی کبھار کوئی جہاز قریب سے گذر گیا یا کسی جزیرے یا بندرگاہ سے ہو کر نکل گئے تو پھر عید کی خوشی سے کم نہیں۔

میرے ساتھیوں میں ایک صاحب تھے حیدرآباد کے، بڑے مسلمان اور مرد مومن، ان پر ان طوفانی کیفیتوں کا دوسرا ہی عالم تھا۔ وہ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نمازوں پر نمازیں پڑھتے اور موج کے ہر نشیب و فراز پر انھیں خشم الٰہی اور رحمت باری کے جلوے نظر آتے تھے۔ جب ہمارا جہاز عدن کے قریب پہنچنے لگا تو ہم میں سے ہر شخص خوش تھا کہ چلو آج چار دن کے بعد

مصری ابوالہول اور اہرام
یہ آج سے کوئی ساڑھے
پانچ ہزار برس پہلے کے
بنے ہوئے ہیں

مصر کی ہزاروں برس پہلے کی مصوری کا نمونہ

سوئز کینال (نہر سوئز)

۲

وینس کا ایک پل اور کشتی جو گنڈولا کہلاتی ہے

(متعلق مضمون نئی دنیا کا سفر)

خشکی پر قدم رکھنے کو ملے گا، مگر ان حیدرآبادی دوست کی
مسرت کی کچھ اور ہی وجہ تھی۔ وہ یہ آرزو دل میں لائے تھے
کہ اتر کر بعض بزرگانِ دین کی قبروں کی زیارت
نصیب ہوگی۔ لیکن ہمارا جہاز یہاں ایک منٹ کے لئے
بھی نہ ٹھہرا اور دور ہی سے گذر گیا۔ اس سے ہم سب تو
ایک حد تک مایوس ہوئے ہی لیکن ہمارے ان دوست
کی کیفیت دیکھنے کے قابل تھی!

عدن میں گو ہم ٹھہرے نہیں لیکن دور ہی سے ایک
نظارہ کر لیا۔ اور میرے بعض دوست جہاز ہی پر سے
مجھے یہ بتانے لگے کہ آس پاس جو چھوٹے چھوٹے جزیرے
نظر آرہے ہیں، وہ سب برطانیہ کے بحری جہازوں کے
ٹھہرنے کی جگہیں ہیں۔ اور اس وقت مجھے انگریزی افسر
کا وہ سارا قصہ یاد آنے لگا کہ کس طرح اس نے فرانسیسی
افسر کو جس کے قبضے میں یہ علاقہ پہلے تھا، شراب پلائی
اور جب وہ خوب نشے کی حالت میں ہو گیا تو اس سے سارا
راز معلوم کر کے قلعہ کی کنجی اینٹھی اور اس تمام حصے پر
قبضہ کر لیا۔

یہاں پہنچ کر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
انگریزوں کے لئے یہ کتنے موقع کی جگہ ہے۔ خلیج عدن میں
سے ہو کر جب جہاز بحرِ قلزم میں داخل ہوتا ہے تو عدن
اور براعظم افریقہ کے درمیان بہت تنگ راستہ رہ جاتا
ہے۔ کوئی جہاز بحرِ قلزم سے گذر کر بحرِ ہند میں داخل نہیں
ہو سکتا جسے یہاں پر انگریزی بیڑہ روک نہ لے۔ ایک
طرح سے دیکھئے تو انگریزی بیڑہ یہاں سے کئی ایک سلطنتوں
پر اپنی نظر جمائے رکھ سکتا ہے۔ ایشیا کی طرف امام یحییٰ
کی حکومت ہے اور اس سے آگے ابن سعود کی۔ دوسری
طرف افریقہ میں اٹلی اور فرانس کے علاقے ہیں۔ غرض
انگریزوں نے بڑے موقع سے یہ جگہ تاک کر لی تھی۔

بحرِ قلزم میں جب جہاز داخل ہوتا ہے تو سخت گرمی
شروع ہو جاتی ہے اور چار پانچ روز جب تک اس میں
رہنا ہے بلا کی گرمی ہوتی ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ اس
کے دونوں طرف وسیع براعظم ہیں اور وہ بھی بیشتر حصہ
ریگستانی۔ ان خشکیوں پر سے جو ہوائیں گذر کر آتی ہیں
ان میں وہ تازگی اور ٹھنڈک کہاں جو وسیع سمندروں پر ہوتی
ہے۔ کمروں میں رات بھر پنکھے چلتے رہتے ہیں۔ بہت سے
لوگ عرشے پر رہتے ہیں اور وہ بھی کم سے کم لباس
میں۔ غرض بحرِ قلزم کا پورا سفر نہایت تکلیف دہ اور
غیر دلچسپ ہوتا ہے۔ اس کی یہ کلفت اور یکسانیت اگر
کبھی ٹوٹتی ہے تو وہ گاہے ماہے کسی کشتی یا جہاز کے آنے
جانے سے۔

ایک دن بڑا عجیب واقعہ ہوا جس سے جہاز میں
کافی سنسنی پھیل گئی۔ دور پانی کی سطح پر مرغابیوں کا ایک
پرے کا پرا کہیں اترا ہوا تھا اور جہاز سے ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ کوئی چھوٹی کشتی یا ڈونگی بیچ منجدھار میں پھنس گئی ہے
تمام لوگ کمروں سے دوڑ دوڑ کر باہر نکل آئے اور یہ
تماشا دیکھنے لگے۔ جہاز کے کپتان نے بھی جب یہ دیکھا
تو کشتی کا رخ فوراً اس طرف کو پھیر لیا تاکہ قریب چل کر
اگر ممکن ہو سکے تو کوئی مدد پہنچائی جائے۔ تھوڑی دیر کے
بعد جب کشتی قریب آئی ہے۔ تو کیا دیکھنے میں آتا ہے کہ
بڑی مرغابیوں کا ایک پرا ہے کچھ تو ہوا میں اڑ رہی

ہیں اور کچھ پانی کی سطح پر تیر رہی ہیں۔ بحر قلزم میں ایک اور دلچسپی کی چیز ہوتی ہے اور وہ لائٹ ہاؤس ہیں جو کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں ایک بہت اچھا اور اونچا سا لائٹ ہاؤس بحر قلزم کے اس سرے کے قریب آتا ہے، جب جہاز نہر سویز میں داخل ہوتا ہے اس لائٹ ہاؤس کو دیکھتے ہی مجھے مولانا حالی کا وہ شعر یاد آگیا جو انھوں نے اپنے ایک مشہور ترکیب بند میں لکھا ہے۔

سرخ رو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

اور میں نے لائٹ ہاؤس کی ایک تصویر اور اس کے ساتھ یہ شعر بھی اپنے بعض عزیز شاگردوں کو لکھ کر بھیجا۔ واقعی اس لائٹ ہاؤس کو دیکھ کر یہ خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے کہ خدا ہر بچے کو دنیا میں ایسے ہی رہنما مینار کی طرح سرخ روئی نصیب کرے جن کی ہدایت اور روشنی سے دوسروں کے مصائب اور مشکلات کے بیڑے پار ہو جایا کریں۔

نہر سویز کا سفر بھی ایک عجیب دلچسپ سفر ہوتا ہے۔ کوئی ۱۰۰ میل تو کل نہر کی لمبائی ہے لیکن اس میں تقریباً ۱۲ گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ جہاز کچھوے کی چال چلنے لگتا ہے۔ تیز چلے تو پانی کے ہچکولے سے اِدھر اُدھر کے کنارے ٹوٹ جائیں۔ نہر کا تمام حصہ نہایت ریتیلا ہے اور اس وجہ سے بہت کم زور۔ خود نہر کے اندر اس قدر ریت آتی رہتی ہے کہ اگر تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد اس کی صفائی نہ ہوتی رہے تو ساری نہر ریت سے پٹ جائے۔ آس پاس کے کنارے اتنے قریب کہ لوگ جہاز کے مسافروں کو ہاتھ سے اشارے کرتے ہیں۔ دونوں طرف کے کنارے جہاز سے بالکل ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے کناروں میں ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ مصر کی طرف کا کنارہ تو نہایت سرسبز اور زرخیز نظر آتا ہے، لیکن عرب کی طرف کا بالکل خشک اور بنجر ہے۔

بہرحال کوئی ۱۲ گھنٹے کے بعد جہاز بندر سعید میں پہنچا جو نہر سویز کا دوسرا سرا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے اور بڑا اس حیثیت سے اور بھی کہ اگر اس کے دروازے بند کر دئے جائیں تو مشرق اور مغرب کا تمام تعلق منقطع ہو جائے۔ یہاں تھوڑی سی دیر کے لئے بھی اتریئے تو دونوں تمدنوں کا رنگ آپس میں ملتا ہوا نظر آتا ہے لیکن خود یہ رنگ کچھ اچھا نہیں بندر سعید ہر قسم کے جہازوں کے گذرگاہ ہونے کی وجہ سے زندگی کا بہت خراب نمونہ پیش کرتا ہے جو مشرق اور مغرب دونوں کے مسافروں کے لئے تعجب انگیز ہوگا۔ ہمارا جہاز رات کے کوئی ۱۲ بجے یہاں پہنچا اور تھوڑی دیر کے لئے کنارے سے دور رکا۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں مسافروں کے لینے کے لئے آتی ہیں۔ ہم بھی ان میں سے ایک پر سوار ہو کر شہر دیکھنے کے لئے گئے۔ یوں تو شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لیکن جب کوئی جہاز آتا ہے تو مسافروں کی وجہ سے بعض بڑی بڑی دکانیں کھل جاتی ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے ایک رونق ہو جاتی ہے۔ اس ذرا سی دیر کی سیر کا تو کوئی اچھا اثر ہم پر نہیں پڑا۔ لیکن اس ملک فراعنہ کی کچھ یادگار چیزیں اپنے ساتھ لے کر جہاز پر واپس آگئے اور پھر علی الصبح آگے کو روانہ ہوئے۔

اب ہم بحر روم میں داخل ہوئے۔ خیال تھا کہ شاید یہاں پھر طوفان سے سابقہ پڑے۔ لیکن سمندر کچھ ایسا متلاطم

نہ تھا۔ اور ہم نہایت آرام سے یونان کے پاس والے جزیروں سے ہوتے ہوئے بحیرہ ایڈریاٹک میں داخل ہوئے۔ اب ہمارا جہاز منزل مقصود سے قریب ہو رہا تھا۔ لیکن منزل پر اترنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے اٹلی کے ایک چھوٹے سے بندرگاہ برنڈزی (Brindisi) پر رکا ہم جہاز پر رہتے رہتے اس قدر تھک گئے تھے اور یورپ کی زندگی دیکھنے کے اس قدر مشتاق کہ اس کے رکتے ہی اتر کر شہر میں گئے۔ برنڈزی ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ لیکن بندرگاہ ہونے کی وجہ سے کافی بارونق ہے شہر میں کثرت سے شربت اور شراب کی دکانیں ہیں۔ ہم بھی ایک دکان میں پہنچے اور اطالوی زبان نہ جاننے کی وجہ سے اشاروں میں پینے کی کوئی چیز مانگی۔ لیکن یہ سمجھانا بہت مشکل تھا کہ وہ شربت ہو، شراب نہ ہو۔ ان کے ہاں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہر چیز جو پی جائے حلال ہے۔ مجبوراً ایک گلاس سادہ پانی پر اکتفا کی۔

برنڈزی میں دو ایک عجیب دلچسپ باتیں پیش آئیں۔ میں جس وقت ایک سڑک سے پار ہو رہا تھا۔ ایک شخص سائیکل سوار نہایت تیزی سے دوسری طرف سے آ رہا تھا۔ میں حسب قاعدہ اپنے بائیں ہاتھ کو دب گیا اور وہ اپنے دائیں جانب چلاتا رہا۔ میں سمجھا کہ یہ کیا بات ہے جو وہ بچا نہیں رہا ہے اور وہ بھی تعجب سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم دونوں کی بیچ سڑک پر ٹکر ہوئی۔ اس پر کچھ خفگی سے اس نے اطالوی زبان میں کہا۔ جسے میں نہ سمجھا اور کچھ میں نے غصے میں برا بھلا کہا جو وہ نہ سمجھا۔ ہماری یہ حالت دیکھ کر میرے بعض دوست جو آگے بڑھ گئے تھے، لوٹ آئے اور مجھ سے کہنے لگے۔ بھئی اس میں تمہاری غلطی ہے۔ یہ انگریزی راج نہیں ہے۔ جہاں ہر بات الٹی ہو۔ یہاں سیدھے ہاتھ کو چلاتے ہیں۔

شہر گھومنے میں بھی ایک بات عجیب رہی ہم تو نہایت اطمینان سے شہر گھومتے جا رہے تھے۔ لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ لوگوں کا ایک جم غفیر ہمارے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ بات اصل یہ تھی کہ ہم میں سے بعض اب تک اپنے ہندوستانی لباس میں تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی کوفت ہوئی۔ میں نے جہاز میں جا کر فوراً اپنے کپڑے بدل ڈالے۔ اب میں جیسا دیس تھا ویسے بھیس میں ہو گیا اور اس تبدیل ہیئت کے ساتھ وینس میں اترا۔ جو میرے سفر کی پہلی منزل تھی ؛

سُندر

محترمہ صالحہ عابد حسین صاحبہ

بہت دنوں کا ذکر ہے کسی ملک میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔ بہت خوب صورت، بہادر اور محنتی۔ نام بھی سندر تھا۔ ابھی صرف دس ہی سال کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ جب سے یہ روز جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انھیں بیچ کر اپنا اور اپنی ماں کا پیٹ بھرا کرتا تھا۔ اسی طرح دس سال گذر گئے۔

ایک دن سندر جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ بڑے زور سے آندھی آئی۔ سندر نے لکڑیاں سر پر رکھیں اور گرتا پڑتا گھر کو روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آندھی رُک گئی اور سندر ستانے کے لیے ایک پتھر پر بیٹھ گیا اس کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی۔ بیٹھے بیٹھے بے خیالی میں سندر کلہاڑی ہلانے لگا اور یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ کلہاڑی کے ہلانے سے اس کے قریب خون جمع ہوگیا ہے اور خون کی باریک دھار دور تک چلی گئی ہے۔ سندر جلدی سے اُٹھا اور خون کے ...... نشان کے ساتھ ساتھ چلا۔ بہت دور جاکر اس نے دیکھا کہ ایک اندھیرے غار کے منہ پر یہ نشان ختم ہوگیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی گہرا غار تھا اور لوگ کہا کرتے تھے کہ اس میں جن بھوت رہتے ہیں اور بھوتوں والا غار کہلاتا تھا۔ سندر وہاں سے شہر واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ تمام شہر میں ہل چل مچی ہے۔ لوگ گھبرائے گھبرائے پھر رہے ہیں پوچھا تو معلوم ہوا کہ راجہ کی خوب صورت راج کماری آج شام اپنے باغ میں پھول چن رہی تھی کہ ایک دم سے آندھی آئی اور ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے راج کماری کو ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ اور غائب ہوگیا۔ راجہ نے ڈھنڈورا پٹوایا ہے کہ جو آدمی راج کماری کو ڈھونڈھ نکالے گا اسے ہزاروں روپئے دئے جائیں گے

سندر نے جب یہ حال سنا تو وہ سیدھا راجہ کے محل میں گیا اور اسے آج کا حال سنا کر کہا کہ میرا خیال ہے کہ راج کماری کو کوئی دیو اسی غار میں لے گیا ہے۔ راجہ اتنا ہی حال سُن کر خوش ہوا۔ سچ ہے "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا"۔ اس نے سندر کو سو روپئے انعام دئے۔

سندر نے روپئے لاکر اپنی ماں کو دے دئے ماں نے پوچھا "یہ روپئے کہاں سے آئے" سندر نے سب حال سنایا۔ ماں نے جب یہ سنا کہ راج کماری کھو گئی ہے تو اسے بہت رنج ہوا۔ وہ سوچنے لگی کہ بچارے راجہ اور رانی اپنی اکلوتی بچی کے غم میں کیسے دکھی ہوں گے۔ یہ سوچ کر وہ بیٹے سے بولی:

"سندر! کیا تو راج کماری کو ڈھونڈ سکتا ہے؟"

سندر نے کہا "ماں راج کماری کو ڈھونڈھنا بہت مشکل ہے اسے ضرور کوئی دیو اٹھا کر لے گیا ہے:" ماں بولی

"بیٹا کچھ بھی ہو تمہیں مصیبت میں اپنے راجہ کی مدد کرنی چاہیئے تم جاؤ اور اُسے ڈھونڈھ لاؤ۔ بادشاہ تمہیں بہت انعام دے گا" سندر نے کہا "ماں مجھے انعام کی تو ذرا بھی پرواہ نہیں مگر راجہ کی خوشی پوری کرنا میرا فرض ہے۔ اچھا! میں تمہارا حکم مانوں گا۔ راج کماری کو ڈھونڈھ کر لاؤں گا۔ چاہے اس کام میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے"

جب سندر گھر سے باہر نکلا تو اس نے سنا کہ بادشاہ نے کہا ہے جو آدمی "بھوتوں والے غار" میں اترے گا اور راج کماری کو ڈھونڈھ لائے گا۔ اُسے ایک لاکھ اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔ مگر کوئی آدمی اپنی جان خطرے میں ڈالنے کو تیار نہیں ہوا یہاں تک کہ "کیشو" کی بھی جو راج کماری سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ ہمت نہ پڑی کہ ایسی ڈروانی جگہ جاکر راج کماری کو ڈھونڈھے۔ سندر سیدھا راجہ کے پاس گیا اور کہا "میں راج کماری کو ڈھونڈھنے کے لئے غار میں اُتروں گا" راجہ نے اُسے بہت شاباشی دی اور کہا "بہادر لڑکے اچھی طرح سوچ لو۔ اس کام میں جان جانے کا ڈر ہے" سندر نے ادب سے کہا "ایسے نیک راجہ کے لئے جان بھی چلی جائے تو کیا پرواہ ہے"

راجہ اتنا خوش ہوا کہ سندر کو گلے سے لگا لیا

اگلے دن سویرے سے راجہ، رانی، سندر اس کی ماں اور تمام شہر کی پرجا "بھوتوں والے غار" کے منہ کے پاس جمع ہو گئی۔ ایک قسم کی مشین وہاں لائی گئی جس پر ایک مضبوط سی رسی لپٹی تھی اور پہیہ گھماکر اُسے کھول اور لپیٹ سکتے تھے اس میں ایک گھنٹی بھی بندھی تھی رسی کے ہلانے سے گھنٹی بجنے لگتی تھی۔

سندر پہلے اپنی ماں سے ملا پھر راجہ، رانی اور ساری پرجا کی دعاؤں کے ساتھ اللہ کا نام لے کر ٹوکری میں بیٹھ گیا۔ ٹوکری غار کے منہ پر رکھ دی گئی اور آہستہ آہستہ پہیا گھماکر ٹوکری کو نیچے اُتارنے لگے۔

سندر کو چاروں طرف اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ صرف غار کے منہ کی روشنی تارے کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی جس سے سندر کی ڈھارس بندھ جاتی تھی۔ کئی سو گز نیچے اُترنے کے بعد ٹوکری زمین پر ٹکی۔ سندر نے ٹٹول کر دیکھا زمین گیلی تھی اور سخت بدبو آرہی تھی۔ اس نے بو سے پریشان ہوکر زور سے اپنی ناک بند کرلی جس سے اس کا دم گھٹنے لگا۔ اندھیرے کا یہ حال تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد اُسے اندھیرے کی عادت پڑ گئی تو اسے غار کے ایک سرے پر کچھ روشنی نظر آئی۔ سندر ٹٹولتا ٹٹولتا آگے بڑھا۔ بہت دور چلنے کے بعد اسے ایک دروازہ نظر آیا۔ دروازے کے آگے ایک بڑا سا میدان تھا۔ میدان سے گذرنے کے بعد اُسے ایک بہت بڑا اور خوب صورت باغ دکھائی دیا اُس نے عمر بھر ایسا باغ کبھی نہ دیکھا تھا۔ باغ میں جگہ جگہ نہریں بنی تھیں۔ فوارے چھوٹ رہے تھے جن میں سے سونے چاندی کے پھول نکلتے معلوم ہوتے تھے درختوں میں ایسے ایسے عجیب صورت کے پھل اور پودوں میں ایسی نئی نئی رنگت کے پھول لگے تھے کہ سندر حیرت میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ جب ذرا اس کے اوسان ٹھیک ہوئے تو اس نے دیکھا کہ باغ کے بیچوں بیچ ایک بنگلا

بنا ہوا ہے جس کی دیواریں روپہلی اور دروازے سنہرے ہیں۔ جگہ جگہ جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کا نام لے کر بنگلے میں گھس گیا۔ جب سندر برآمدے میں گھس رہا تھا تو اس نے ایک باریک سی چیخ کی آواز سنی۔ وہ گھبرا کر سامنے والے کمرے میں گھس گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بھولی بھالی لڑکی ایک بڑے چولھے کے سامنے بیٹھی ہے۔ چولھے پر چاندی کا بڑا سا کڑھاؤ چڑھا ہے اور اس میں بہت سا گھی خوب کھول رہا ہے۔ سندر دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ وہ راج کماری ہے۔ کیونکہ اس نے پہلے بھی ایک دو دفعہ اسے دیکھا تھا۔ راج کماری اپنے سامنے ایک آدمی کو کھڑا دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر سندر کے ہاتھ پکڑ لئے "تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟" جلدی جلدی بہت سی باتیں پوچھ ڈالیں۔

سندر نے کہا "مجھے راجہ نے آپ کو ڈھونڈنے بھیجا ہے۔ آپ اپنا حال سنائیے"۔ راج کماری یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور پھر اپنے ماں باپ کو یاد کر کے رونے لگی۔

سندر نے اُسے دلاسا دیا اور کہا "گھبراؤ نہیں میں تمھیں یہاں سے چھڑا کے ضرور لے جاؤں گا۔ اور راجہ اور رانی سے تمھیں ملاؤں گا۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم یہاں آئیں کیسے؟"

راج کماری نے اپنا حال یوں سنایا "میں اپنے باغ میں ٹہل رہی تھی کہ بڑے زور سے آندھی کا جھونکا آیا اور ایسا معلوم ہوا کہ کسی بہت بڑے سے ہاتھ نے مجھے پکڑ رکھا ہے۔ میرے حواس غائب ہوگئے۔ ہوش آیا تو دیکھا کہ میں اس گھر میں ہوں اور ایک بہت بڑا خوفناک دیو میرے سامنے کھڑا ہے میں ڈر کر پھر بے ہوش ہوگئی مگر اس دیو نے مجھے ٹھوکریں مار کر ہوشیار کیا اور کہا چل کر گھر کا کام کاج کر۔ اصل میں اس کا مزاج بہت خراب ہے سب نوکر نکل جاتے ہیں اس لئے یہ مجھے پکڑ لایا ہے کہ میں اس کا کام کروں۔ کل کسی نے اس کے کلہاڑی ماردی تھی جب سے وہ اور بھی چڑچڑا ہو رہا ہے"۔

اتنے میں ایک بڑی بھاری آواز سنائی دی "اری بے وقوف لڑکی کہاں چلی گئی تو، اب تک تو نے کھانا نہیں پکایا اچھا تجھے بتاتا ہوں" راج کماری نے ڈر کے چیخ ماری اور سندر سے لپٹ گئی "ایشور کے لئے مجھے اس شیطان سے بچاؤ"۔ سندر جلدی سے کواڑ کی آڑ میں ہو گیا۔ ایکدم سے ایسا معلوم ہوا کہ آندھی آگئی۔ غصے میں دھاڑتا ہوا وہ دیو کمرے میں گھس آیا۔ اس کا چہرہ گہرا سبزا اور زرد تھا جو شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ آنکھیں آگ کی طرح سرخ تھیں۔ دانت جنگلی سور کے سے باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ ہاتھوں کے بڑے بڑے نیلے ناخون تلوار کی طرح نوکیلے اور تیز تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ شہزادی کو پکڑ کر مارے کہ اس کے ناخون شہزادی کے ریشمی دوپٹے میں پھنس گئے۔ سندر نے جو کواڑ کی آڑ سے سب حال دیکھ رہا تھا جھپٹ کر اپنی کلہاڑی دیو کے پیٹ میں گھسا دی اور اس سے پہلے کہ دیو یہ سمجھ سکے کہ یہ آفت کہاں سے آئی ہے اس نے اپنا پورا زور لگا کر دیو کو دھکا دیا اور وہ کھولتے ہوئے گھی میں گر کر جل بھن کر کوئلا بن گیا۔

(باقی پھر)

کیڑے مکوڑوں کی کہانی

محترمہ بیگم سید بشیر الدین صاحب۔ علی گڑھ

(۳)

گورکن کیڑے

کیڑوں کی حرکتیں بھی عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ دیکھنے میں تو اتنے چھوٹے اور کم زور لیکن کام وہ کرتے ہیں کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جائے۔ ایک قسم کا بھونرا ہوتا ہے۔ جس کی زندگی کا مقصد صرف مُردوں کو دفنانا ہے۔ جہاں کہیں کوئی اس کو مُردہ مل جاتا ہے یہ قبر کھودنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور جب تک مردار کو دفن نہ کرلے دم نہیں لیتا۔ مرے ہوئے چوہے چھچھوندر، یہاں تک کہ مردہ بلبلوں کو بھی وہ قبر کھود کر دفن کر دیتا ہے۔ اس کام میں نر اور مادہ دونوں حصہ لیتے ہیں۔ ان کے پاس نہ پھاوڑا ہوتا ہے نہ کدال۔ اپنی ننھی ننھی ٹانگوں سے یہ گڑھا کھودتے ہیں اور کافی ذہانت اور استقلال کا ثبوت دیتے ہیں۔ گڑھا کھودنے سے پہلے مردار چیز پر چڑھ کر یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ وہ کتنا لمبا چوڑا ہے۔ پھر اسی پیمائش کے مطابق وہ گڑھا کھودنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب گڑھا کھد کر تیار ہو جاتا ہے تو مردے کو اس میں اُتارتے ہیں۔ اگر اس کا کوئی حصہ باہر رہ جائے تو گڑھے کو پھر کھود کر بڑا کرتے ہیں۔ جب مردہ گڑھے میں سما جاتا ہے تو اس پر چڑھ کر اپنے پاؤں سے دباتے ہیں۔ اگر مردہ کسی سخت زمین پر پڑا ہوا ہے۔

گورکن بھونرا

مثلاً پختہ سڑک پر تو یہ ایسی جگہ تلاش کرتے ہیں جہاں گڑھا کھودنے میں آسانی ہو۔ خواہ یہ کتنی ہی دور ہو۔ مردے کو بھی وہیں کھینچ لے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک پروفیسر نے ان کی ذہانت کا امتحان لینے کی خاطر ایک مرا ہوا چوہا ایک جھاڑی میں ٹہنیوں سے باندھ کر لٹکا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں بھنورے کا جوڑا وہاں آن پہنچا اور مردے کو کھینچنے لگا۔ کچھ دیر کی کوشش کے بعد جب یہ تھک گئے اور چوہا اپنی جگہ سے نہ ہلا تو دونوں نے مل کر ٹہنیوں کو اپنے ننھے ننھے دانتوں سے کترنا شروع کیا۔ بڑی دیر کی مشقت کے بعد انھوں نے سارے بندھن کاٹ ڈالے اور چوہے کو زمین پر گرا دیا۔ اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ جب تک کہ اس مردے کو زمین کے نیچے دبا نہیں

دبا وہاں سے ہٹے نہیں۔

یہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اُن کی اس حرکت میں ایک بڑا مقصد چھپا ہوا ہے۔ جب مردے کو زمین میں دبا دیتے ہیں تو مادہ اس کے نزدیک انڈے دیتی ہے تاکہ انڈے میں سے جس وقت مِنجھ روپ نکلے اس کو اپنی آخری حالت اختیار کرنے تک غذا ملتی رہے۔

ٹڈی

ٹڈی کی زندگی کے حالات بھی بے حد دلچسپ ہیں لیکن تم اس کیڑے کو ان ٹڈیوں سے نہ ملانا جو ایک وبا کی شکل میں کبھی کبھی آسمان پر چھا جاتی ہیں اور کھیت کے کھیت آن کی آن میں چٹ کر جاتی ہیں۔ ہم جن کیڑوں کا ذکر کر رہے ہیں وہ ایک قسم کے درخت کی جوئیں ہیں۔ یہ کیڑے درختوں کا رس چوس کر زندہ رہتے ہیں۔

درخت کی کسی شاخ میں ایک خفیف شگاف لگا کر مادہ اس میں انڈے دیتی ہے۔ انڈے میں سے پہلا روپ نکلتے ہی زمین پر آن پڑتا ہے۔ اور مٹی کھود کر زمین کے نیچے دب جاتا ہے اسی جگہ آس پاس کے درختوں کی جڑوں سے غذا حاصل کرتا رہتا ہے۔ ایک سردی اس پر یوں ہی گذرتی ہے۔ ایک موسم گرما بھی اُسے اُسی بل میں گذر جاتا ہے اور وہ جڑوں سے رس چوس کر بڑھتا رہتا ہے۔ دوسری سردی گذر کر جب موسم بہار شروع ہوتا ہے تو اس پر ایک قسم کی بے قراری طاری ہوتی ہے۔ اب یہ اپنے بل میں سے باہر نکلتا ہے اس حالت میں اس کی شکل عام ٹڈوں کی سی نہیں ہوتی جسم بے ڈول ہوتا ہے اور اس پر نوک دار کانٹے نظر آتے ہیں۔ اس کا رنگ مٹیالا ہوتا ہے۔ جسم بھاری اور پاؤں خم دار ہوتے ہیں۔ ڈگمگاتا ہوا کسی سیدھی شے کو اندھے کی طرح ٹٹولتا ہوا درخت پر آہستہ آہستہ چڑھنے لگتا ہے تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد رُک جاتا ہے اور اپنے مضبوط پنجے درخت کے تنے میں گاڑ کر بے حس و حرکت ٹھیر جاتا ہے۔ اب اس کے جسم میں ایک خفیف حرکت ہوتی ہے اور اس کی پیٹھ کی کھال پھٹنے لگتی ہے جس میں سے ایک گیلا اور گودے دار مادہ نکلتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ درار کھلتی جاتی ہے۔ اس میں سے ایک چوڑا اور بڑا سر نکلتا ہے جس میں دو چمکتی ہوئی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ان دو آنکھوں کے درمیان ننھی ننھی بہت سی اور آنکھیں ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں پورا سر نمودار ہوتا ہے اس کے بعد گردن اور گردن کے بعد آگے کے دو پاؤں نکل کر سہارا ڈھونڈ لیتے ہیں اور تھوڑی دیر میں پنکھ بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر ابھی اس کے اگلے پاؤں کے لئے کوئی سہارا نہیں ملتا ہے۔ تھوڑی دیر ساکن رہنے کے بعد زور لگاتا ہے اور اب کی بار اپنے خول میں سے باہر نکل آتا ہے اور آگے کی طرف بڑھتا ہے۔ تھوڑی دور پہنچ کر پھر رک جاتا ہے گویا یہ غور کرتا ہے کہ اس کی پیٹھ پر جو پنکھ ہیں اُن سے کام لینا چاہئے۔ یہ سوچتے ہی اس میں ایک طاقت پیدا ہوتی ہے اور وہ وہاں سے اُڑ جاتا ہے

ٹڈی کی زندگی کی مختلف شکلیں

یہ پڑھ کر تو تمھیں تعجب ہوا ہوگا

کر ٹڈی اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہونے سے پہلے دو سال زمین کے نیچے دبی رہتی ہے پھر اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ امریکہ میں ایک ٹڈی ہوتی ہے جو اپنی اصلی شکل اختیار کرنے سے پہلے کا زمانہ پورے سترہ سال تک زمین کے نیچے اس طرح گذارتی ہے ۱۶۳۴ء سے اب تک ان ٹڈیوں کی نسلوں کا مکمل ریکارڈ محفوظ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیڑے ہر سترھویں سال لاکھوں کی تعداد میں زمین میں سے نکلتے ہیں اور اُڑ جاتے ہیں۔ سترہ سال کی مدت میں ایک دن کا بھی فرق نہیں آتا۔ عین اس روز جب کہ یہ میعاد پوری ہوتی ہے یہ کیڑے اپنی اتم حالت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

لطیفے

ایک دوست :- اب پھر چڑھایا اور میں نے ماسٹر جی سے کہا۔ اور معلوم ہے پھر کیا ہوگا؟"

دوسرا دوست :- جی ہاں دوسرے لڑکے بھی چڑھائیں گے

ایک شخص : (مریض سے) ڈاکٹر صاحب آئے ہوئے ہیں آپ کو دیکھنے کے لئے

مریض :- کہہ دیجئے کہ میں بیمار ہوں مل نہیں سکتا۔

آقا :- (ملازم سے) یہ سائیکل میں پنکچر کیسے ہوگیا؟

ملازم :- جی، ایک کانٹا راستے میں پڑا ہوا تھا۔

آقا :- نظر نہیں آیا تھا؟ کم بخت کہیں کے!

ملازم :- جی نہیں حضور، جب تک کہ چبھ نہیں گیا۔

ایک بخیل :- کیا تم ایک آنے میں ڈاڑھی بنا سکتے ہو؟

نائی :- جی ہاں، مگر صرف ایک طرف

بخیل :- اچھا تو صرف اوپر کی طرف بنا دو۔

پیامی بھائیوں کے لئے ایک دعا

فرقی صاحب کی یہ نظم برادری کے میرٹھ کے جلسے میں پڑھی گئی (ایڈیٹر)

پیامی بھائیوں کی انجمن پھولے پھلے یارب
بُرے جو لوگ ہیں آکر بنیں یاں وہ بھلے
ہماری قوم کے بچے الٰہی ایسے بچے ہوں
کہ اپنی بات کے سچے اور اپنی دھن کے
محبت کا فرشتہ ساتھ ہو ان کے جہاں جائیں
کہ ان کے پریم سے بچھڑے ہوئے آپس میں
غریبوں کی غریبی کو مٹانا کام ہو ان کا
دکھی کو دکھ سے چھٹکارا دلانا کام ہو ا
بھاتا جس طرح ہے اُن کا ہنسنا کھیلنا سب کو
بڑے ہوں تو لبھائے ان کا جوش و ولولہ
بُرائی کو مٹانے کے لئے آگے بڑھا ان کو
بدی سے جنگ کرنے کے لئے ہمت دلا
ملیں جس سے اُسے پرچالیں خوش کردار ہوں ایسے
عدو کے دل میں بھی گھر کرلیں نیک اطوار
یہ جن کے پاس جائیں ان کو کرلیں اپنا گرویدہ
جوان کو دیکھ لے ہوجائے ان کا وال

یہ پیارے پیارے بچے دیس کے یارب بڑے ہوکر
اٹھیں "جاگو جگاؤ" کا پیام زندگی لے کر

چین کی کہانی

از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی

آٹھواں باب

طانگ خاندان

چین میں ہان خاندان کے بعد چار سو برس گڑبڑ مچی رہی۔ پھر آخری خاندان کے آخری بادشاہ کو جنرل کاؤسو نے قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ اس سے طانگ خاندان چلا اس خاندان نے کوئی تین سو برس حکومت کی اور اس میں کل ۲۰ بادشاہ گذرے۔

کاؤسو کا بیٹا طائی سنگ بہت بڑا بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے سارے ملک کو ملا کر دوبارہ ایک کر لیا۔ اور جنوب کی طرف انام اور کمبوڈیا کے ملک فتح کر کے اسے اور بڑھا لیا۔ اس کے زمانے میں شہر سی آن فو دارالسلطنت تھا۔ اب اس شہر کا نام کنتن ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شہر تمام دنیا میں سب سے خوب صورت اور شان دار شہر تھا۔ لوگ دور دور سے یہاں آیا کرتے تھے۔

طائی سنگ بادشاہ نے دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارت کو بہت ترقی دی۔ ایشیا میں عرب کے باشندے سمندر کے سفر اور دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارت کے معاملے میں سب سے آگے تھے۔ یہ لوگ اسلام شروع ہونے سے پہلے چین پہنچ گئے تھے۔ ان سے بادشاہ کو اپنی تجارت بڑھانے میں بہت ... ملی۔

طائی سنگ دوسرے مذہبوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرنے میں بہت مشہور ہے۔ پارسی مذہب کے لوگ تو یہاں پہلے ہی سے پہنچ چکے تھے۔ اسلام کے شروع ہوتے ہی یعنی رسول اکرم حضرت محمدؐ کی زندگی ہی میں مسلمان بھی یہاں پہنچ گئے۔ اس کے بعد عیسائی آئے۔ بادشاہ نے ان سب کی بڑی آؤ بھگت کی اور انھیں اپنے اپنے عبادت خانے بنانے کی بھی اجازت دی۔ چنانچہ مسلمانوں نے سنہ ۶۳۰ء میں شہر کنتن میں اپنی مسجد بنا لی۔ یہ مسجد اب تک موجود ہے اور دنیا کی بہت پرانی مسجدوں میں گنی جاتی ہے۔

طانگ خاندان کے ساتویں بادشاہ ہوانگ سنگ ہی اور عربوں سے ترکستان کے علاقے میں خوب لڑائی ہوئی اس لڑائی میں عرب جیت گئے اور انھوں نے بہت سے چینیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان قیدیوں سے عربوں نے کاغذ بنانے کا فن سیکھا۔ پھر جب عرب یورپ گئے تو یورپ والوں نے ان سے یہ کام سیکھا۔ بارود بھی چینیوں ہی کی ایجاد ہے۔ اور یورپ والوں نے ان ہی سے سیکھی تھی۔

اس کے بعد سلطنت کمزور ہونا شروع ہوئی

طانگ خاندان کے سولھویں بادشاہ ووسنگ نے اس کی وجہ یہ سمجھی کہ بودھ مذہب کی تعلیم کی وجہ سے ملک کے تمام سپاہی اور عہدے دار وغیرہ دنیا کو چھوڑ چھاڑ فقیری لے لیتے ہیں اور سلطنت کا سارا کام کاج تج کر خانقاہوں میں بیٹھے جاتے ہیں۔ اس لئے اس نے بودھ مذہب کی سخت مخالفت کی۔ ہزاروں خانقاہیں توڑ ڈالیں۔ اور مردوں اور عورتوں کو دوبارہ گھر گرہستی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔

لیکن اس سے کیا ہونا تھا۔ طانگ خاندان کے زوال کا زمانہ آگیا تھا۔ چنانچہ سنہ ۹۰۶ء میں وہ ختم ہو گیا اور اس کے بعد پچاس، ساٹھ برس تک چھوٹے چھوٹے خاندانوں نے حکومت کی۔ پھر سنگ خاندان کا دور دورہ شروع ہوا۔

طانگ خاندان کا زمانہ ترقی اور خوش حالی کے لئے بہت مشہور ہے۔ اس کی حکومت میں چین نے خوب ترقی کی اور رعایا بہت خوش و خرم رہی۔ اس زمانے میں بہت سے بڑے بڑے آدمی بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً طوفو اور لی پو دو مشہور شاعر ہوئے۔ طوفو کو تو یہ دعویٰ تھا کہ میری شاعری سے آدمی کا بخار اتر جاتا ہے طاؤ نے مشہور مصور گذرا ہے اور ہان یو مشہور فلسفی تھا۔ چین کے فلسفی کنفیوشس کا (جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں) یہ قول تھا کہ انسان فطری طور پر نیک ہے لیکن بودھ مذہب کا (جو چین میں بہت پھیل رہا تھا) یہ کہنا تھا کہ انسان فطری طور پر بد ہے۔ ہان یو نے ان دونوں باتوں کو ملا کر ایک بیچ کا راستہ نکالا۔ اس لئے اسے چین میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی

نواں باب

سنگ خاندان

پانچ چھوٹے چھوٹے خاندانوں کے بعد چین میں سنہ ۹۶۰ء میں پھر ایک بڑے خاندان کی حکومت ہوئی۔ اس نے بھی کوئی تین سو برس حکومت کی اور کل اٹھارہ بادشاہ ہوئے۔

اس خاندان کے زمانے میں چین پر تاتاریوں کے بہت حملے ہوئے۔ پہلے تو ختن کے تاتاریوں نے حملے کئے جب چین کا بادشاہ ہُن سنگ ان سے پریشان ہو گیا تو اس نے . . . . تاتاریوں کے ایک دوسرے قبیلے کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ یہ کن (سنہرے) تاتاری کہلاتے تھے۔ کن فوراً اس کی مدد کو پہنچے اور ختن کے تاتاریوں کو مار بھگایا۔ لیکن پھر خود وہ واپس نہ گئے۔ وہیں جم رہے اور ۱۱۲۷ء میں سنگ خاندان کو جنوبی چین کی طرف ہٹا دیا۔ شمال میں خود حکومت کرنے لگے۔ انھوں نے شمال میں پیکنگ نام کا ایک شہر بھی بسایا اور اسے اپنی راج دھانی بنایا۔ یہ شہر آج تک موجود ہے اور اب بھی چین کی راج دھانی ہے۔ اب گویا چین میں دو بادشاہتیں ہو گئیں۔ شمال میں کن قوم کی حکومت تھی اور جنوب میں سنگ خاندان کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ چین کسی باہر والے کا غلام بنا۔ یہ صورت ۱۲۷۹ء تک جاری رہی۔ اس کے بعد شمال و مغرب سے مغلوں کا طوفان اٹھا۔ جو کن قوم اور سنگ خاندان دونوں کو بہا لے گیا

اب سارا ملک دوسروں کا غلام ہوگیا۔ ان مغلوں کا پورا حال اگلے باب میں پڑھنا۔

سنگ خاندان کے زمانے میں چین میں دو بہت بڑے آدمی پیدا ہوئے۔ ایک کا نام وانگ نشی اور دوسرے کا تسے کیانگ تھا۔ ان کا حال لکھنے سے پہلے دو چار باتیں اور بتا دیں۔

تم نے بالشویکوں کا یا ہندوستان میں سوشلسٹوں کا نام تو سنا ہوگا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو غریبوں کا ساتھی کہتے ہیں۔ کسانوں اور مزدوروں کا مددگار بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ روپیہ سب کے پاس برابر ہونا چاہئے۔ یہ کیا کہ ایک آدمی تو لاکھوں روپے کا مالک ہو اچھا کھائے۔ اچھا پہنے۔ ریشم کے گدوں پر بیٹھے غریبوں سے کام لیا کرے۔ خود کچھ نہ کرے۔ اور اپنے روپیہ کے ذریعے عیش اڑائے اور جو محنت کر کے یہ روپیہ پیدا کریں وہی بے چارے فاقوں مریں۔ اس اونچ نیچ کو دور کرنے کے لئے زمین، جائداد، روپیہ پیسہ ہر طرح کی جنس۔ غرض دولت پیدا کرنے والی تمام چیزوں پر لوگوں کی حکومت کا قبضہ ہونا چاہئے۔ پھر حکومت سب کی ضرورت کے لائق برابر برابر سب کو روپیہ اور سامان تقسیم کر دیا کرے۔ یہ اصول ابھی بڑی لڑائی کے بعد روس کے ملک سے نکلا ہے۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ کوئی اسے نہ جانتا تھا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اب سے کوئی نو سو برس پہلے وانگ نشی نے اسے چین میں رائج کیا تھا یہ سنگ خاندان کا وزیر تھا۔ اس نے صنعت و حرفت اور کھیتی باڑی کا بہت کچھ انتظام حکومت کی نگرانی میں لے لیا تھا تاکہ غریب کسان اور مزدور بھوکے نہ مر جائیں۔ اور زمیندار اور روپیے پیسے والے انھیں پیس نہ ڈالیں۔ مزدوری کی شرح اور جنس کی قیمت حکومت کی طرف سے مقرر ہوتی تھی۔ غریبوں پر ٹیکس معاف تھے امیروں سے انکم ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ کھیتوں کا لگان بہت کم کر دیا تھا اور کسانوں کو یہ اجازت دے دی تھی کہ اگر نقد روپیے کی صورت میں لگان ادا نہ کر سکو تو کھیت کی پیداوار اور جنس کی صورت میں دے سکتے ہو بوائی کے وقت حکومت کسانوں کو روپیہ تقسیم کرتی تھی اور فصل کے وقت بغیر سود کے واپس لے لیتی تھی۔ عام طور پر بھی سود کی زیادتی کی ممانعت تھی۔ غریبوں سے بیگار لینا قطعی منع تھا۔ بوڑھوں اور اپاہجوں کو وظیفے دئے جاتے تھے تعلیم کا نئے طریقے پر انتظام کیا گیا تھا۔ بچوں کو دقیانوسی کتابوں کے بجائے زبان اور حساب کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، سیاست اور تمدن کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فوج کا بھی نیا انتظام کیا تھا۔ یعنی ہر گھر کے ایک مرد پر فوجی خدمت انجام دینا لازمی تھا

اتنی اچھی باتوں کے باوجود وانگ نشی کا انتظام کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سود کی مخالفت کی وجہ سے ساہوکار اس کے مخالف ہو گئے کسانوں کی حمایت کی وجہ سے زمیندار بگڑ گئے۔ لازمی فوجی خدمت سے رعایا ناراض ہوئی اور اوپر سے بھیج دیا قدرت نے قحط۔ بس رعایا کی بھلائی کے سلسلے میں خرچ تو بہت ہوگیا اور آمدنی تھوڑی رہ گئی۔ اس لئے بادشاہ بھی وانگ نشی سے ناراض ہوگیا۔ اور اس کی جگہ تسے کیانگ کو وزیر مقرر کر دیا۔ یہ شخص پرانی لکیر کا فقیر تھا۔ اور وانگ نشی کی باتوں کا سخت مخالف۔ اس لئے وانگ نشی کے سب کئے دھرے

پر پانی پھر گیا۔ لیکن زرے کیانگ بھی تھا بہت بڑا عالم اس کی لکھی ہوئی چین کی تاریخ بہت اچھی مانی جاتی ہے اور ملک کے انتظام کے معاملے میں بھی اس کا درجہ بہت بلند تھا۔ اس نے حکومت کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن تاتاریوں نے چین نہ لینے دیا۔

خط کتابت

جولائی کے پیامِ تعلیم میں میرا خط دیکھ کر بہت سے پیامیوں نے سگرٹ کارڈ منگائے ہیں۔ میں کالج میں چھٹیاں ہو جانے کی وجہ سے لدھیانے سے جا رہا ہوں۔ کچھ عرصے تک ادھر ادھر کا سفر کر کے شملے پہنچوں گا۔ اور وہاں پہنچ کر ان سب بھائیوں کو یہ کارڈ بھیج دوں گا۔ یہ کارڈ شملے ہی میں ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ پیامی اتنے انتظار سے خفا نہ ہوں گے۔ گوردیال چند شرما

میرے پاس بہت سے ملکوں کے ٹکٹ ہیں اور میں اُن کو ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے ٹکٹوں کو بدلنا چاہتا ہوں جو بہن یا بھائی مجھ سے بدلنا چاہیں وہ اس پتے پر خط کتابت کریں

یوسف بشیر الدین احمد

معرفت جناب قاضی نجم الدین احمد صاحب۔ اندرکوٹ۔ میرٹھ

میرے پاس حیدرآباد۔ جے پور۔ بھوپال، افغانستان سیام، جاپان، برما، انگلستان، جرمنی، فرانس، آئرلینڈ اٹلی، بلجیم، ہنگری، زیکوسلاویکیا، رومانیا، امریکہ، برازیل کناڈا، آسٹریا۔ کینیا یوگنڈا۔ جنوبی افریقہ، مصر، زنجبار وغیرہ ممالک کے ٹکٹ ہیں۔ ان کے بدلے میں شام فلسطین ہسپانیہ، عدن، نائجیریا، چلی، گولڈکوسٹ، کیوبا، نئی دہلی سلورجوبلی، کورونیشن، ناروے، روس، ڈنمارک، نیوزی لینڈ ٹراونکور وغیرہ کے ٹکٹ لے سکتا ہوں۔

سعد الخیری۔ دفتر عصمت۔ کوچہ چیلان دہلی

مرزا بشیر احمد صاحب حیدرآباد اور محمد اسمٰعیل صاحب سگریٹ کورلیس کو نیا دے میں اُن کے مطلوبہ ٹکٹ مل گئے ہوں گے محمد سعید صاحب حیدرآباد نے صرف ۸ ٹکٹ ہمارے کے لئے بھیجے ہیں۔ اگر وہ اس سے زیادہ تعداد میں ٹکٹ روانہ فرمائیں تو اُن کے مطلوبہ ٹکٹ بھیج دئے جائیں گے

مجھے امریکہ، انگلینڈ اور فرانس کے ٹکٹوں کے بدلے میں حیدرآباد بھوپال، جے پور، ٹراونکور، اندور اور کوچین کے ٹکٹ درکار ہیں۔ پیامی بھائی پچاس سے دو سو ٹکٹوں تک تبادلے کے لئے میرے پاس بھیج سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے نٹال، آسٹریلیا کے نئے ٹکٹ، نیوگنی، یمن، مسقط، ترکی فلسطین، بلغاریہ مالٹا، فجی، تسمانیہ، وکٹوریہ، جزائر انڈمان، برما کے نئے ٹکٹ الجیریا، آئیوری کوسٹ، برٹش سالی لینڈ، تھیلین شمالی افریقہ ٹرانسوال، نیوزی لینڈ، چلی اور ایکویڈر کے ٹکٹوں کی ضرورت ان کے بدلے میں، میں افریقہ، آسٹریا، پرتگال، انڈیا، انگلینڈ، ڈنمارک، بلجیم، جاپان۔ افغانستان، امریکہ کے اچھے اور خوبصورت ٹکٹ، کنیڈا اور ہندوستان کے بڑے قیمتوں والے ٹکٹ دے گا پتہ مبارک الدین معرفت ہمدرد لوبٹ ہاؤس، شو مارکیٹ۔ آگ

مشغلے اور پیامی

ابرار الرحمٰن قدوائی

(۲)

ضیا۔ ٹھہرو نا... کہاں جاتے ہو بھئی .. کیا خفا ہو گئے۔

حامد۔ (غصے سے منہ پھیر لیتا ہی) کہیں نہیں ...

رشید۔ (ہنس کر) واللہ کیا بات کہی ہے۔ یعنی جا بھی رہے ہیں اور فرماتے ہیں "کہیں نہیں"

حامد۔ (غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہی اور آہستہ آہستہ بڑھ کر ضیا کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہتا ہے) دیکھو بھئی میں ناراض نہیں ہوں۔ لیکن ..... تم لوگوں کے فضول مذاق سے خواہ مخواہ غصہ آجاتا ہے۔

رشید جناب ....! غصہ اپنے ہی پاس رکھئے ورنہ جانتے ہیں کیا ہوگا؟

محمود (نعیم کے ایک زور کا تھپیڑ رسید کرتا ہے اور کہتا ہے) یہ ہوگا۔ ....؛

(نعیم کی تیوری پر بل آجاتے ہیں اور سب ہنسنے لگتے ہیں ... بات ٹل جاتی ہے۔)

حامد کیوں بھئی ضیا... ؟ جون کا پیامِ تعلیم آیا؟

ضیا۔ ہاں، ہاں ..... (یاد کر کے کمرے کے باہر چلا جاتا ہی اور پیامِ تعلیم لئے خوش خوش واپس آتا ہی۔)

حامد۔ کوئی خاص بات ...؟

ضیا۔ نہیں تو تم ہی بتاؤ..... ابھی میں نے ٹھیک سے نہیں پڑھا۔

حامد۔ اب میں نہ بتاؤں گا۔ تم ہی غور کرو۔ اتنی نمایاں تبدیلی اور پھر آپ نے نہیں دیکھی!

ضیا۔ اچھا ٹھہرو..... میں دیکھ کر بتاتا ہوں ابھی
(سب دوست ضیا کے شانوں پر جھکے ہیں اور حامد ایک کرسی پر لیٹا ہوا مسکرا رہا ہی۔)

ضیا۔ ہاں، ہاں .. جان گیا جان گیا نظموں کو حاشیے میں کر دیا ہے۔ اور اس کے اندر تصویریں

حامد نہیں نہیں یہ تو پچھلے تاسیس نمبروں میں بھی تھا۔ کوئی اور اہم تبدیلی؟

(ضیا اگلے ورق پلٹنے لگتا ہے اور ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے۔)

رشید ٹکٹوں کی خبریں نہیں ہیں۔)

حامد نہیں۔

(ضیا اور ورق پلٹتا ہے۔)

ضیا اچھا اب جان گیا۔

حامد۔ بتاؤ؟

ضیا۔ آپا جان نے خطوں کے جواب نہیں لکھے۔

حامد یقیناً تم سب ہی اندھے ہو۔

ضیا، رشید تو حامد تم ہی بتاؤ۔ ہم ہار مانتے ہیں

حامد۔ بھئی دیکھو۔ سب سے اہم تبدیلی یہ ہے کہ پیامِ تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پہلا حصہ چھوٹوں کے لئے اور دوسرا حصہ بڑوں کے لئے۔ اب تفصیلات تم جانو۔؟

سب خوب بھئی خوب!

نعیم مگر یہ تم نے کیسے جانا....؟ لکھا بھی تو نہیں ہے کہیں؟

حامد اسی سے کہا تھا کہ اندھے ہو تم لوگ!

(سب ہنسنے لگتے ہیں)

محمود یار ضیا... ذرا ہمیں بھی تو "پیامِ تعلیم" ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ پھر دے دیں گے۔

ضیا۔ (تعجب سے) ارے......؟ آپ کو (مذاق میں) مینڈکی را زکام پیدا شد۔؟ کبھی اور بھی دیکھا ہے پیامِ تعلیم....؟

محمود۔ بھئی مذاق چھوڑ دو..... ذرا ہمیں دے دو..... تو ہم بھی پڑھ لیں۔ کوئی کھا تھوڑی لیں گے؟

نعیم کھانا تو درکنار آپ تو اس کا کچھ مزہ کمال لیں گے کتابی کیڑے تو مشہور رہی ہیں۔

محمود (خوشامدانہ لہجے میں) دے دو نا یار؟

ضیا۔ (زور سے چیخ کر) خاموش.......

محمود۔ اگر نہیں دیتے تو ذرا زور زور سے پڑھو تاکہ سب سنیں۔

رشید ہاں میں اس تجویز کی تائید کرتا ہوں۔

ضیا بھئی دیکھو.... شاید تم سب نے بلی اور چوہوں والا قصہ تو ضرور پڑھا یا سنا ہوگا گھنٹی باندھنے کی سوچی تھی.... کسی نے کہا میں دم پکڑوں گا۔ کسی نے کہا میں پیر۔ مگر جب منہ پکڑنے کو پوچھا گیا تو سب نے کانوں پر انگلیاں دھریں۔ سمجھے....؟ وہی قصہ یہاں بھی ہے۔ سنیں گے تو سب مگر پڑھے گا کون......؟

(کچھ دیر خاموشی کے بعد)

محمود لاؤ...... اچھا میں ہی پڑھوں گا۔

ضیا یہ کہئے کہ زور زور سے پڑھوں گا۔

محمود ہاں۔

ضیا۔ اچھا تو پھر۔ بسم اللہ۔

(محمود پیامِ تعلیم پڑھنا شروع کرتا ہے اور سب غور سے سن رہے ہیں محمود نے سب سے پہلے ڈاکٹر انصاری والا مضمون کھولا)

نعیم۔ واہ۔! پہلے "پیام برادری" کے حالات پڑھو

ضیا۔ ہاں ٹھیک ہے۔

محمود (پڑھنا شروع کرتا ہے اور تقریباً تمام مضامین پڑھ ڈالتا ہے آخر میں سب کو مخاطب کر کے پوچھتا

ہے) کیوں جناب! کون سا مضمون کس کس کو پسند یا ناپسند ہے۔؟

ضیا۔ جناب دیکھئے چھوٹے بچوں تک کے حصے میں مجھے "آئینہ" پسند ہے۔

محمود۔ مجھے نیر صاحب کی نظم بہت اچھی لگی۔

نعیم اور مجھے ناشر صاحب والی تصویر۔

(سب ہنسنے لگتے ہیں)

رشید بھئی دیکھو۔ اگر سچ سچ پوچھو تو مجھے سوائے "چین کی کہانی" کے اور سب مضامین پسند ہیں پھر ان تمام میں "آئینہ" زیادہ اچھا لگا۔ دلچسپ بھی ہے۔

محمود (حامد سے) کیوں حضرت؟ آپ بھی کچھ فرمائیے

حامد مجھے تو کوئی مضمون وضموں پسند نہیں خط کتابت پسند ہے۔

نعیم تو آپ کسی "بڑے صاحب" کے پرائیویٹ سکرٹری بن جائیے

(سب ہنستے ہیں)

ضیا - اور ہاں محمود میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں

محمود وہ کون سی بات ہے۔

ضیا - بھئی میرے پاس ایک ٹکٹ میرے ایک دوست نے مبادلے کے لئے بھیجا ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کہاں کا ٹکٹ ہے؟ ذرا بتا دوگے؟

محمود۔ ہاں ضرور..... لاؤ۔ دیکھوں۔

حامد۔ (ایک ٹھنڈی سانس لے کر) یہ لیجئے آپ پر بھی یہ خبط سوار ہوا۔ خدا خیر کرے

محمود کیوں؟

حامد۔ کچھ نہیں... میں نے یوں ہی کہا

محمود آخر کوئی مطلب ہوگا ضرور؟

حامد میں ایسی باتیں کہا کرتا ہوں جن کا کوئی مطلب ہی نہیں ہوتا۔

محمود تو میرے خیال میں ایسی مہمل باتوں سے کوئی نتیجہ نہیں۔

حامد دریں چہ شک (اس میں کیا شک)

محمود بس تو پھر....؟

حامد خیر جو کچھ بھی ہو۔ میں بحث وحث نہیں کرتا۔ ختم کرو اس قصے کو

(ضیا آجاتا ہے)

ضیا - (محمود سے) لو یہ دیکھو۔ نہ معلوم کہاں کا ہے۔؟

محمود یہ......؟ یہ تو ساؤتھ افریقہ کا ہے اتنا بھی آپ نہیں جانتے۔؟

(دونوں مسکرانے لگتے ہیں)

رشید (گھڑی دیکھ کر) بھئی دیکھو۔ اب خاصی دیر ہوگئی ہے۔ چلنا چاہئے۔

نعیم ہاں۔ لیکن کل دن بھر کیا ہوگا۔؟

محمود کل میرے خیال سے "اکسکرشن" بہتر ہوگا

نعیم (خوشی سے بیتاب ہوکر) واللہ کیا بات کہی ہے؟

ضیا مگر چلا کہاں جائے؟

(باقی آئندہ)

لڑکیوں کے لئے

سگھڑ بیٹی

خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی

(۲)

کچھ دن کے بعد سوداگر بچی نے لکڑہارے کی بیوی سے کہا "دیکھنا اماں! ابا جو پیسے لاتے ہیں اگر تمھاری خوشی ہو تو ایک دن میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں روٹی ٹکڑے کا انتظام کر لوں گی۔" لکڑہارے کی بیوی پہلے تو بہت بل لائی بولی "بوا تجھے اختیار ہے جو چاہے سو کر گھر بار کی مالک بن بیٹھ کوٹھری کٹھرے پر بھی اپنا قبضہ جمالے" سوداگر بچی نے چکنی چپڑی باتیں بنا ذرا غصے کو دھیما کیا اور کہا "جو قرینے سے کام ہو تو تھوڑے سے پیسوں میں بھی بڑی خیر و برکت ہو سکتی ہے۔" اس پر لکڑہارے کی بیوی پھر بگڑ گئی اور بولی "بڑی آئی ہمارے آگے سلیقہ قرینہ جتلانے والی وہ ہوتا ہی کیا ہے، جس میں خیر و برکت ہو مسا کر کے دو آنے کے پیسے! انھیں اوڑھ لو چاہے بچھالو اور جو تیرے جی میں ایسی ہی ہے تو آج پیسے تو لے لیجو ہم بھی تو دیکھیں تو کون سے پلاؤ زرعفر پکائے گی" جب شام کو لکڑہارا آیا تو خلافِ معمول بیوی نے میاں سے پیسے لے لئے اور کہا "آج آپ کی منہ بولی بیٹی سلیقہ دکھائیں گی" پیسے لے سوداگر بچی کے ہاتھ دھرے اور کہا "لو بی مبارک ہو اب تو کمائی بھی تمھارے ہاتھ میں آنے لگی۔" سوداگر بچی نے پیسے تو لے لئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ ابا کے پاس آئی اور دو آنے دے کر بولی "ابا ہیں چار پیسے کے گیہوں لا دو، ایک کا ایندھن اور دیکھنا ایک پیسے میں نمک لہسن اور مرچ لیتے آنا۔" بڈھا پیسے لے بازار چلا گیا اور جو کچھ بیٹی نے بتایا تھا لاکر حوالے کیا۔ اتنے میں سوداگر بچی نے توا مانجھ سونجھ تیار کر رکھا تھا۔ گیہوں لے پڑوس میں چلی گئی اور بولی "بوا ہمسائی ہم تمھاری چکی میں دو مٹھی اناج پیس لیں۔" پڑوسن نے کہا "بیٹی آنکھوں سے چکی ہے کس کام کی۔" اس غریب نے چکی کو کب ہاتھ لگایا تھا جتا بھی ڈھنگ سر سے پکڑنا نہ آیا۔ دو ہاتھ گھمائے تھے کہ ہاتھ شل ہو گئے۔ مصیبت کی ماری دکھیاری ہاتھوں کو دباتی جاتی ہے اور آٹا پیستی جاتی ہے پڑوسن نے جو یہ حال دیکھا بیٹی سے بولی "اے بیٹھے بیٹھے کیا بڑھ رہی ہے جا ذرا ہاتھ لگوا دے" خدا خدا کر کے آٹا پیس گھر لے کر آئی۔ کونڈا دیکھا تو کنارہ ٹوٹا ایک کونے میں پڑا جھک مار رہا تھا دھو دھا آٹا گوندھ چولھے میں آگ سلگا توا چڑھا دیا اتنے توا ہوتا رہا اس نے دو جوے لہسن کے لے ذرا سا نمک مرچ ڈال چٹنی پیس تیار کر لی۔ گھر کا گندھا ہوا آٹا پھر لوہے کی ہی ہمن ایسی

ستہ برکت ہوئی کہ اچھی خاصی ڈلیا بھر گئی۔ مٹی کی طشتری میں چٹنی اٹھا، روٹی لے جا سب کے سامنے رکھ دی۔ بسم اللہ کر سب نے ایک جگہ بیٹھ بڑی تیزداری سے کھانا شروع کیا اللہ کی قدرت ساتھ بیٹھ کر کھانے کی برکت سب کے پیٹ بھی بھر گئے اور دو روٹیاں بچ بھی رہیں۔ ٹھنڈا پانی پی اللہ کا شکر کر سب چین سے سو گئے۔ صبح اُٹھ رات کی جو دو روٹیاں بچ رہی تھیں اُن میں سے ایک چٹنی رکھ ابا کے ساتھ باندھ دی کہ جب بھوک لگے کھا لینا اور ایک میں سے ٹکڑا ٹکڑا بچوں کو بانٹ دیا۔ بڑھے لکڑہارے کو مدتیں گذر گئی تھیں کہ ایک وقت کھانا نصیب ہوتا تھا۔ آج رات بھی پیٹ بھر کر ملی اور صبح بھی ناشتے کو ٹکڑا مل گیا۔ ہاتھ پیروں میں جان تھی لکڑیاں بھی روز سے زیادہ توڑی گئیں اور دو آنے کی جگہ ڈھائی آنے کی بکیں اب یہ دستور ہو گیا کہ ایک تو پیٹ بھر کر دو ایک وقت ٹکڑا ٹکڑا سب کو ملنے لگا اور چار پیسے مٹی کے بچے بھی ڈالی گئی۔ مہینے دو مہینے میں سوداگر بچی نے خاصا روپیہ، ڈیڑھ روپیہ جوڑ لیا ایک دن لکڑہارے کی بیوی سے بولی۔ "بھائی خاصا سیانا ہے دن بھر گلیوں میں ڈنڈے بجاتا پھرتا ہے جو یہ خوانچہ لگا لے تو کیا برا ہے کچھ نہ کچھ تو ملے ہی گا" پہلے تو وہ بہت تر بتر ہوئی بولی بوا ابھی اس کی بساط ہی کیا ہے۔ بہت سے بہت ہوگا نو برس کا ہوگا ابھی اس کے کھانے کھیلنے کے دن ہیں۔ نوج دور پار میں تو کدی دکھی، بھی اپنے لال کو تو اکی دتیا ہی، میں نہیں ڈالوں گی۔ نگوڑی ٹٹا دھوپ میں گلیوں میں خوانچہ لئے پھرے گا تیرے آگے اس اولاد ہوتی تو جانتی یہ سوداگر بچی نے جواب دیا۔ تمہاری خوشی میں تو اسی کے بھلے کو کہتی تھی۔ چھٹڑے لگائے پھرتا ہے۔ دو پیسے پیدا کر لاتا تو اس کا ایک جوڑا ہی بنا دیتی، ہوتے ہوتے یہ بات لڑکے کے کان میں بھی پڑی وہ اڑ گیا کہ میں تو خوانچہ لگاؤں پر لگاؤں نیا جوڑا بنے گا۔ سوداگر بچی نے ایک روپیہ لکڑہارے کو دیا اور کہا ابا اس میں سوئی بچک، انگشتانہ، سرمہ، مسی لادو اب ایک کی جگہ گھر میں دو کمانے والے ہو گئے۔ پیسہ قرینے سے خرچ ہوا اللہ نے برکت دی۔ دیکھتے دیکھتے گھر کی صورت بدل گئی۔ لکڑہارے نے شہر میں دکان کر لی۔ رفتہ رفتہ مال بکا ایمانداری سے کام کیا۔ دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی چلی گئی۔ اس کو نہ بڑھاپے دیر لگے نہ گھٹاتے۔ اس کے آنے میں کچھ کمی نہیں۔ دو سال کے ہیر پھیر میں لکڑہارے کا شمار شہر کے بڑے بڑے سوداگروں میں ہونے لگا۔

یہاں کی تو یہاں چھوڑو، اب سوداگر بچے کا ذکر سنو۔ بیوی کو جنگل میں چھوڑ گھر پہنچے نوکر چاکر، بنئیں اور دوغہ بیگم کا گھوڑا خالی دیکھ گھبرا گئے۔ پوچھا گچھا تو سارا حال معلوم ہوا۔ سوداگر بچی کی تلاش میں سوار، پیادے چار طرف دوڑ گئے ادھر اس نے یہ ہشیاری کی کہ انگلی کاٹ دوپٹے پر خون کے چھینٹے ڈال ایک جھاڑی میں اٹکا دیا۔ جو لوگ تلاش کو آئے تھے دوپٹہ پہچان گئے اور دل میں جان گئے کہ سوداگر بچی بے یار و مددگار کسی جنگلی جانور کا شکار ہو گئی کچھ دن تو سوداگر بچے نے یوں ہی گذارے۔ پھر تم جانو جوان جہان پیسہ پاس بن بیوی کے دن رہتا۔ کٹنی، مشاطاؤں نے گھر گھیر لیا۔ نت نئے پیام لانے لگیں۔ رنڈوا تو لاکھ بیٹھے یہ رانڈیں بھی بیٹھنے دیں۔ آخر سوداگر بچے نے ایک جگہ بات پکی کر لی دونوں طرف انتظام ہو گیا۔ نئی دلہن گھر

میں آئیں یہ مقدر سے پھوڑ نکلیں۔ گھر اُجڑ گیا کاروبار بگڑ گیا۔ آناً فاناً میں لاکھ کا گھر خاک ہوگیا۔ مطلبی آشنا شروہ چٹ نوالہ حاضر آنکھیں بچا گئے۔ بیوی اپنے باپ کے گھر جا بیٹھی۔ سوداگر بچے کے محل دو محلے سب بک گئے۔ ایک کرائے کی کوٹھری میں جا پڑا وہ وہ وقت کے فاقے گذرنے لگے۔ تن پر چیتھڑے پیٹ کرے لگا ہوا۔ پہلی بیوی کا خیال کرکے آٹھ آٹھ آنسو روتا تھا۔ پر اب پچھتائے کیا ہووے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ سوداگر بچے کا یہ حال تھا اور لکڑہارے کے گھر میں روپے کی سوتیں کھلی تھیں۔ سوداگر بچی نے ہو بہو ویسا ہی گھر بنوایا جیسا اس کے میاں کا گھر تھا اور کونا کونا اسی طرح سجایا۔ جب سب کام تیار ہوگیا تو ایک دن لکڑہارے سے کہا ابا تم جانتے ہو شہر میں ایک لکھی سوداگر ہوا کرتا تھا اب اس کا کیا حال ہے۔ بڈھے نے سارا قصہ کہہ سنایا اور کہا ایک کرایے کی کوٹھری میں پڑا ہے۔ کہا جاؤ اور شام کو ساتھ لے کر آنا۔ سوداگر بچے کی مدتوں سے کسی نے بات بھی نہ پوچھی تھی۔ وہ وقت کا مارا فاقے گذر چکا تھا دعوت کا پیغام غنیمت سمجھا سن کر ساتھ ہولیا۔ اب جو آنکھ اٹھا کر ڈیوڑھی کو دیکھتا ہے تو بالکل ویسی جیسی کبھی اس کے گھر کی ڈیوڑھی تھی اندر سو گھر کو دیکھا تو عین مین ویسا ہی جیسا کبھی اس کا گھر تھا۔ فرش فروش آرائش سجاوٹ سب ہو بہو اپنے گھر کی نظر پڑی۔ اپنا اچھا زمانہ آنکھوں کے آگے پھر گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بڑی مشکل سے ضبط کیا۔ جب کھانا سامنے آیا تو سلیقے اور قرینے کو دیکھ پہلی بیوی یاد آگئی۔ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ سوداگر بچی جو پردے کے پیچھے سے یہ سب تماشا دیکھ رہی تھی نہ رہ سکی اور باہر نکل آئی۔ سوداگر بچے کو غش آگیا۔ لخلخہ سنگھایا۔ گلاب چھڑکا جب ہوش میں آیا تو بیوی نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس نے پیر پکڑ لئے۔ معافی چاہی۔ دونوں ہنسی خوشی رہنے بسنے لگے۔ جیسے خدا نے ان کے دن پھیرے۔ کہتے سنتوں کے پھیرے ÷

معلومات

(۱) برلن میں اشتہار دینے کا عجیب وغریب طریقہ ہے۔ یہ اشتہار ہوائی جہاز کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ ہوائی جہاز جب کافی بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو قلابازیاں کھانے لگتا ہے اور دم کی طرف سے دھوئیں کی باریک دھار نکلتی رہتی ہے۔ قلابازیوں کی گردش سے حروف بنتے ہیں۔ یہ حروف چند منٹ تک رہتے ہیں پھر غائب ہوجاتے ہیں۔

(۲) یورپ اور امریکہ کی ریلوں میں مسافروں کے لئے نہانے اور تیرنے کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ غسل خانوں میں باریک کاغذ کے تولئے اور صابن ہوتے ہیں۔ ایک مسافر انھیں ایک ہی دفعہ استعمال کرسکتا ہے۔ صابن تیل کی طرح کا بہنے والا یا سیال ہوتا ہے۔ شیشے کا ایک گولا ایک طرف اس طرح لگا ہوا ہوتا ہے کہ اس کو چکر دینے سے ایک وقت میں ایک قطرہ ٹپکتا ہے۔

(۳) امریکہ کی گاڑیوں میں بڑے بڑے حوض ہوتے ہیں ان کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی بھی کافی ہوتی ہے۔ دو تین آدمی اچھی طرح تیر سکتے ہیں۔ حال ہی میں ایک خبر آئی ہے کہ ایک شخص اسی قسم کے ایک حوض میں ڈوب گیا۔

محمد عبدالرشید۔ ہنمکنڈہ۔ ورنگل

صبح کا سویرا

مولانا محوی صدیقی، لکھنوی - اردو لکچرر مدراس یونیورسٹی

(بچی سے اس کی ماں کہتی ہے:)

صبح ہوئی، لو اُٹھو بچی
نیند ابھی تک کیوں ہے کچی

رات گئی، وہ سورج نکلا
وہ پھیلا گھر بھر میں اُجالا

اٹھو اٹھو، منہ دھو ڈالو
سستی ہو تو جا کے نہالو

آپا جاگیں، بھیّا جاگے
اُٹھتے ہی بستر سے بھاگے

ابّا اُٹھے، خالہ اُٹھیں
اور نمازیں سب نے پڑھ لیں

جاگ اُٹھا ہی گھر بھر سارا
یہ کیسا سونا ہے تمھارا

صبح کا منظر کیسا اچھا
کیسا پیارا کیسا سُہانا

اُٹھ بیٹھو انگڑائی لے کر اور لپیٹو اپنا بستر

بات یہی ہے سب سی اچھی اپنے کام کرو تم خود ہی

جلدی ناشتہ کرلو آکر پھر پڑھ آؤ جھٹ پٹ جاکر

آج نیا لینا ہے سبق پھر جلدی اُلٹے تاکہ ورق پھر

دیکھو وقت نہ اپنا کھونا لکھنا، پڑھنا، سینا، پرونا

ادب، تمیز اور ہنر سلیقہ سیکھو گھر میں بیٹی رفیقہ!

سیکھ لو جلدی کھانا پکانا اپنی ماں کا ہاتھ بٹانا

سب یہ کہیں گے واہ ری لڑکی تو ہے کتنی اچھی بیٹی

کتنا پیارا کام ہے تیرا

دنیا بھر میں نام ہے تیرا

انعامی مقابلہ

پیوند

محررہ درۃ البیضا بیگم، ہیڈ مسٹریس مسلم گرلز اسکول۔ پانی پت

بہن درۃ البیضا بیگم نے لڑکیوں کے لئے انعامی مقابلے کی ایک نئی تجویز پیش کی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ ہر مہینے سلائی کے متعلق ایک مضمون لکھا جائے۔ اس میں کچھ ہدایتیں درج ہوں۔ ان ہدایتوں کے مطابق بچیاں کام کرکے بھیجیں جس کا کام سب سے اچھا ہوگا اسے انعام دیا جائے گا۔ کام کو جانچنے کا ذمہ بھی اُن ہی نے لیا ہے۔ ہمیں اُن کی یہ تجویز دل سے پسند ہے۔ اور اس بارے میں اُن کی رہنمائی اور امداد کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

یہ سلسلہ اسی مہینے سے شروع کیا جاتا ہے۔ بچیاں نیچے کا مضمون پڑھیں اور اس کی ہدایتوں کے مطابق چار انچ مربع کپڑے پر دو انچ کا پیوند لگاکر بھیج دیں۔ جس کا پیوند سب سے اچھا ہوگا اسے انعام دیا جائے گا۔ پیوند رسالہ ملنے کے پانچ دن بعد ڈاک میں ڈال دیا جائے۔ (ایڈیٹر)

آج جمعہ ہے۔ مدرسے میں چھٹی ہے۔ سب لڑکیاں گھر پر ہوں گی۔ آؤ سعیدہ کے پاس چلیں دیکھیں کیا کر رہی ہیں۔

"سعیدہ بیگم آداب عرض کہئے آج کیا مصروفیت ہے؟" سعیدہ "اس وقت تو ہماری دھوبن کپڑے لائی ہے۔ کپڑوں کی پڑتال کر رہی ہوں" "بھئی سعیدہ! تمہاری دھوبن تو بڑے اچھے کپڑے دھوتی ہے۔ دیکھو تو کس قدر صاف ہیں اور استری کیسی نفیس کی ہے۔ دیکھنا یہ دوپٹا کیسا چمک رہا ہے۔ شاید نیا ہے۔ لاؤ اس کو کھول کر دیکھیں۔ اندر بھی استری ہے یا اوپر ہی نمائش کے لئے کر دی گئی ہے۔ ارے ہے سعیدہ! دیکھنا اس کو چوہے نے کتر ڈالا ہے" سعیدہ بہت کھسیانی ہوئی اور بولی "میرا نیا دوپٹا جو میں نے اتنی محنت سے کاڑھا تھا برباد ہوگیا" ہم نے کہا "سعیدہ بات تو بہت بری ہوئی کہ تمہارا دوپٹا خراب ہوگیا۔ مگر بھئی چیز تو دوبارا جڑ نہیں سکتی۔ البتہ مرمت اس کی ضرور ہوسکتی ہے" سعیدہ بولی "بھلا اب اس کی کیا مرمت ہوگی؟ اور پھر مرمت کے بعد یہ دوپٹہ کس کام کا رہے گا؟" میں نے جواب دیا "سعیدہ! پیوند کا کپڑا پہننا کوئی عیب ہے؟ تم نے سنا نہیں۔ بیوی فاطمہؓ کی چادر میں کتنے پیوند تھے۔ رہی یہ بات کہ

کہ تم کو پیوند لگانا نہ آتا ہو سو اس کی ترکیب ہم تم کو بتلائے دیتے ہیں ۔ اس وقت تو تمھارا دوپٹا ہی مرمت طلب ہے مگر گھر میں اکثر کپڑوں میں پیوند لگانے کی ضرورت ہوتی رہتی ہے ۔ اور یہ نہایت ضروری کام ہے جو ہر ایک لڑکی کو آنا چاہیئے۔ اور لڑکے بھی سیکھ لیں تو بُرا نہیں ۔

پیوند لگانے کا قاعدہ یہ ہے کہ کپڑے کا جس قدر حصہ مرمت طلب ہو اس سے لمبائی اور چوڑائی دونوں میں پون انچ زیادہ ٹکڑا پیوند کے واسطے لو۔ پیوند چوکور ہو یا گول۔ مگر چوکو۔ زیادہ مناسب ہے۔ پیوند کا کپڑا حتی الامکان بالکل ویسا ہی ہو جیسا کہ مرمت طلب کپڑا۔ اگر کپڑا مضبوط ہو تو پیوند بھی مضبوط ہو۔ اگر کپڑا پرانا ہو تو پیوند بھی پرانا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو اول تو پیوند بدنما معلوم ہوگا ۔ دوسرے وہ کپڑے کا ساتھ نہ دے گا۔

اس بات کا بھی خیال رہے کہ اگر کپڑا دھاری دار ہے تو پیوند کی دھاری کپڑے کی دھاری سے ضرور مل جائے، پیوند پھاڑ چکو تو اس کو پھٹے ہوئے مقام پر رکھ کر کچا کر لو تو یہ خیال رہے کہ پیوند پھٹے ہوئے حصے کے چاروں طرف یکساں ہو اور بالکل سیدھا ہو۔ کچا کرنے کے بعد اس کے کنارے اندر موڑ کر چاروں طرف سے باریک باریک ترپ لو اس کے بعد پھٹے ہوئے کپڑے کا پیوند کے اندر کا حصہ اس قدر پھاڑ کر علیحدہ کر دو کہ باقی حصہ طول اور عرض دونوں میں پیوند سے آدھا انچ کم ہو۔ اب اس کے کنارے موڑ کر پیوند پر باریک باریک ترپ لو۔

لو دیکھو سعیدہ تم اس طریقے سے پیوند لگاؤ تمھارا نیا کڑھا ہوا دوپٹہ بیکار ہونے سے بچ جائے گا نقشے میں ا ب ج د پیوند ہے اور س ش ت ق وہ حصہ ہے جو پھاڑ دیا گیا ہے۔

سوی نگر کا ایک پل
(تعریف کے قابل) (پرتھوی راج سہال کوٹ)

(پہلا انعام) عکس (اے کنناہ یکیشن)

سرائے آثار
(تعریف کے قابل) (معین الدین احمد انصاری حیدرآباد دکن)

(تعریف کے قابل) دھول (اقبال احمد حیدرآباد سندھ)

پیام برادری کے چند ممبر

نبی احمد سعید راول پنڈی

معین الدین احمد انصاری حیدرآباد دکن

(۱) وقار احمد صاحب صدر پیام برادری میرٹھ
(۲) محمد معین صاحب توقیر سکریٹری پیام برادری

گوردیال چند شرما لدھیانہ

پیام برادری

عزیز بچو اور بچیو۔ آپا جان کی صحت کے بارے میں اب زیادہ فکر کی ضرورت نہیں وہ اچھی ہو رہی ہیں اور تمہاری اس محبت اور خلوص کا بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہیں۔

تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ تمہاری برادری دن پر دن ترقی کر رہی ہے۔ گلبرگہ میں شاخ قائم ہونے کی خبر تمہیں پچھلے پرچے سے معلوم ہو چکی ہوگی۔ اب کانپور میں بھی جناب مختار احمد خاں صاحب کی کوششوں سے شاخ قائم ہو گئی ہے۔ سی پی میں عزیزی محمد ابراہیم خاں کوشش کر رہے ہیں شاید آج ہی کل میں وہاں سے بھی یہ خوش خبری آ جائے۔ لاہور میں عزیزی محمد اقبال تغلق نے پیام برادری کے ... ی کلب پیام برادری کرکٹ کلب ٹورنگ کلب (Touring) اور کبڈی کلب کے نام سے قائم کر دئے ہیں۔ یہ کلب بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ اور پیامیوں میں ان کی بدولت خاص سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ تاہم ابھی کام بہت باقی ہے۔ برادری کی شاخیں ابھی آٹھ دس شہروں میں قائم ہوئی ہیں اور ہمی ہندوستان تو بہت بڑا ملک ہے اور تمہارا پیام تعلیم ابھی ہندوستان کے ہر حصے میں پہنچنے لگا ہے۔ تو کیا پیام تعلیم پڑھنے والے اپنی برادری کو بڑھانے کے لئے تھوڑی سی محنت نہ کریں گے۔ اسی پرچے میں بہن سلطانہ بیگم کا خط چھپ رہا ہے۔ اُسے پڑھ کر تمہیں اندازہ ہوگا کہ یہ کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں ہے جو تم نہ کر سکو۔ بس جی میں ٹھان لینے کی بات ہے۔

پیام برادری کے لئے ابھی کوئی نعرہ مقرر نہ ہوا تھا۔ نہ کوئی جھنڈا تھا۔ میرٹھ کے پیامیوں سے مشورے کے بعد یہ طے ہوا کہ برادری کا نعرہ "جاگو اور جگاؤ" رکھا جائے۔ جھنڈے پر بھی جاگو اور جگاؤ کی شکل ہو۔ پیام برادری کے سب جلسوں میں جاگو اور جگاؤ کا نعرہ ضرور لگایا جائے اور جھنڈا بھی ہو۔

اب کے انعامی مقابلے میں بھی ہم جھنڈے ہی کو عنوان قرار دیتے ہیں (۱) بچے اور بچیاں ۶ انچ مربع کپڑے پر جاگو اور جگاؤ کا نشان رنگ بھر کر یا کاڑھ کر بھیج دیں (۲) جھنڈے پر ایک مضمون لکھا جائے اور بتایا جائے کہ جھنڈا کیا چیز ہے۔ اس کی کیا اہمیت ہے اور اس کی اتنی عزت کیوں کی جاتی ہے۔ مضمون چار صفحے سے زیادہ کا نہ ہو اور بہت صاف اور خوش خط لکھا ہوا ہو۔

اب کے انعامی مقابلے کے سلسلے میں ان بچوں نے مضمون لکھ کر بھیجے ہیں۔ محمد اسمٰعیل سگار بنی کالریس۔ اعزاز حسین امروہہ سید محی الدین بانکی پور۔ سید ضیاء الاسلام بمبئی۔ عنایت الرحمٰن میرٹھ۔ محمد ابراہیم خاں ساگر۔ محمد اقبال ساگر۔

اس مقابلے میں محمد اسمٰعیل اول۔ محمد ابراہیم خاں دوم اور ضیاء الاسلام سوم آئے۔

گنجائش کی کمی کے سبب سیال کوٹ کے جلسے کی روداد ..... اور نئے ممبروں کے نام اس پرچے میں نہیں چھپ سکے ہیں اگلے پرچے میں شائع ہوں گے۔ ہاں بچے اور بچیاں بہن سلطانہ بیگم کے خط کا جواب ضرور دیں۔ پیام تعلیم کے پتے پر بھیج دیں ہم ان کے پاس بھجوا دیں گے۔ اچھا اب رخصت

محمد حسین حسان

پیام برادری کیسے ترقی کرے

کوئی سوا سال (فروری [illegible]) کی بات ہے آپا جان نے پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں اور بچیوں کے لئے پیام برادری کی تحریک جاری کی۔ پیامیوں کے لئے یہ ایک نئی چیز تھی۔ بہت شوق اور جوش سے برادری میں شامل ہوئے پہلے پہل تو بچے اپنے مشغلوں اور دوسری باتوں کے بارے میں آپا جان سے خط کتابت کرتے رہے پھر آپا جان کی ہدایت کے مطابق برادری کی شاخیں قائم ہونے لگیں۔ تم نے اکثر میرٹھ، آگرہ حیدرآباد، سیالکوٹ اور کلکتے کی رپورٹیں (روداد‌یں) پڑھی ہوں گی ان کا انتظام شروع سے آخر تک بچوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ہم سب کی یہ خواہش ہے کہ ہم اس پیام برادری کو خوب بڑھائیں۔ ہر شہر میں اس کی شاخیں قائم ہو جائیں۔ اس کے سالانہ جلسے ہوا کریں ہر شہر کی شاخ کے بچے اس میں شامل ہوں اپنی انجمن کا حال بتائیں۔ دوسروں کا سنیں اور پھر اپنے شہروں، قصبوں اور گاؤں میں جا کر سنائیں اپنی انجمن میں جو خرابی ہو اس کو دور کریں۔ اور اچھی باتیں اس میں شامل کریں۔

لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم پیام برادری کو کیوں بڑھائیں؟ اور اس کی شاخیں ہر شہر میں قائم کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ فائدے بھی سنو۔

پیام برادری بچوں میں دوستی، محبت، اتفاق، ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ پیدا کرنے اور اس طرح انہیں عملی تعلیم دینے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تجویز کیا گیا ہے کہ

۱۔ بچوں کے جلسے ہوا کریں ان میں وہ تقریریں کریں۔ بحث مباحثے میں حصہ لیں۔ اور مضمون پڑھا کریں۔

۲۔ اچھی کتابیں بچوں کو پڑھنے کے لئے بتائی جائیں۔ اور جہاں تک ہو انجمن اس کام کو کرے۔

۳۔ بچوں کے لئے مفید مشغلوں مثلاً ڈرائنگ۔ لکڑی کا کام، کشیدہ کاری، بیٹنے پرونے، ٹکٹ، سکے، تصویریں، پتیاں، پر اور اسی قسم کی چیزیں جمع کرنے کا شوق پیدا کیا جائے

۴۔ ورزش، مطالعہ فطرت، ہنسی خوشی سے رہنے اور تحمل و بردباری کی عادتوں کو ترقی دی جائے۔

۵۔ مضمون نگاری، معموں، کشیدہ کاری، کھیلوں اور مختلف مشغلوں کے انعامی مقابلوں کا انتظام کیا جائے۔

۶۔ بچوں میں آپس میں خط کتابت کا شوق پیدا کیا جائے۔

۷۔ بچوں میں وطنی جذبہ پیدا کیا جائے۔

یہ تمام باتیں بچے خود ہی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح عملی تعلیم جس کے لئے یہ انجمن قائم کی جا رہی ہے۔ پورا ہو جائے گا جب بچے خود ہی صدر، سکریٹری، اور انجمن کے صلاح کار بنیں گے تو ان کو کام کرنا آئے گا اور وہ زیادہ دلچسپی سے کام کریں گے۔

اس وقت ہمارے ملک میں بہت سی انجمنیں اور سبھائیں قائم ہیں۔ مگر بچوں کی کوئی ایسی انجمن نہیں جو ان کو ابھی سے ساتھ مل جل کر کام کرنا سکھائے۔ پیامیو! جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو ملک کی باگ ڈور تمہارے ہاتھوں میں آئے گی۔ تمہیں اس کے لئے ابھی سے تیاری کرنی چاہئے۔ ہمارے سامنے ایک کام سب سے بڑا ہے وہ یہ ہو کہ ہم اپنے ملک کو آزاد کرائیں اور اس کو سرسبز اور خوش حال بنائیں اور اس قسم کی انجمنیں تم میں عملی کام کرنے کی قوت پیدا کر دیں گی۔ ہمارے ملک میں بدقسمتی سے کام کرنے والے کم اور خالی باتیں کرنے والے زیادہ ہیں۔ اس برادری کے اور مقصدوں میں ایک مقصد یہ بھی ہو کہ وہ بچوں میں کام کرنے کی قوت بڑھائے۔

ہم تم سے کیا چاہتے ہیں؟

تم سب اپنے اپنے شہروں قصبوں اور گاؤں میں شاخیں قائم کرو۔ انجمن کے بتائے ہوئے اصولوں پر کام کرو۔ اور پھر دیکھنا کہ کس

طرح ہم اپنے مقصد کو حاصل کرلیں گے۔ پڑھنے کے بعد جو وقت بچے اس میں سے کچھ وقت انجمن میں دینے سے بہت فائدے حاصل ہوں گے جو مدرسے کی تعلیم سے کسی طرح کم نہیں۔

ہاں تم اس انجمن کا نام پیام برادری رکھو۔ اپنی سہیلیوں، دوستوں اور بہنوں کو اس میں شامل کرو۔ ایک شہر میں دو انجمنیں ہونی چاہئیں۔ ایک لڑکوں کی۔ دوسری لڑکیوں کی۔ اس کے عہدے دار بھی بچے ہی ہوا کریں گے۔ ایک مہینے میں ایک یا دو جلسے ہوا کریں جن میں مباحثے اور تقریریں ہوں اور تم جلسے کی کارروائی کی رپورٹ پیام تعلیم میں بھیجا کرو۔ تاکہ دوسرے شہروں کے بچوں کو معلوم ہو جائے کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔

بچیوں سے

"نانی اماں، مجھے تو انجمن قائم کرنا نہیں آتی" تم ضرور اپنے دل میں کہوگی۔ مگر سیکھنے کا زمانہ تو یہی ہے۔ اب سیکھ لوگی تو بڑی عمر میں بے جھجک لوگوں کی خدمت اور قومی کام کرسکوگی میں تمھیں بتاتی ہوں۔ کرو یہ کہ ایک دن اپنی جاننے والی لڑکیوں، سہیلیوں اور بہنوں کو جمع کرو (بالکل اسی طرح لڑکے بھی کرسکتے ہیں) اور یہ (انجمن پیام برادری قائم کرنے سے کیا فائدے ہیں) ان کو پڑھ کر سنا دو۔ پھر آپس میں مشورہ کرو اگر تم چھ سات لڑکیاں بھی ہم خیال اور ہم رائے ہو گئیں تو بس انجمن قائم کرلو۔ اپنے میں سے سب کے مشورے کے بعد ایک سمجھ دار لڑکی کو صدر اور ایک کو سکریٹری بنا دو۔ اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو دو پیسے، ایک آنہ، دو آنے ماہانہ چندہ رکھ دینا۔ اب تمھاری انجمن قائم ہوگئی۔ اگلے جلسے کے لئے کسی ایک ممبر کا گھر تجویز کرلو۔ اور سب کے مشورے سے ایک عنوان بحث کے لئے چن لو۔ یا یہ کہ شروع شروع میں جس موضوع پر چاہیں لڑکیاں تقریریں اور مضمون لکھ کر لائیں اور پڑھیں پھر ایک فہرست بنا کر اپنی جاننے والی لڑکیوں میں پھروا دو کہ فلاں تاریخ کو فلاں مکان پر اتنے بجے جلسہ ہے۔ سب آئیں اور اپنی جاننے والی جتنی لڑکیوں کو لاسکیں لائیں۔ مگر سب لڑکیاں اپنی سواری کا انتظام خود کریں۔ ہمارے ہاں قاعدہ ہے کہ جب کوئی اپنے گھر مہمان آتا ہے تو اس کی سواری کے دام خود دیتے ہیں۔ مگر انجمن کے جلسوں میں یہ ہونا چاہئے۔ کہ ہر لڑکی اپنی سواری کے پیسے خود دے۔ جب تمھاری انجمن بڑھ جائے گی تو ممبر اپنے گھر جلسہ کرتے گھبرائیں گے۔ اس لئے تم سب کو جلسے کی شرکت کے لئے اپنی سواری کا انتظام خود کرنا چاہئے ہر ممبر کوشش کرے کہ انجمن کے جلسے میں نئی لڑکیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل ہوا کریں۔ پہلے تو اُن کے سامنے اپنا جلسہ کرنا۔ پھر جلسے کے بعد اُن کو انجمن کے فائدے بتانا۔ اس کے بعد کوشش کرنا کہ وہ تمھاری انجمن کی ممبر بن جائیں۔ کچھ تو فوراً ممبر بن جائیں گی۔ کچھ وقت کی تنگی کی شکایت کریں گی تو تم ان پر ایک ہی دفعہ میں زیادہ زور نہ دینا۔ ان کو اپنے جلسوں میں دو تین بار شامل کرنا۔ ممکن ہے کہ پھر وہ بھی تمھاری انجمن کی ممبر بن جائیں۔ ہاں، ممبر کو پیام برادری کا ممبر بننے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا عہد کرنا پڑے گا۔ اس عہد نامے کو تم ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم سے منگا سکتی ہو۔ اس عہد نامے کی عبارت بھی سنو۔

"میں عہد کرتی ہوں کہ ہمیشہ صاف رہوں گی۔ اور سچائی کو اپنا شعار بناؤں گی۔ مضبوط اور محنتی بنوں گی۔ بدی کی مخالفت کروں گی۔ نیکی کا ساتھ دوں گی۔ خدا کا ڈر اور اس کی مخلوق کی خدمت میری زندگی کا مقصد ہوگا"

یہ عہد نامہ کوئی نیا یا مشکل عہد نہیں بلکہ وہی باتیں ہیں جن پر۔ ایک اچھے انسان کو کاربند ہونا چاہئے۔ ہاں اس عہد نامے کی پشت پر عمر خاص شوق اور نام وغیرہ لکھا ہوا ہے تو ان خانوں کو بھر کر ایڈیٹر صاحب کو بھیج دینا۔

ممکن ہے کہ انجمن کے قائم کرنے کے متعلق اور مختلف باتیں دریافت کرنے کے لئے تمھارے دل میں سوالات پیدا ہوں تو تم بغیر کسی تکلف کے مجھ سے دریافت کرو۔ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی۔ مگر جس طرح سے بھی ہو اپنے شہر میں پیام برادری کی شاخ قائم کردو یہ کوئی مشکل کام نہیں جب تم شروع کروگی تو تم کو خود اس میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی اور میں تمھیں ہر طرح سے مدد دینے کو تیار ہوں۔ جب تم یہ قائم کرلوگی تو ان کے لئے دلچسپ پروگرام بتائے جاسکتے ہیں۔ میں اگلے مہینے کے پیام تعلیم میں صدر اور سکریٹری کے فرائض بتاؤں گی۔ لیکن

اس کے یہ معنی نہیں کہ تم اس کے انتظار میں انجمن نہ قائم کرو۔ تم لوگ براہِ راست مجھ سے ہر سوال دریافت کرسکتی ہو
پیامی لڑکے بھی اسی طرح انجمن قائم کرسکتے ہیں اور وہ بھی جس بات میں چاہیں مجھ سے مدد لیں۔
مجھے امید ہے کہ پیامی بہن اور بھائی اس طرف توجہ کریں گے اور کوشش کریں گے کہ جلدی سے سب شہروں میں پیام برادری قائم ہو جائے۔

(ناچیز سلطانہ بیگم)

میرٹھ کا سفر

ہماری برادری کی شاخیں مختلف شہروں میں قائم ہوچکی ہیں۔ ان شاخوں کے قائم ہونے سے بچوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی ہے اور ان میں امید سے زیادہ جوش اور سرگرمی نظر آتی ہے۔ ویسے تو سبھی شاخیں ماشاء اللہ بہت اچھا کام کررہی ہیں اور اپنے کام کو برابر آگے بڑھا رہی ہیں مگر میرٹھ کی دونوں شاخوں (لڑکوں کی اور لڑکیوں کی) کا کام سب سے آگے ہے۔ جناب حامد علی خاں صاحب منیجر مکتبہ جامعہ کی اور میری خواہش تھی کہ میرٹھ جاکر ان بچوں کے کاموں اور ان کی سرگرمیوں کو دیکھیں چنانچہ ۲۰ جون کو جناب حامد علی خاں صاحب منیجر مکتبہ، جناب سید ابا ما صاحب آرٹسٹ، جناب برکت علی صاحب فراق انچارج شعبۂ تصنیف و تالیف، جناب الیاس احمد خاں صاحب بھبی پرسنل اسسٹنٹ شیخ الجامعہ اور میں میرٹھ گئے۔ ان عزیز پیامیوں کو ہم سے مل کر اور ہمیں ان سے مل کر ایسی خوشی ہوئی جیسے مدت کے بچھڑے ہوئے عزیزوں کو ہوتی ہے۔ شام کو شریف مختار صاحب میونسپل کمشنر کے بچے اور عزیزی نعیم پاشا سلمہٗ کے یہاں چائے کی دعوت تھی یہاں عزیزی عنایت الرحمٰن، یوسف بشیر اور شاہد منظور سلمہم نے دلچسپ لطیفے اور اپنی چند شرارتوں کا حال سنایا۔ یہاں سے فارغ ہوکر کوئی چھ بجے برادری کے عام جلسے میں گئے۔ یہ میرٹھ کی مشہور عمارت کناٹ ہال میں منعقد ہوا تھا اور لڑکوں اور لڑکیوں کا اکٹھا جلسہ تھا۔ لڑکیوں کے لئے پردے کا بہت اچھا انتظام تھا

جلسہ ٹھیک چھ بجے شروع ہوا۔ تھوڑی دیر پہلے بارش ہوچکی تھی اور آسمان پر بدلیاں چھائی ہوئی تھیں۔ پھر بھی ہال برادری کے ممبروں اور مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ مہمانوں میں جناب خاں بہادر محمد اسلم سیفی صاحب چیرمین میونسپل بورڈ میرٹھ۔ ماسٹر دولت رام صاحب بگا۔ جناب گوپی ناتھ صاحب ستنہا ایڈوکیٹ۔ جناب ہنصر ناتھ صاحب اگزیکیوٹو آفیسر اور مسٹر پی ایس بنودھ ایڈیٹر سنڈے ٹائمس میرٹھ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

جلسے کی کارروائی کلام پاک کی تلاوت سے شروع ہوئی۔ عزیزی احسان یحییٰ نے بہت اچھے لہجے میں قرآن پڑھا۔ بھجن پڑھنے والے پنڈت جی وقت پر نہ آسکے تھے اس لئے جلسے کی کارروائی شروع کردی گئی۔ شاہد منظور نے پیام برادری کے عنوان پر برکت علی صاحب فراق کی لکھی ہوئی ایک نظم پڑھی۔ ایک نظم نعیم پاشا نے پڑھی اس کے بعد محمد یٰسین صاحب توقیر سکریٹری پیام برادری نے پیام برادری کی اہمیت اور اپنے یہاں کی شاخ کے کاموں کی مختصر روداد بیان کی ان کے بعد لڑکیوں کی شاخ کی صدر زہرا بیگم قاضیہ نے تقریر کی اور پیام برادری کی مختصر تاریخ اور اپنی برادری کا کچھ حال بتایا۔ عقیلہ شاکر (سکریٹری لڑکیوں کی شاخ) نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ان کا پچھلا جلسہ اقبال ڈے بہت کامیاب رہا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کی شاخ نے تین قانون خاص طور سے بنائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ برادری کے جلسے میں پردے کا پورا انتظام ہو۔ دوسرے یہ کہ جلسے میں کوئی لڑکی ریشمی لباس پہن کر نہ آئے اور تیسرے یہ کہ کوئی ممبر برادری کی دعوت کرنا چاہے تو صرف چائے کا انتظام کرے اور یہ سب اس لئے کہ امیر و غریب سب بچوں کو برادری میں شریک ہونے کا موقع ملے۔ اس کے بعد محمد یٰسین صاحب توقیر نے پچھلے جلسے کی کارروائی اور برادری کا دستور العمل پڑھ کر سنایا۔ پھر زہرا قاضیہ (صدر لڑکیوں کی شاخ) نے یہ تجویز پیش کی کہ برادری کی شاخیں جلد سے جلد تمام شہروں، قصبوں اور دیہات میں قائم کی جائیں۔ تجویز متفقہ طور پر پاس ہوئی۔ پھر شکیل حسین صاحب

اسسٹنٹ سکریٹری نے یہ تجویز پیش کی کہ پیام برادری کا یہ عام جلسہ میرٹھ میونسپل بورڈ سے پرزور الفاظ میں درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے اسکولوں میں بچوں کے سب سے اچھے رسالے پیام تعلیم کو منگا کر بچوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دے۔ یہ تجویز بالاتفاق پاس ہوئی پھر حسنیٰ بیگم قاضیہ نے ایک پرجوش تقریر کی۔ جناب حامد علی خاں صاحب اور فراق صاحب نے موقع کے مناسب تقریریں کیں۔ خان بہادر محمد اسلم سیفی صاحب نے اپنی تقریر میں جامعہ کی تعریف کی اور پیام برادری کی تحریک کو سراہا۔ گوپی ناتھ صاحب تنہا اور بہن سلطانہ بیگم نے بھی تقریریں کیں۔

آخر میں جلسے کے صدر وقار احمد صاحب ظفر نے مہمانوں کے شکریے کے سلسلے میں بہت اچھی تقریر کی کوئی ساڑھے نو بجے جلسہ نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔

جلسے کا تمام انتظام بچوں اور بچیوں ہی نے کیا تھا اور یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ اس انتظام پر صرف رکھنے کی بہت کم گنجائش تھی

صبح چھ بجے لڑکیوں کی شاخ کی صدر زہرا بیگم قاضیہ کے یہاں چائے کی دعوت تھی۔ زہرا بیگم نے برادری کی سب عہدے دار لڑکیوں کو بلایا تھا۔ بہن سلطانہ بیگم بھی موجود تھیں ان سب سے برادری کا کام آگے بڑھانے کے بارے میں بہت مفید گفتگو ہوئی۔ یہیں منیجر صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ برادری کا ایک جھنڈا ہونا چاہیے اور یہ جھنڈا جاگو اور جگاؤ کا نشان ہو جو پیام تعلیم کے ٹائٹل پر چھپتا ہے۔ یہ تجویز سب نے پسند کی۔ عقیلہ شاکر (سکریٹری) اور دوسری لڑکیوں نے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد اس کا اچھا سا نمونہ بنا کر بھیج دیں گی۔ برادری کے نعرے کے بارے میں بھی بات چیت ہوئی اور یہ طے ہوا کہ برادری کا نعرہ "جاگو اور جگاؤ" ہونا چاہیے یا پھر "پیام برادری زندہ باد"۔ زہرا بیگم کی بڑی بہن بہن سلطانہ بیگم نے برادری سے بہت دلچسپی ظاہر کی اور ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا اس دعوت میں عزیزہ آمنہ عمر بھی تھیں۔ ان کا نام پیام تعلیم میں بار بار آچکا ہے۔ میرٹھ کی دونوں شاخیں اور علی گڑھ کی بچوں کی شاخ ان ہی کی کوششوں سے قائم ہوئی ہے۔ طبیعت بہت پرجوش اور سرگرم پائی ہے پیام تعلیم اور پیام برادری سے گویا عشق ہے۔ ابھی بیماری سے اٹھی ہیں مگر کام کرنے کے لئے بے چین ہیں۔ آمنہ عمر کی تعریف آپا جان بھی کرتی تھیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر ایک اور جلسے میں گئے۔ لڑکوں کی شاخ نے اپنی لائبریری اور دارالمطالعہ قائم کیا ہے اس وقت اس کے افتتاح کا جلسہ تھا۔ خان بہادر مولانا محمد اسلم سیفی صاحب نے لائبریری کا افتتاح کیا۔ افتتاحی تقریر میں خان بہادر صاحب نے لڑکوں کے اس کام کی بہت تعریف کی اور بہت ہمت دلائی اپنے یہاں کی لائبریری سے سو کتابیں بھی دینے کا وعدہ کیا۔ جناب حامد علی خاں صاحب منیجر مکتبہ نے بھی موقع کے مناسب تقریر کی اور مکتبے کی طرف سے دس روپے کی کتابیں دینے کا اعلان کیا۔ ایڈیٹر صاحب سنڈے ٹائمس بھی اس موقع پر تشریف رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنا اخبار لائبریری کے نام مفت جاری کرنے اور پانچ روپے کے چندے کا اعلان کیا۔

یہ لائبریری میرٹھ کے بازار میں بہت اچھے موقع پر کھولی گئی ہے۔ اب تک صرف ڈیڑھ سو کتابیں جمع ہو پائی ہیں۔ ان کے علاوہ اردو انگریزی کے کئی اخبار اور رسالے بھی آتے ہیں۔ (چند رسالوں کو جو مکتبے میں تبادلے کے سلسلے میں آتے ہیں) بھیجنے کا وعدہ جناب منیجر صاحب مکتبہ نے کیا جلسہ ختم ہونے کے بعد پیامیوں سے برادری کے نعرے کا ذکر آگیا انھوں نے بھی جاگو اور جگاؤ کا نعرہ بہت پسند کیا۔ یہیں پہلی بار اس کی کامیاب مشق کی گئی۔

کوئی نو، دس بجے جناب منیجر صاحب کے ساتھ محمد یحییٰ تنہا صاحب کے یہاں گئے۔ ان کی دونوں بچیاں حسن آرا بیگم اور روشن آرا بیگم برادری کی ممبر ہیں۔ پیام تعلیم اور پیام برادری سے انھیں غیر معمولی محبت ہے۔ ان بچیوں سے مل کر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔

شام کو عقیلہ شاکر کے یہاں چائے کی دعوت تھی۔ گاڑی کا وقت قریب آچکا تھا اس لئے وہاں زیادہ دیر تک نہ بیٹھ سکے تاہم عقیلہ شاکر اُن کی چھوٹی بہن، بھائی اور ننھے ننھے پیامیوں کی صحبت بہت پرلطف رہی ان کے نانا صاحب قبلہ سے بھی ملاقات ہوئی یہ انگریزی کے مشہور اخبار نویس اور مصنف جناب سردار اقبال علی شاہ صاحب کے والد ہیں۔ یہاں سے رخصت ہو کر سیدھے اسٹیشن پہنچے برادری

کے صدر جناب خلیفہ صاحب عزیزی یوسف بشیر اور شاہد منظور بھی ساتھ ساتھ تھے۔ گاڑی کے ساتھ ہی موسلادھار پانی بھی آگیا۔ اسی بدحواسی میں ریل میں بیٹھے۔ چلتے وقت اُن سے ملاقات بھی نہ ہوسکی۔

میرٹھ میں ہمارا وقت زیادہ تر مصروفیت میں گذرا ہمیں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ لڑکوں اور لڑکیوں میں کام کرنے کی ایک خاص اُمنگ اور ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کا غیر معمولی جوش ہے۔ برادری کا کام بہت اچھی طرح انجام پا رہا ہے۔

آخر میں ہم اپنے میزبان عزیزی وقار احمد صاحب خلیفہ صدر پیام برادری، اُن کے بھائی محمد عقیل صاحب ایم اے۔ نفیس احمد صاحب نائب صدر۔ محمد یامین توفیق صاحب سکریٹری اور دوسرے پیامیوں کے محبت اور خلوص کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ انھوں نے ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ ہم نے ہر وقت یہی محسوس کیا کہ ہم اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ہیں

گلبرگے میں پیام برادری کی شاخ

پہلا جلسہ ۱۰ر جون کو ٹھیک ۵ بجے پیام برادری گلبرگہ کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔ صدر سلیم احمد خاں لودھی تھے۔ پیامیوں کے علاوہ شہر کے معزز حضرات بھی جلسے میں شریک تھے۔ مثلاً نواب غوث یار جنگ بہادر صوبے دار (گورنر) گلبرگہ۔ عالی جناب احمد محی الدین صاحب رضوی تعلقدار (کلکٹر) گلبرگہ۔ عالی جناب رائے شمبھو پرشاد صاحب ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز۔ عالی جناب مولوی قمر الاسلام زبیری ڈویژنل انجینیر۔ عالی جناب مولوی سردار الدین صاحب اسسٹنٹ ریونیو کمشنر۔ عالی جناب مرزا محبوب علی بیگ صاحب وائس پرنسپل کالج وغیرہم۔ مولوی غلام علی صاحب کی نظم سے جلسہ شروع ہوا۔ پھر ابراہیم حسین صاحب جلیس نے حمد پڑھی۔ اس کے بعد صدر نے خطبہ صدارت پڑھا۔ اس میں انھوں نے پیام برادری کا مقصد، در جگہ جگہ شاخیں کھولنے کی غرض بتائی۔ یہ بھی بتایا کہ یہاں کی شاخ نے ممبری کی کوئی فیس نہیں رکھی ہے۔ اس لئے اس کی ترقی کی بہت امید ہے۔ صدر صاحب نے یہ خوش خبری بھی سنائی کہ برادری کی طرف سے بہت جلد سیر و تفریح اور پکنک کا انتظام بھی ہونے والا ہے۔ ابراہیم حسن صاحب جلیس نائب صدر نے جال دینے کا وعدہ کیا ہے۔ تقریر میں انھوں نے بتایا کہ پکنک اور اکسکرشن سے علاوہ تفریح کے تعلیمی فائدے کس قدر ہوتے ہیں اور کہا کہ انجمن کی طرف سے اس کا سلسلہ بھی شروع کیا جائے گا۔ صدر کی تقریر کے بعد ابراہیم حسن صاحب جلیس نے پھر ایک نظم پڑھی۔ اس کے بعد صدر نے نواب صوبے دار صاحب سے بچوں کو کچھ نصیحتیں کرنے کی درخواست کی۔ صوبے دار صاحب نے بہت اچھی اچھی نصیحتیں کیں۔ آخر میں سکریٹری نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

محمد یوسف سکریٹری
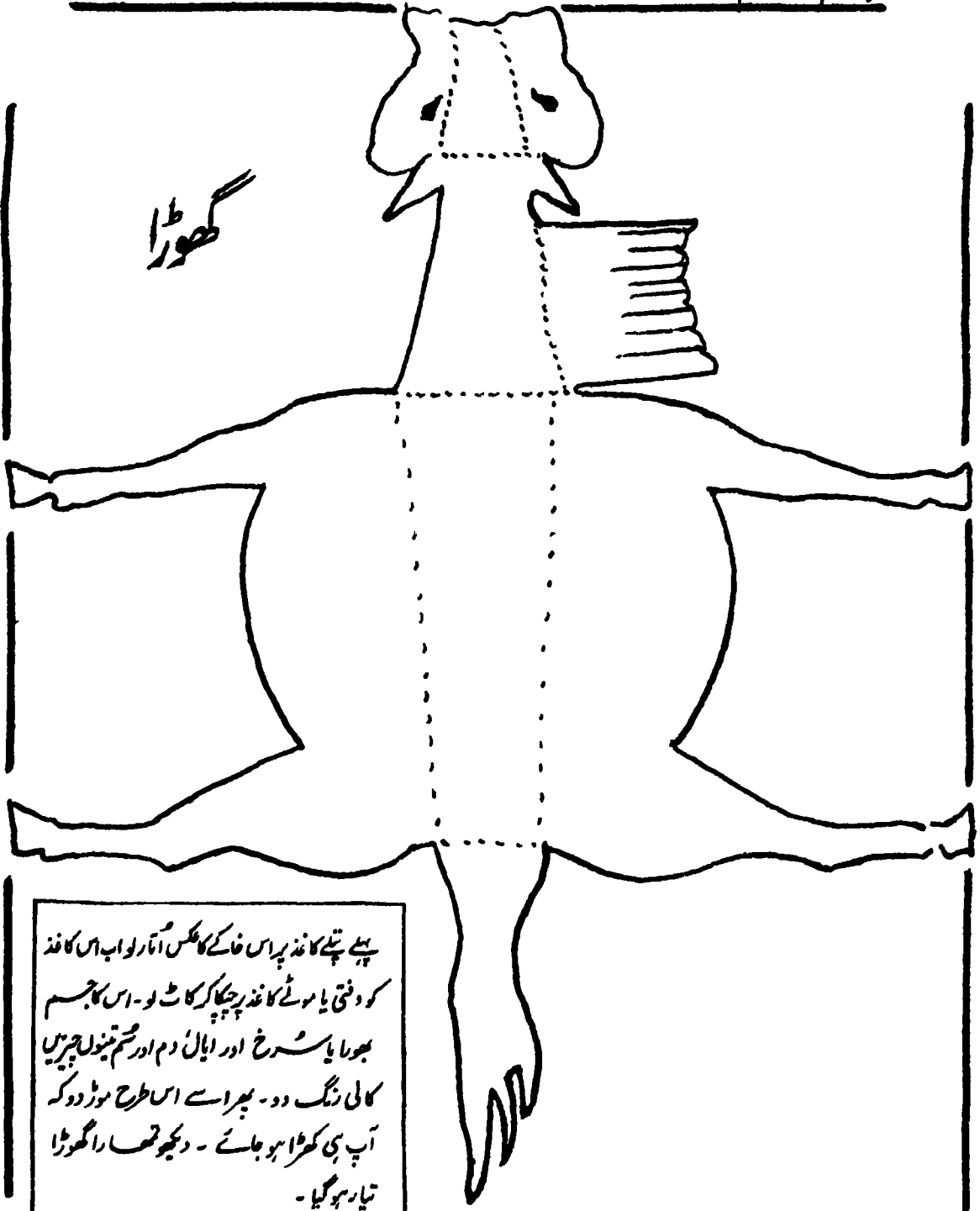
گھوڑا

پہلے پتلے کاغذ پر اس خاکے کا عکس اُتار لو اب اس کاغذ
کو دفتی یا موٹے کاغذ پر چپکا کر کاٹ لو۔ اس کا جسم
بھورا یا سُرخ اور ایال، دم اور سُم تینوں چیزیں
کالی رنگ دو۔ پھر اسے اس طرح موڑ دو کہ
آپ ہی کھڑا ہو جائے۔ دیکھو تمھارا گھوڑا
تیار ہو گیا۔

مذہبی کتابیں

عقائد اسلام یہ رسالہ مسلمان بچوں کو اسلامی عقائد سکھانے کے لئے اختصار کے ساتھ سلیس اردو میں لکھا گیا ہے۔ ار

ارکان اسلام اس رسالے میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

قرآن کیا ہے اور اس نے کیا کر دکھایا؟ بچوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کیا ہے۔ کیسے اترا۔ کس پر اترا۔ اور اس نے لوگوں پر کیا اثر کیا۔ قیمت ۴ر

چالیس حدیثیں یہی چالیس حدیثیں درج کی گئی ہیں جو خاص طور پر بچوں کے لئے سبق آموز ہیں۔ قیمت ۲ر

آخری نبیؐ آسان زبان میں آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

ہمارے نبیؐ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کا حال کہانی کے انداز میں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھا گیا ہے ۲ر

آنحضرتؐ رسول پاک کی زندگی کے حالات بہت آسان اور دلچسپ زبان میں۔ قیمت ۴ر

ہمارے رسولؐ یہ کتاب سرور عالم صلعم کی پاک سیرت پر ذرا بڑے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے جس کے پڑھنے سے رسول کی محبت اور سنت کی پیروی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۵ر

سرکار کا دربار سرور کائنات صلعم کے حالات، بچوں، عورتوں اور عام مطالعے کے لئے بہت مقبول و مشہور کتاب۔ آٹھواں ایڈیشن۔ قیمت ۸ر

سرکار دو عالم نسبتاً بڑے لڑکوں کے لئے سیرت پاک بہت ہی صاف اور ستھری اور آسان زبان میں چھاپی گئی ہے۔ قیمت ۸ر

چار یار حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کے نصیحت آمیز اور دلچسپ حالات۔ تیسرا ایڈیشن ۲ ۱ صفحے۔ قیمت ۲ر

خلفاء اربعہ اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی، خدمت اسلام، محبت رسول، عام عادات و اخلاق سہل زبان میں ذرا بڑے لڑکوں کے لئے لکھے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ خلفاء اربعہ کے عہد میں عرب کی کیا حالت تھی اور اسلام نے کیا ترقیاں کیں۔ حجم ۱۴۴ صفحات۔ قیمت ۸ر

دس جنتی حضرت زبیر، طلحہ، عبدالرحمٰن، سعد، ابوعبیدہ اور سعید کے حالات تفصیل سے اور باقی چار یار رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات۔ قیمت ۵ر

نبیوں کے قصے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کے حالات آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

اچھی باتیں ان آیات قرآنی کی عام فہم تفسیر جو پند و نصائح پر مبنی ہیں قیمت ۳ر

مکتبہ جامعہ

دہلی۔ بمبئی۔ لاہور

دلچسپ معلومات اور ڈرامے

بچّوں کی کتابیں

کہانیوں کی کتابیں تو تم اور بھی پڑھتے رہتے ہو۔ پر ہم نے اپنی کہانیاں بہت قابل قابل لوگوں سے لکھوائی ہیں ان میں خاص بات یہ ہے کہ زبان بہت سادہ، صاف اور آسان ہے اور قصے تو اتنے دلچسپ کہ بس ایک ہی سانس میں ساری کتاب پڑھنے کو جی چاہے۔ یہ قصے تمھاری قابلیت کا خیال رکھ کر لکھوائے گئے ہیں۔ اور ان کے درجے مقرر کر دیے گئے ہیں۔

درجۂ اول

نتھی مرغابی ۔ از عبدالواحد صاحب سندھی استاد جامعہ ۔ ـہر

بچوں کی کہانیاں ۔ " " " ۲ر

درجہ دوم

لال مرغی ۔ از عبدالواحد صاحب سندھی استاد جامعہ ۲ر

جنگو کی بلی " " " ۲ر

مرغی اجمیر چلی ۔ از رقیہ ریحانہ ۲ر

تابیل خاں ۔ از محمد حسین حسان، ایڈیٹر پیام تعلیم ۲ر

چھوٹا چھو " " " ۲ر

پوری جو کڑھائی سے نکل بھاگی ۔ از رقیہ ریحانہ ۲ر

درجہ سوم

نیت کا پھل ۔ از مرزا مظفر حسین صاحب ۳ر

شیدلا ۔ از پروفیسر محمد مجیب صاحب ۳ر

چھدو ۔ از رقیہ ریحانہ ۳ر

بیکاری ۔ " " ۳ر

انعامی مقابلہ ۔ از محمد حسین حسان ایڈیٹر پیام تعلیم ۳ر

درجہ چہارم

شہزادی گلنار ۔ از پروفیسر محمد عطاء اللہ ـمر

عقاب ۔ از رقیہ ریحانہ ـمر

ترکوں کی کہانیاں ـمر

پیامِ تعلیم دہلی

پیامِ تعلیم :- یو پی، سی پی، برار، بھوپور اور حیدر آباد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"

ایڈیٹر:- محمد حسین حسان ندوی جامعی

قیمت سالانہ ۲ر - فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۱ — ستمبر سنہ ۱۹۳۸ء — نمبر ۹

فہرست مضامین

پرنٹر، پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس، دہلی

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

بہت سی پیامی بچیاں اور بچے سال گرہ نمبر کے انتظار میں بہت بے چین ہیں اور اس کے بارے میں طرح طرح کے سوال کرتے رہتے ہیں اس نمبر کی تیاری کا کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے اور انشاء اللہ یہ بے شک وقت پر بچوں کو مل جائے گا اور اللہ نے کیا تو بچوں کو پسند آئے گا۔

پچھلے پرچے میں بہن درۃ البیضا بیگم نے پیوند کے عنوان سے انعامی مقابلے کا ایک مضمون شائع کرایا تھا یہ مضمون بہت پسند کیا گیا بچوں اور بچیوں نے بہت سے پیوند مقابلے میں بھیجے ہیں۔ مگر بہن درۃ البیضا بیگم نے خواہش کی ہے کہ جن جن بچوں اور بچیوں نے پیوند بھیجے ہیں وہ اپنی اپنی عمر بھی لکھ بھیجیں۔ تاکہ مقابلے کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ وہ اسی وجہ سے اس مہینے کوئی فیصلہ نہ کر سکیں۔ اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جو بچیاں مقابلے میں حصہ نہیں لے سکیں وہ بھی اب اپنے پیوند بھیج سکتی ہیں

اس مرتبہ انھوں نے کاج بنانے پر مضمون لکھا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ پہلے سے بھی زیادہ دلچسپ اور مفید ہوگا اور بہت سی بچیاں اس مقابلے میں حصہ لیں گی۔ ہاں ایک بات کا خیال رکھنا اس انعامی مقابلے کے سلسلے میں جو چیز بھی بھیجو وہ اب ہمیں نہ بھیجنا۔ بہن درۃ البیضا بیگم کے پاس بھیج دینا۔ ان کا پتہ یہ ہے:-
درۃ البیضا بیگم صاحبہ۔ منیجر مسلم گرلز اسکول۔ محلہ انصار (پانی پت)

پیام تعلیم کی موجودہ ترتیب اور مضامین بچے خاص طور پر پسند کر رہے ہیں۔ اب ہمارا ارادہ ہے کہ بچوں کے صفحوں کا خط اور بھی موٹا کر دیا جائے۔
اسی طرح بڑے لڑکوں کے مضمون بھی ذرا زیادہ موٹے خط میں لکھوائے جائیں گے۔ لیکن اس تبدیلی کی وجہ سے مضمونوں کے لئے گنجائش اور بھی کم رہ جائے گی۔ سو اس کے لئے ہمارے منیجر صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ پیام تعلیم کے خریدار زیادہ ہوگئے تو صفحے اور بڑھا دئے جائیں گے۔
ہمیں امید ہے کہ پیامی بھی اپنے پرچے کے خریدار بڑھانے کی پوری کوشش کریں گے۔

ہاں بچیاں اور بچے رسالہ ملنے کے پانچ دن بعد تک کاج بنا کر بہن درۃ البیضا بیگم کے پتے پر پانی پت بھیج دیں۔ وقت کا خیال رکھیں۔

خط لکھتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھو
رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۹۶۱ "تمہارا نمبر خریداری نہیں ہے۔ تمہارا نمبر خریداری چٹ پر سب سے پہلے لکھا ہوتا ہے۔ ہاں ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ لکھو۔

بچوں کے لئے

چاند دیس کی لڑکی

سید محمد شمیم صاحب جامی

(جاپانی کہانی)

بہت دنوں کی بات ہے۔ جاپان کے جنگل میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔ اس کا نام بہت ہی عجیب تھا ساناپی نوسیاکو۔ ایک دن وہ کھٹا کھٹ لکڑی کاٹ رہا تھا کہ اس نے ایک روشنی دیکھی۔ جس سے اس کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔ اس نے آنکھیں مل کر دیکھا تو بانس کے ایک کونپل میں اُسے ایک بچی نظر آئی۔ چھوٹی سی بہت خوب صورت۔ لکڑہارا مارے خوشی کے پھول گیا۔ جلدی سے بچی کو گود میں اُٹھا لیا۔ اور دوڑا ہوا اپنی جھونپڑی میں گیا۔ اس کی بیوی نے دیکھا تو وہ بھی بہت خوش ہوئی۔ اُن کے کوئی بال بچہ نہ تھا۔ اسی کو پالنے پوسنے لگے۔

اس کے بعد سے لکڑہارا بہت امیر ہونے لگا اور دیکھتے دیکھتے لکھ پتی بن گیا۔ قصہ یہ تھا کہ ہر روز جب وہ لکڑی کاٹنے جاتا تھا جنگل میں اسے بہت سا سونا ملتا تھا وہ اسے گھر لے آتا تھا

بچی بہت تیزی سے بڑھنے لگی۔ تین ہی مہینے میں وہ اچھی خاصی بڑی ہوگئی۔ لکڑہارے نے اس کا نام کاگوا رکھا۔

کاگوا کی خوب صورتی کا چرچا بہت دور دور تک پھیلا۔ جب وہ جوان ہوگئی تو بہت سے لوگ اس سے شادی کرنے کے لئے بے چین ہوگئے ان میں جو غریب تھے وہ تو جلد ہی سمجھ گئے کہ ان کی قسمت میں یہ لڑکی نہیں لکھی ہے۔ اب صرف پانچ شہزادے باقی رہ گئے۔ اُن کے عجیب عجیب نام یہ ہیں:۔ ای، سی، جوکیری۔ کورو موچی۔ دینا گورن ابی نومیوسی اور اونوماموروتادا۔ یہ لوگ گرمی دیکھتے نہ جاڑا، ہر وقت لکڑہارے کے گھر کے پاس دھرنا دئے بیٹھے رہتے۔ اس امید میں کہ کبھی تو کاگوا اُن کو پسند کرے گی۔ جب بہت دن ہوگئے اور شادی نہ ہوئی تو ایک روز ان لوگوں

نے ناراض ہوکر لکڑہارے سے پوچھا "کیوں جی کب تم اپنی بیٹی کی شادی کروگے؟" لکڑہارے نے کہا "جب تک لڑکی پسند نہ کرے گی ہم کیسے شادی کریں!

شہزادے ناامید ہوکر اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے۔ لیکن لکڑہارے کے پاس قاصد بھیجتے رہے۔ ایک دن لکڑہارے کو بھی غصہ آگیا اس نے کاگوا سے کہا "یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا شادی تو کرنی ہی ہے۔ کسی کو پسند کرلو" کاگو نے کہا "میں جس سے شادی کروں گی پہلے اس کا امتحان لے لوں گی کہ میرے ساتھ اس کی نبھے گی بھی یا نہیں؟"

لکڑہارے نے یہ باتیں قاصدوں سے کہہ دیں۔ یہ بات سن کر شہزادوں کی جان میں پھر جان آئی۔ اور کچھ امید بندھی۔ اور پھر سب لکڑہارے کے پاس آگئے اور کاگوا کو خوش کرنے کے لئے دن رات گانے بجانے لگے۔

ایک دن لکڑہارے نے کاگوا کی خواہش سب کو بتائی۔ ای سی جوکوری سے کہا کہ "ہندوستان میں ایک جگہ تیجی کو ہے۔ وہاں مہاتما بدھ کا پیالا رکھا ہے۔ اسے جاکر لے آؤ"

کورو موچی سے کہا کہ "پورب سمندر کے اس پار ایک ہوائی پہاڑ ہے۔ اس پر ایک درخت ہے۔ درخت کی جڑ چاندی کی ہے۔ شاخیں سونے کی اور اس میں پھل پکھراج کے ہیں۔ درخت سے ایک ٹہنی توڑ کر لے آؤ" دیناگورن سے کہا کہ "مورد کوشی دیس کے باشندے چوہے کے بال سے ایسی پوشاک تیار کرتے ہیں جو آگ میں نہیں جلتی۔ تم جاکر وہی پوشاک لے آؤ" آبی نومیوسی سے کہا کہ "آگ منہ بھرے سانپ کے سر پر ہیرے کا ایک من ہے اس کا رنگ قوس قزح کی طرح ہے۔ تم اسی من کو لے آؤ" مورو تارا سے فرمائش ہوئی کہ "سمندر کے اندر ایک چڑیا کے منہ میں کوڑی ہے۔ اسے لے آؤ"

شہزادہ ای سی جوکیری اپنے کو چالاک سمجھتا تھا۔ اس نے سوچا کہاں جان دینے ہندوستان جائیں۔ یہیں ایک پرانے قسم کا پیالا تلاش کرائے لیتے ہیں۔ وہ تین برس تک جاتو شہر میں چھپا رہا۔ اس درمیان میں پرانے کھنڈر سے جو قریب کے ایک پہاڑ پر تھا ایک بہت پرانا پیالا حاصل کیا اور اسے کاگوا کے پاس لے گیا۔ کاگوا سمجھ گئی کہ یہ وہ پیالا نہیں ہے

کیوں کہ اس میں چمک نہ تھی۔ اس نے واپس کر دیا شہزادہ مایوس ہو گیا اور روتا ہوا اپنے دیس واپس چلا گیا۔

شہزادہ کورو موچی نے بھی چالاکی کی۔ اس نے مشہور کیا کہ وہ پکھراج پھل کی تلاش میں جا رہا ہے۔ لیکن کیا اس نے یہ کہ ایک دہات میں گھر بنوایا اور چھ کاری گرے کر ایک ٹہنی تیار کی جو سونے کی تھی اور اس میں پکھراج کے پھل تھے اور یہی لے کر کاگوا کے پاس آیا۔ کاگوا دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ شہزادہ ڈینگ ہانکنے لگا کہ کتنے سمندر پار کر کے کتنے دیو اور راکھششوں سے لڑنے بھڑنے کے بعد، اور دیس بدیس بھوکے پیاسے پھرنے کے بعد اس نے اس ٹہنی کو حاصل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ گھومتے گھومتے وہ ایک پہاڑ کے کنارے پہنچا۔ پہاڑ سمندر کے کنارے تھا۔ پہاڑ پر چڑھنے کے بعد سے ایک بڑھیا نظر آئی۔ بڑھیا کے سر پر چاندی کا گھڑا تھا۔ اسی سے وہ پانی بھرتی تھی۔ پہاڑ پر عجیب عجیب پھول اور عجیب عجیب درخت تھے۔ ایک جھرنا بہتا تھا جس کا پانی قوس قزح کی طرح رنگین تھا۔ اس پر ایک پل تھا جو سونے اور جواہرات سے بنا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک درخت تھا جس میں پکھراج کے پھل تھے۔ اسی درخت سے یہ ٹہنی توڑ کر لایا ہے کاگوا کو ان سب باتوں کا یقین آ گیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت وہ چھ کاری گر آ پہنچے اور اپنی مزدوری کے لئے تقاضا کرنے لگے۔ سب بھانڈا پھوٹ گیا۔ کاگوا نے شہزادے کو نکال کر اطمینان کی سانس لی۔

شہزادہ دیناگون نے سمجھا کہ اس کا کام بہت آسان ہے۔ اس نے ایک سوداگر کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ چوہے کے بال کی ایک ایسی پوشاک لاؤ جو آگ میں نہ جلے۔ سوداگر بھی بہت ہوشیار تھا۔ اس نے کہا "بہت اچھا حضور!" تین برس کے بعد وہ واپس آیا اور صندوق میں بند کر کے بالوں کا تیار کیا ہوا ایک کپڑا دیا۔ اور اس کی بہت بڑی قیمت وصول کی۔ شہزادہ اس صندوق کو لے کر کاگوا کے پاس گیا۔ کاگوا نے کہا اچھا! اس کپڑے کو آگ میں ڈالو۔ اگر یہ نہیں جلے گا تو میں

اسی شہزادے سے شادی کروں گی۔ لیکن کپڑا تو آگ میں پڑتے ہی فرفر کرکے جل گیا۔ اور شہزادہ اپنا سا منہ لے کر چلا گیا۔

چوتھے شہزادے نے اپنے نوکروں کی مدد سے من حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جو نوکر تلاش میں گیا وہ واپس نہ آیا۔ آخر شہزادہ خود ہی نکلا۔ ایک ناؤ میں ایک ملاح لے کر اتھاہ سمندر میں چل نکلا۔ لیکن سمندر میں بہت زوروں کا طوفان آیا۔ ملاح نے کہا "حضور! آپ جس سانپ کی تلاش میں جارہے ہیں اسی سانپ نے طوفان اٹھایا ہے اب خیریت نظر نہیں آتی"۔ شہزادہ گھبرا گیا۔ اس نے بہت دعائیں کیں، منت مانی اور من کی تلاش سے باز آیا۔ آخر بہت مشکلوں سے اپنے ملک واپس آکر بیٹھ رہا۔ کاگوا سے شادی کا خیال چھوڑ دیا۔

پانچویں شہزادے بھی کوڑی کی تلاش میں نکلے۔ بہت مصیبتیں اٹھائیں۔ لیکن کوڑی ہاتھ نہ آئی۔ آخر وہ بھی مایوس ہوکر گھر پر بیٹھ رہے کئی برس کے بعد کاگوا کی خوب صورتی کی شہرت دارالسلطنت میں پہنچی۔ بادشاہ بھی مشتاق اور بے چین ہوا۔ اس نے پھوساگو نامی ایک عورت کو لکڑہارے کے پاس بھیجا۔ لیکن کاگوا نے اس عورت سے ملنے سے انکار کردیا۔ جب پھوساگو نے واپس آکر بادشاہ کو یہ اطلاع دی تو بادشاہ کو بہت غصہ آیا۔ انھوں نے حکم دیا کہ لکڑہارے اور اس کی بیٹی کو فوراً دربار میں لاؤ۔ قاصد نے آکر لکڑہارے کو بادشاہ کا حکم سنایا۔ ساتھ ہی ساتھ لکڑہارے سے کہا کہ تم دربار جاؤ گے تو میاں! تمھاری قسمت پھر جائے گی۔ لکڑہارے کے دل میں بھی لالچ آیا۔ لیکن کاگوا کو راضی کرنا ضروری تھا۔ کاگوا نے صاف انکار کردیا اس نے کہا کہ اگر آج مجھے دربار لے جاؤ گے تو میں ابھی مرجاؤں گی۔ آخر لکڑہارا تنہا دربار میں گیا اور کاگوا کی بات بادشاہ کو سنادی۔

بادشاہ ایسی گستاخی بھلا کب برداشت کرسکتے تھے! ایک معمولی لکڑہارے کی لڑکی اُن کی خواہش اور حکم کو ٹھکرا دے! اس کی یہ مجال!!! انھوں نے شکار کی تیاری کا حکم دیا اور لکڑہارے کے گھر جا دھمکے وہاں انھوں نے دیکھا کہ ایک تیز ٹھنڈی

روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس روشنی
کے بیچ میں کاگوا بیٹھی ہے۔
بادشاہ کا سر چکرانے لگا۔ وہ ہاتھ ملنے لگے
انھوں نے ایک سواری کا حکم دیا۔ وہ زبردستی کاگوا کو
محل میں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن سواری آتے
ہی کاگوا لاپتہ ہوگئی۔ بادشاہ گھبرائے وہ سمجھے کہ کاگوا
اس دنیا کی رہنے والی نہیں ہے۔ وہ رو رو کر کہنے
لگے "دیوی! جو تم چاہو گی وہی ہوگا۔ ہم تمھیں لے جانے
کی کوشش نہیں کریں گے۔ لیکن ایک بار پھر اپنے
کو دکھا دو۔" کاگوا پھر آگئی۔ بادشاہ نے اسے
دیکھا اور مایوس واپس چلے گئے
اس واقعے کو بھی تین برس گذر گئے۔ کاگوا
نے شادی نہ کی۔ ہمیشہ چاند کی طرف دیکھتی رہتی تھی
نہ معلوم اسے کس کا دکھ تھا۔ بسنت کا زمانہ آگیا۔
چودھویں تاریخ تھی۔ پورا چاند نکلا ہوا تھا۔ کاگوا
چاند کو دیکھتی تھی اور روتی تھی۔ داسیوں کی سمجھ میں
کچھ نہ آیا تو لکڑہارے سے جاکر کہا کہ آج کل کاگوا
چاند کی طرف [illegible] ہے اور روتی ہے۔ معلوم نہیں
کیا بات ہے؟ جاکر خبر لیجیے۔"

لکڑہارے سے کاگوا نے صرف اتنا کہا کہ
چاند کو دیکھنے سے یہ دنیا اسے بہت تکلیف دہ
معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بہت روتی ہے
کچھ دنوں کے بعد کاگوا نے اپنی سہیلیوں
سے کہا کہ وہ اس دنیا کی نہیں ہے۔ وہ چاند دیس
کی لڑکی ہے۔ اب اس کو اپنے دیس جانا ہوگا۔
لکڑہارے نے جب یہ سُنا تو درد سے اس کا سینہ
پھٹنے لگا۔ بادشاہ کو بھی یہ سُن کر بہت دکھ ہوا۔ کہ
اگلی چودھویں کو چاند دیس سے لوگ آکر کاگوا کو
لے جائیں گے اب کیا کیا جائے؟ انھوں نے لکڑہارے
کے پاس سپاہی بھیج دئے کہ یہ لوگ پہرا دیں گے
اور چاند کے لوگوں کو آنے نہ دیں گے۔ بوڑھا لکڑہارا
بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا کہ اتنے سپاہیوں کے بیچ
سے چاند والوں کی ہمّت نہ ہوگی کہ کاگوا کو لے جائیں
لیکن کاگوا نے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کردی۔
اس نے کہا کہ" دنیا والوں میں یہ طاقت نہیں ہے
کہ چاند والوں کو روک دیں۔ ان کے آتے ہی سب
دروازے کھل جائیں گے۔ اور تم لوگ ہزار تلوار
ہتھیار دکھاتے رہو۔ ان کو نہ روک سکو گے۔

بوڑھے نے غصّہ ہوکر کہا "اچھا! اگر وہ لوگ بھرتا بنا کر نہ چھوڑا تو کیا!"

لکڑہارے کے گھر کے چاروں طرف پہرا ہونے لگا۔ سب چاند کی طرف تلوار کھینچے دیکھتے رہے۔ کوئی آئے گا تو دو ٹکڑے کر دیں گے چودھویں کی رات ختم ہونے کو تھی۔ ایک پہر اور باقی تھا۔ کہ آسمان میں ایک خوب صورت روشنی نظر آئی اور اس روشنی کے بیچ سے ایک بادل کا ٹکڑا نیچے اُترا۔ اس بادل پر چاند دیس کے لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ بادل قریب قریب زمین سے لگ گیا پہرہ دار ڈر گئے۔ ان میں سے بعض بعض نے تلوار بھی نکالی۔ کچھ سپاہیوں نے کمان میں تیر بھی چڑھایا۔ لیکن تلواریں حرکت نہ ہوئی۔ اور تیر ہوا میں اُڑ گیا۔

بادل کے اوپر ایک رتھ تھا۔ جس پر چاروں طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے اندر سے زور سے آواز آئی۔ "میاں کو لکڑہارے! باہر آؤ" ڈر کے مارے لکڑہارے کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ وہ کانپتے کانپتے باہر آیا۔ چاند کے دیوتا نے دھمکا کر کہا "تمہیں چاند دیس کی لڑکی کو ابھی دینا ہوگا۔"

بادل اُڑ کر لکڑہارے کی چھت پر چلا گیا رتھ کے اندر سے پھر آواز آئی: "کاگوا! اس دکھ بھری دنیا میں کب تک رہے گی؟"

اسی وقت کاگوا کے کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ کاگوا کھڑی تھی اور اس کے چاروں طرف داسیاں کھڑی تھیں۔

اب کاگوا دنیا چھوڑ کر چاند دیس میں واپس جا رہی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے لکڑہارے کو سلام کیا اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا" بابا! اگر میں اس دنیا ہی میں پیدا ہوتی تو کبھی تمھیں چھوڑ کر نہ جاتی۔ لیکن خواہش نہ ہونے پر بھی مجھے جانا ہی پڑے گا۔ کوئی تدبیر نہیں ہے۔ میرے ریشمی کپڑے تمھارے لئے نشانی ہیں۔ اگر ٹوٹنے والے ستاروں کی طرح ٹوٹ کر زمین پر آ رہوں تو بہت اچھا ہو۔"

چاند والے اپنے ساتھ [illegible]ں کی ایک سفید پوشاک اور ایک برتن میں تھوڑا سا آبِ حیات

لائے تھے۔ ایک آدمی نے کہا" اس دنیا پر آکر تم ناپاک ہوگئی ہو۔ اس آبِ حیات کو پی کر پاک ہو جاؤ"۔ کاگوا نے آبِ حیات پیا اور ذرا سا اپنے ریشمی کپڑوں پر چھڑکنے جارہی تھی کہ چاندوالوں نے اسے روک دیا۔ اور اسے پروں کی پوشاک پہنانے لگے۔ کاگوا نے کہا" ذرا ٹھہر جایئے۔ اس کے پہننے کے بعد تو میری فطرت بدل جائے گی۔ اس لئے ذرا مجھے دنیا کا کام کر لینے دیجئے۔

اس نے اس وقت بادشاہ کو خط لکھا "آپ یقین کیجئے کہ آپ کے حکم کو اپنی خواہش سے نہیں ٹھکرایا۔ مجھے چاند دیس جانا ہی پڑے گا۔ اس کے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے" خط لکھ کر، یہ خط اور بچا ہوا آبِ حیات بادشاہ کے آدمی کو دے دیا۔ پھر پروں کی پوشاک پہن کر رتھ میں جا بیٹھی اور بادل پلک مارتے مارتے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

• لکڑ یارا بوڑھا ہو گیا تھا۔ یہ دکھ نہ برداشت کر سکا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مر گیا۔

• بادشاہ کو بھی بہت دکھ ہوا۔ انھوں نے پوچھا کہ سب سے "اونچا پہاڑ کون ہے؟" ایک درباری نے بتایا کہ دارالسلطنت سے قریب ہی جو پہاڑ ہے وہی سب سے اونچا ہے"

بادشاہ نے اس وقت ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ" جب سے تم کو دیکھ ہی نہیں سکتے تو آبِ حیات کس کام کا۔ جب دل ٹوٹ کر آنکھوں سے بہنے لگے تو مر ہی جانا بہتر ہے۔ پھر ایک سپاہی کو دیا کہ کاگوا کے خط اور آبِ حیات کے برتن کو سب سے اونچے پہاڑ کی چوٹی پر جلا دو۔ سپاہی نے بادشاہ کے حکم کے مطابق اس کو جلا دیا۔

اسی روز سے ان پہاڑوں کا نام فوجی یا امر ہو گیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اب بھی اس کی چوٹی سے آگ کا دھواں نکل کر آسمان کے بادلوں میں مل جاتا ہے

اس پرچے کی پہیلیوں کے جواب :-

(۱) مچھر (۲) کڑھائی توا (۳) مرچ (۴) پیاز (۵) لہسن (٦) زبان (۷) چراغ کی بتی۔

گھروندا

(عارفہ خاتون ۔ متعلّم ۔ بارہ بنکوی)

میرا گھروندا کیسا پیارا — شیش محل کا نقشہ سارا
دیواریں ہیں اونچی اونچی — اینٹیں اس کی پکّی پکّی
آنگن اس کا لمبا چوڑا — بیچ میں اس کے نیم کا پودا
اس کی گھنی شاخوں کا سایا — جیسے بھائی جان کا چھاتا
چاروں طرف ہیں کاٹھ کے سدرے[ف] — کھلے کھلے اور اونچے اونچے
سدروں کے پیچھے ہیں دالان — جس میں ہے گھر کا سب سامان
ایک طرف باورچی خانہ — ایک کنارے ہے پاخانہ
ہنڈکلیا میں روز پکاتی — امّاں، ابّا کو ہوں کھلاتی
ہر موسم میں چین ہے اس میں — سکھ ہی سکھ دن رین ہے اس میں
راج محل ہے میرا گھروندا — میں کھیلوں اور میرا بھیّا

جس دم چاہوں اس کو بگاڑوں
جس دم چاہوں اس کو بنا لوں

ف دالان کے سامنے تین در کا جو برآمدہ ہوتا ہے اسے سہ دری یا سیدری کہتے ہیں

ہمارِی ترقی

جوھر ۔ میرٹھی

(۲)

پرانے زمانے کے لوگ بہت ہوشیار تھے ۔ دیکھو انھوں نے زمین پر ہل چلا چلا کے کیسے اچھے اچھے غلّے اور سبزیاں پیدا کیں ۔ پہ انھیں اطمینان پھر بھی نہ ہوا انھوں نے دیکھا کہ اُن کے دو ہاتھ ہیں ، دو پاؤں ، دو آنکھیں اور منہ میں زبان بھی ہے۔ اب ان لوگوں نے پہاڑوں پر نظر ڈالی ۔ گھنے اونچے اونچے درختوں کو دیکھا تو نہ اُن کے آنکھیں ہی تھیں ، نہ کان اور نہ زبان اور جب اُنھوں نے پانی کے کان ، ناک معلوم کرنے کی کوشش کی اور ہوا سے آنکھ لڑانی چاہی ، تو نہ تو اُن کو ہوا کی آنکھ ہی نظر آئی نہ پانی نے اُن کے سامنے ہاتھ پاؤں مارے ۔ بس اب انھوں نے سوچا کہ کوئی بات ضرور ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں نے اتنی اچھی اچھی چیزیں دیں اور کسی کو بھی عطا نہ فرمائیں اس لئے یقیناً یہ سب چیزیں ہمارے آرام و آسائش کے لئے ہیں اور ہاں دیکھو تو ہوا ہر جگہ ہے۔ اس کے بعد پانی کا نمبر ہے ۔ پس ضرور ہے کہ یہ اللہ میاں کا اشارہ ہے کہ او میرے بندو ہوا اور پانی سے خوب فائدہ اُٹھاؤ ۔ ان میں بڑی قوتیں چھپی ہوئی ہیں"۔

بس اتنی بات سمجھ میں آنا تھی کہ انسان نے عقل اور غور کی فوج جمع کی ، ان میں کوشش اور استقلال جیسے ہتھیار تقسیم کئے ۔ اس کے بعد ہوا اور پانی پر حملہ کرنے کی سوچی ۔ ہوا نے جب یہ دیکھا تو وہ اوپر کو اُڑی تاکہ انسانی فوج کی پہنچ سے اونچی ہو جائے ۔ لیکن پانی کیا کرتا ؟ اس نے بھی ہوا سے مدد مانگی کہ مجھ کو بھی اپنے ساتھ اُڑا لے چل ۔ اور ہوا نے اسے تھوڑی دور تک اُڑانے کی کوشش بھی کی لیکن آخر تنگ آکر پٹک دیا اور بھئی سچ بات تو یہ ہے کہ ہوا کا یہ سلوک ٹھیک بھی تھا ۔ کیوں کہ پانی اپنے پاؤں پر کھڑا

نہ ہو سکا۔ اور جو اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔

در پھر ہوا کا تو غصہ دیکھو کہ آج تک وہ پانی کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہے۔ جمنا کے کنارے جاکر دیکھو لہریں پکار پکار کر اپنی کہانی بیان کر رہی ہیں۔

ہاں تو اب انسان کی توجہ ہوا کی طرف پھر گئی۔ اس نے دیکھا کہ ہموار میدان میں ہوا تیزی کے ساتھ چلتی ہے۔ مثال کے طور پر ہالینڈ ہی کو لو۔ اس لئے ایسی جگہوں پر انسان نے چکیاں بنائیں جو ہوا کے زور سے چلتی ہیں۔ تم نے ہوائی چکیوں کی بابت جغرافیے میں ضرور پڑھا ہوگا۔ لوہے کو پگھلانے اور اس سے طرح طرح کی چیزیں بنانے کے لئے بھٹی بنائی اسی طرح اور بہت سی ضرورت کی چیزیں ایجاد کیں۔

جب یہ کام ختم ہوا تو انسان نے پہاڑوں کے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ ابھی چڑھ ہی رہا تھا کہ آواز آئی۔ دھڑ، دھڑ، دھڑام، دھڑام۔ ارے یہ تو بہت خوفناک آواز تھی۔ اسے سنتے ہی وہ ڈر گیا۔ پیچھے کو ہٹا۔ لیکن ہمت نے اس کی ہمت بڑھائی اور آگے قدم بڑھائے دیکھتا کیا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی سے ایک سفید سفید اژدہا نیچے کی طرف بڑے زور شور سے آرہا ہے۔ آخر بہت دیر سوچنے کے بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ آبشار ہے اور وہی پانی ہے جسے ہم پیتے ہیں۔

اب جو انسان نے پانی کا زور شور اور طاقت دیکھی تو اسے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ سوچا کہ اگر پانی کے زور سے بھٹی چلائی جائے تو بہت فائدہ ہو۔ بس کسی نہ کسی طرح آبشار کے نیچے ایک پہیہ لگایا۔ جس میں چھوٹے چھوٹے ڈبے بھی لگے تھے اور اس طرح جب پانی ڈبوں میں جاتا تو اس کے زور اور طاقت کی وجہ سے پہیہ بھی چلنے لگتا۔

اس قسم کی چھوٹی چھوٹی ایجادیں جاری رہیں یہاں تک کہ جیمس واٹ (JAMES WATS) نے ان سب چیزوں میں ترمیم کی۔ اس نے کوئلے

کی کانیں معلوم کیں۔ اور ان کے منہ پر ایسی مشینیں لگائیں جن کے ذریعے ذرا سی دیر میں اوپر نیچے جا سکیں انھیں ہم لفٹ کے نام سے پکارتے ہیں۔ دہلی کے اسٹیشن پر اس قسم کے کئی لفٹ لگے ہوئے ہیں

دیکھا بھائی پانی کی بدولت انسان کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ دریاؤں کی وادیوں میں عمر گذاری۔ جب تھک گیا تو پہاڑیوں پر چڑھا۔ وہاں آبشار دیکھے۔ ان کی طاقت کا اندازہ لگایا۔ پھر واپس لوٹا۔ میدان میں آیا۔ اور قدرت کے چھپے خزانوں کا بھید معلوم کرنے لگا

پچھلے چالیس سال کے عرصے میں پانی دنیا کی بہت بڑی قوتوں میں شمار کیا جانے لگا لیکن یہ عروج پانی کو بجلی کی وجہ سے ہوا۔ اور کیوں نہ ہو؟ بجلی چیز ہی ایسی ہے۔ اس میں پانی کی طاقت بھی ہے۔ ہوا کا زور بھی ہے اور بھاپ کی قوت بھی ہے۔ ہوا کی طاقت سے چکی چلائی جا سکتی ہے۔ ہوا بھٹی کی تہوں میں چھپ کر آگ جلا سکتی ہے۔ لیکن بجلی کی طاقت ہزاروں میل تک کام دیتی ہے۔ ایک پتلے، لمبے اور گول تار کے ذریعے ہزاروں میل سے بات چیت کر لیجئے۔ ساڑھے سات بجے شام کو سڑک پر کھڑے ہو جائیے اور بجلی کے کھمبے کی طرف دیکھئے۔ صرف ایک بٹن کا اشارہ ہزاروں کیا لاکھوں قمقمے روشن کر دینے کو کافی ہے۔ وہی ذرا سا بٹن بڑی بڑی مشینوں کو حرکت میں لا سکتا ہے۔ بڑی بڑی ملیں چلنے لگتی ہیں۔ اور تو اور فولاد کے دیو کوسوں بھاگے چلے جاتے ہیں۔ اور جب ہم میں سے کوئی اپنی نانی اماں کو یہ باتیں سناتا ہے تو وہ ناک بھوں چڑھا کر چھالیا کو منہ میں پپولتے ہوئے۔ کہتی ہیں۔ "ائے۔ یہ جھاڑو پھرے فرنگی جانے کیا سے کیا کر کے رہیں گے"

تو آپ نے دیکھا کہ بجلی میں کتنی زبردست طاقت ہے۔ آج کل تو تقریباً ہر ایک کام بجلی ہی کے ذریعے سے ہونے لگا ہے

(انگریزی سے ترجمہ)

اِسکاوٹنگ

منور حسین سکریٹری پیام برادری حیدرآباد دکن

(۱) اسکاوٹنگ ایک فرانسیسی لفظ ہے اس سپاہی کے لئے بولا جاتا ہے جو لڑائی کے زمانے میں فوج سے آگے جاکر اور دشمن کے حالات دریافت کرکے اپنے افسر کو اطلاع دیتا ہے۔

مگر اسکاوٹ برادری کی اصطلاح میں اسکاوٹ وہ شخص ہے جو اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے طرح طرح کی مشکلوں کا ہنسی خوشی مقابلہ کرتا ہے۔ دوسروں کی مدد کرنا اس کا اہم فرض ہے۔ اسکاوٹ کو اپنے ملک اور بادشاہ کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کرنے میں بھی تامل نہیں ہوتا۔

(۲) سر رابرٹ بیڈن پاول نے ۱۹۰۸ء میں تربیت اور اخلاقی اصلاح کے لئے چند لڑکوں کو کیمپ میں جمع کیا۔ ان کا یہ تجربہ کامیاب رہا اور اس طرح کام کرتے کرتے بہت جلد انھوں نے ایک برادری قائم کرلی۔ اور اس کا نام "اسکاوٹ برادرہوڈ" رکھا۔ اس برادری کا مقصد یہ تھا کہ شروع ہی سے بچوں کو ایسی تربیت دی جائے کہ وہ آیندہ کامیاب انسان بن سکیں اور ان میں دوسروں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوجائے۔

اس برادری کے قائم ہوتے ہی اکثر ملکوں نے اس کو اپنے مرض کی دوا سمجھ کر قبول کرنا شروع کیا۔ اور اب تو دنیا کے ہر کونے میں یہ تحریک پھیل گئی ہے۔

(۳) عمر کے لحاظ سے اسکاوٹ کے تین درجے ہوتے ہیں۔

۷ سال سے ۱۲ سال تک کی عمر کا لڑکا "کب" کہلاتا ہے —— ۱۲ سال سے ۱۷ سال تک "اسکاوٹ" اور اس کے بعد "روور اسکاوٹ" ان تینوں کی وردیوں میں بھی کچھ اختلاف ہوتا ہے اور کاموں میں بھی ——

(۴) آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ اسکاوٹ ہمیشہ تین انگلیوں سے سلام کرتا ہے۔ یہ تین

آنکھیں، اسکاؤٹ کو تین معاہدے یاد دلاتی ہیں جو اس نے اسکاؤٹ برادری میں شامل ہوتے وقت کئے تھے۔ معاہدے کے الفاظ یہ ہیں:۔ "میں اپنی عزت کی (اسکاؤٹ کو اپنی عزت سب سے پیاری ہوتی ہے) قسم کھاکر وعدہ کرتا ہوں کہ حتی الامکان کوشش کروں گا کہ (۱) جو فرض مجھ پر خدا، بادشاہ اور ملک کی طرف سے عائد ہوتے ہیں ان کو پورا کروں اور اسکاؤٹ کے قانون کی پابندی کروں۔ (۲) دوسروں کی ہمیشہ مدد کروں (۳) اپنے ذہن کو چست، اخلاق کو درست اور جسم کو تندرست رکھوں۔

"کب" ہمیشہ دو انگلیوں سے سلام کرتا ہے کیوں کہ اس کے دو ہی معاہدے ہوتے ہیں (۱) خدا اور بادشاہ کی طرف سے جو فرض اس پر عائد ہوتے ہیں اُن کو پورا کرنا اور "کب پیک" کے قانون پر قائم رہنا (۲) دن میں کسی نہ کسی کے ساتھ نیک کام ضرور کرنا۔

(۵) اسکاؤٹ برادری میں شامل ہونے سے پہلے لڑکے کو چند ضروری باتیں سکھائی جاتی ہیں اس کو اسکاؤٹ قوانین بتائے جاتے ہیں (یہ ۱۲ ہیں اور ان کی اصل آبرو، وفاداری، نیک کام دوستی، اخلاق، جانوروں پر مہربانی، فرماں برداری خوش دلی، کفایت شعاری، بہادری، صفائی اور مذہب شناسی ہیں۔) یونین جیک کی بناوٹ اور اس کو ٹھیک طرح سے لہرانے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ ڈنڈے کا صحیح استعمال اور چند گانٹھیں دینا بھی سکھاتے ہیں

اس کا امتحان دینے کے بعد لڑکا "ٹنڈرفٹ" کہلاتا ہے۔ اور اسے ایک بیج مل جاتا ہے اب سکنڈ کلاس اسکاؤٹ ہونے کے لئے "ٹنڈرفٹ" کو چند اور باتیں سیکھنا پڑتی ہیں مثلاً فسٹ ایڈ اور پٹی باندھنا، تمام حروف کے لئے اشارات جاننا پاؤں کے نشانات سے کھوج لگانا، دو دیاسلائیوں سے زیادہ جلائے بغیر کھلے میدان میں آگ جلانا کھانا پکانا سیونگ بنک میں کم از کم ۸ر جمع کرانا قطب نما کے ضروری نشانات سے واقف ہونا اور تاروں وغیرہ کو دیکھ کر سمت اور وقت معلوم کرنا۔

ان سب کاموں سے واقف ہو جانے کے بعد اسکاؤٹ ماسٹر کی سفارش پر اُسے سکنڈ کلاس بیج مل جاتا ہے - اس کے بعد اب فرسٹ کلاس اسکاؤٹ ہونے کا نمبر آتا ہے - اس کے کورس میں یہ چیزیں داخل ہیں - جن کا امتحان اسکاؤٹ کمیٹی کے مقرر کئے ہوئے لوگوں کے پاس جا کر دینا ہوتا ہے (۱) بآسانی ۵۰ گز تیرنا (۲) اپنا کمایا ہوا کم از کم ایک روپیہ سیونگ بنک میں جمع کرانا (۳) انگریزی اشارات کے مطابق "سافوا" میں بیس الفاظ اور "مورس" میں سولہ الفاظ فی منٹ کا پیغام دینا اور لینا - (۴) سات میل پیدل جانا اور آنا (۵) کیمپ میں عمدہ کھانا پکانا (۶) کلہاڑی کا صحیح استعمال کرنا - (۷) جنگل میں ایک آدمی کے رہنے کے لئے لکڑیاں کاٹ کر جھونپڑی تیار کرنا (۸) نقشے کے ذریعے مقامات اور راستہ دریافت کرنا (۹) فاصلوں اور بلندیوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا - وغیرہ

ان سب چیزوں کا امتحان دینے کے بعد فرسٹ کلاس بیج مل جاتا ہے - مگر اس بیج کا حاصل کرنا بھی اعلیٰ ترین اسکاؤٹ اعزاز نہیں ہے آپ کو یاد ہوگا کہ بحیثیت مبتدی کے لڑکے نے یہ وعدہ کیا تھا کہ "میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ دوسروں کی مدد کروں" لیکن ابھی تک اس کو اپنا یہ وعدہ پورا کرنے کا کافی موقع نہیں ملا اس کے بموجب اعلیٰ ترین اسکاؤٹ اعزاز اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ وعدہ کم از کم چار قومی خدمت گذاریوں کی صورت میں ظاہر نہ کیا جائے - اس کے لئے چند کام مقرر ہیں اور یہ اسکاؤٹ کی مرضی پر موقوف ہے کہ ان میں سے جو چاہے چار کام پسند کرے - مثلاً راستہ تلاش کرنا - (یہ بہت ضروری ہے) (۲) ڈوبتے کو بچانا - (۳) آگ بجھانا (۴) تیمارداری کرنا وغیرہ - اس کے بعد اسے شاہی اسکاؤٹ کا بیج مل جاتا ہے - جو اسکاؤٹنگ کی دنیا میں اعلیٰ ترین اعزاز ہے - اسکاؤٹنگ کی اکثر تعلیم کیمپ میں کھیلوں کے ذریعے دی جاتی ہے اس لئے بچے بہت شوق اور دلچسپی سے سیکھتے ہیں اور بہت جلد انہیں ان کاموں میں پوری مہارت پیدا ہو جاتی ہے آئندہ اگر موقع ملا تو چند ننھے اسکاؤٹوں کی بہادری کے قصے سنائیں گے

صفیہ

ہمارے ابا ذاکر حسین[1] صاحب کی چھوٹی بچی صفیہ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے ایک دن میں نے اُن سے کہا کہ آپ صفیہ پر ایک نظم لکھ دیں چنانچہ انھوں نے یہ... نظم لکھ دی۔ میں آپ کی خدمت میں پیام تعلیم کی کسی اشاعت میں چھاپنے کے لئے بھیجتی ہوں۔ حسن آرا بیگم۔ دختر مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا۔ میرٹھ۔

صفیہ بچی ہے کیسی اچھی۔ سنائیں تم کو بھی اس کی باتیں
وہ پیاری پیاری سی شکل اس کی وہ بھولی بھولی سی اس کی باتیں

گئے جو ذاکر حسین صاحب کے، وہ بھی باتیں لگی بنانے۔
کہا یہ ہم سے کہ "پک رہے ہیں ہمارے آج اچھے اچھے کھانے"

وہ پان لائی اور اپنی جانب سے اس نے خاطر بڑی ہماری۔
کہا یہ خوش ہو کے ہم نے "بس تم بڑی بہن اچھی ہیں تمھاری؟"

وہ بولی "باجی تو گھر میں رہتی ہیں اب نہیں وہ یہاں پہ آتی
مگر وہ روزانہ مدرسے کو کتابیں لے کر ہیں پڑھنے جاتی"

ہماری باتیں یہ ہو رہی تھیں کہ ڈاکٹر ذاکر آن پہنچے
ہوئی ہے کیسی وہ دیکھ کر خوش جب اس کے واں ابا جان پہنچے

ہماری دعوت تھی پر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ ہم ہیں مہماں۔
بیچنے گئے جب وہ "اچھے کھانے" تو وہ بھی بیٹھی پھر آن کر واں

اگرچہ کھاتی ہے تھوڑا تھوڑا مگر ہر اک چیز کی ہے خواہش
کھلائیں کیوں کر نہ اس کے ابا، بہت ہی تمیز کی ہے خواہش

وہ سب سے رہتی ہے بے تکلف ٹھنکتی، چلاتی کچھ نہیں ہے
بلائیے تو وہ فوراً آئے۔ جھجکتی، شرماتی کچھ نہیں ہے

پیار اس پہ نہ کیوں کر آئے وہ صاف ستھری ہے اور بھولی
کہ اس کی معصومیت نے آخر ہم ایسے غافل کی آنکھ کھولی

دلائی یاد اس نے ہم کو یعنی رسول اکرمؐ کی تھی جو عادت
کہ راہ میں سر پہ چھوٹے بچوں کے پھیرتے تھے وہ دست شفقت

خدا کا جلوہ بہت نمایاں ہے چھوٹے بچوں میں اے عزیزو
نہ ان کو گھر کو، نہ ان کو ڈانٹو، نہ ان کو پیٹو، نہ ان کو مارو

[1] ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ

بڑے لڑکوں کے لئے

مشغلے اور پیامی

ابرار الرحمن قدوائی

(۳)

حامد ۔ بھئی اگر مجھ سے پوچھو تو دن بھر کے لئے تو جانا ہی ہے اس لئے بہتر ہے کہ جمنا چلو .....

نعیم ۔ ہاں ہو سکتا ہے ۔ مگر زیادہ دلچسپی نہ رہے گی کہیں اور چلا جائے ۔ تو مزا بھی آئے

محمود ۔ تو آپ جائیے لندن ... ہم غریب ہندوستانی اس سے زیادہ دور نہیں جا سکتے ۔

حامد ۔ ارے اس سے بھی بہتر کوئی جگہ ہو سکتی ہے ؟

رشید ،ضیا ۔ خیر جمنا ہی چلیں گے ۔ مگر کھانے کا انتظام ابھی سے کر لیا جائے ۔

نعیم ۔ کھانا تم سب کا میں لے چلوں گا ۔ یہ میرے سپرد کر دیا جائے ۔

رشید یہ غلط بات ہے ۔ کھانا سب اپنا اپنا لے چلیں اس لئے کہ ہر جگہ سے مختلف چیزیں آئیں گی ۔ اور کھانا لطف دے جائے گا ۔

حامد :۔ ہوں .... یہ بھی ٹھیک ۔

محمود ۔ اچھا پھر جناب آپ لوگ تین تین آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیجئے ۔

ضیار اور صبح کو میں ناشتے دان لے آؤں گا اس میں تمام کھانا اور دو تھرمس رکھے جائیں گے ۔ ایک ٹوکری میں پھل رکھے جائیں ۔ شام کے لئے ۔

نعیم ۔ بس بس ضیا کی بات ٹھیک ہے ۔

محمود ۔ خیر ... اب سب کچھ طے ہو گیا ۔ آپ صاحبان صبح ساڑھے پانچ بجے یہیں آجائیے ۔ اور ہر شخص کوئی نہ کوئی کھیل لائے ۔

حامد ۔ اچھا جناب ضیا صاحب آپ اجازت دیجئے ۔

ضیا ۔ شوق سے ۔

نعیم ۔ اچھا ۔ سلام علیک ۔

ضیا ۔ وعلیکم سلام ....

(سب اپنے اپنے گھر جاتے ہیں اور کھانے وغیرہ کا انتظام کر کے اطمینان سے سو جاتے ہیں ۔ اور نوکروں سے تاکید کر دی جاتی ہے کہ .....

" ٹھیک چار بجے جگا دیا جائے ")

تیسرا منظر

(دوسرے دن ....

پانچ بجے صبح سے سب ضیا کے گھر پر آنا شروع ہوئے ۔ اور ٹھیک ساڑھے پانچ بجے تمام ساتھی ایک نوکر سمیت

دو تانگوں پر سوار ہو کر جمنا کی طرف روانہ ہو گئے۔)

(تین چار گھنٹوں کے بعد .... جمنا کی سڑک پر دو تانگے آکر رُکے۔ اُن میں سے ضیا، رشید، حامد، نعیم، محمود اور ایک نوکر سامان لئے ہوئے اُترتے ہیں۔ تانگے والوں نے بھی اس تفریح سے لطف اُٹھایا۔ تمام دوست ایک کشتی لے کر جمنا میں چلانے لگتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں کھانے کا وقت آجاتا ہے اور وہ لوگ کشتی سے اُتر کر جمنا کے کنارے آتے ہیں وہاں ایک گھنے درخت کے نیچے کھانا کھایا جاتا ہے۔ پھر ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے اپنا رنگ جانا شروع کرتے ہیں اور پھر ایک ایک کر کے سو جاتے ہیں۔ جیسے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوں دو گھنٹے مسلسل سونے کے بعد .... سب سے پہلے رشید کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

رشید (کروٹ اور جمائی لیتے ہوئے) بھئی بہت دیر ہو گئی۔ کچھ لطف نہیں آیا۔ (ضیا کو جھنجھوڑتا ہے) ارے اُٹھو اُٹھو ٹھو ٹھو.... دیکھو کتنی دیر ہو گئی۔ آپ ابھی تک سو ہی رہے ہیں...؟

حامد۔ (اور نعیم جاگ اُٹھتے ہیں پھر ضیا کو جھنجھوڑتے ہیں)۔

ضیا۔ (غصّے سے نیند کے غلبے میں) کون ہے سونے دو.... جاؤ یہاں سے ... میں ابھی نہیں اُٹھتا ہوں..... جاؤ......

رشید ارے یار اٹھو بھی۔ دیکھو تو کتنی دیر ہو گئی ہے؟

ضیا۔ اچھا..... اٹھتا ہوں......

رشید نہیں نہیں.... ابھی اٹھو......

ضیا (کروٹ بدل کر پھر سو جاتا ہے)

حامد۔ اے رشید..... محمود کو جگاؤ.... بس ان پر دھاوا بول دیں۔ دیکھیں کیسے نہیں اٹھتے ہیں۔

نعیم۔ (محمود کو جھنجھوڑتے ہوئے)....... اٹھو .... دیکھو سب اُٹھ گئے..... اور تم سو رہے ہو۔ جلدی سے اٹھو سب جا رہے ہیں......

محمود (آنکھیں ملتا اُٹھ بیٹھتا ہے) کہاں.... کہاں .... کہاں جا رہے ہیں؟

(نعیم، حامد، رشید ہنسنے لگتے ہیں۔)

رشید۔ (چپکے سے محمود کے کان میں کہتا ہے) دیکھو.. ضیا اُٹھتے نہیں ..... تو ہم لوگوں کی یہ رائے ہے.... کہ سب مسٹر ضیا کے اوپر آجکیں؟

محمود۔ ہاں، ہاں ..... چلو پھر دیر کا ہے کی۔؟

رشید ہاں چلو...... نعیم آؤ۔

(سب ایک ساتھ دوڑ کر ضیا کے پیٹ پر بیٹھ کر خوب اُچکتے ہیں اور قہقہے لگاتے رہتے ہیں.... ضیا اچانک چونک پڑتا ہے)

اور غصے میں بڑبڑاتا ہے ......)

ضیا ۔ ہٹو ... جاؤ یہاں سے ... آپ لوگ بڑے بدتہذیب ہیں ... سونے نہیں دیتے مجھے ۔ میں تم لوگوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا ... جاؤ یہاں سے ..... ہٹو ۔ ہٹو ۔ جاؤ ...... ؟

(سب دوست خوب ہنستے ہیں .... اور الگ کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ ضیا کو بھی اُن کے ساتھ ہنسی آ جاتی ہے ... غصہ کافور ہو جاتا ہے ......)

نعیم ۔ لاتوں کا بھوت باتوں سے تھوڑی مانتا ہے ۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو آپ نہ معلوم کب تک سوتے ؟ تمہاری نیند بھی غضب کی ہے ....

رشید ۔ اچھا خیر .... ذرا لوڈو لاؤ

نعیم اچھا ۔ (ایک سوٹ کیس میں سے لوڈو لے آتا ہے .....)

ضیا ۔ ارے یار .... رکھو بھی اسے ۔ اب اس کا وقت نہیں ...... چلو ذرا پتیاں ڈھونڈیں ۔ اچھی اچھی اپنے البم کے لئے ... !

رشید ۔ نہیں بھئی ذرا ٹھہر جاؤ ... ایک بار کھیل لیں پھر ہم بھی چلیں

ضیا ۔ اسے بعد میں کھیلنا .. ورنہ ہم تمہارے ساتھ نہ کھیلیں گے ......

رشید آپ جائیے اپنی ناک میں ...... بڑے (منہ چڑا کر) ہم نہ کھیلیں گے .. !

ضیا ۔ خیر ۔ میں جاتا ہوں .... !

نعیم ۔ جائیے ۔

حامد ۔ (ضیا کا ہاتھ پکڑ کر) کیا تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے ؟ یہ بھی ایک بیماری تم لوگوں میں پھیلنے لگی ..... ہونہہ ...... واللہ کیا کیا لوگ ہیں ۔ میری سمجھ میں تو کوئی فائدہ اس کا آتا نہیں ۔ سوائے وقت گنوانے کے اور کچھ نہیں ....

ضیا ۔ کیوں .... آخر آپ کو اس سے نفرت کیوں ہے اتنی ... ؟

حامد ۔ اس میں بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے .... یہ تو تم جیسا بے وقوف بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے یہ محض شغل بے کاری ہے ۔ نہ کہ آپ اسی کی دھن میں لگے رہتے ہیں ۔

ضیا ۔ خیر جانے دیجئے مجھے ...... آپ کی بلا سے ۔

حامد میں زیادہ اصرار نہیں کرتا ۔ جائیے آپ شوق سے جائیے .....

(چلا جاتا ہے)

(اور یہاں چاروں دوست لوڈو شروع کر دیتے ہیں ۔ ابھی شاید منٹ مشکل سے ہوئے تھے کہ ضیا دوڑتا ہوا خوشی سے آتا ہے اور ہاتھ میں ایک پتی لئے ہوئے ہے ....)

ضیا ۔ لو دیکھو ۔ یہ کیسی عمدہ پتی مل گئی ....

نعیم ۔ (بیچ میں بول اُٹھتا ہے) واہ یہ بھی نہیں جا....

(ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ضیا بول
اٹھتا ہے)

ضیا۔ خیر آپ خاموش رہیے۔ آپ سے کوئی
نہیں پوچھتا۔

(نعیم چپ جاتا ہے۔ سب ہنسنے لگتے ہیں)

رشید۔ بھئی تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کس درخت کی
پتی ہے؟ دیکھو یہ کوئی جنگلی درخت ہے۔ مگر
اس کی یہ شکل کیوں ہو گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے
کہ یہ پتی زمین میں پڑی رہی اور پھر گل کر سڑ گئی
اور اس کا صرف ڈھانچا رہ گیا۔

ضیا۔ (تعجب سے) .... اچھا۔ یہ مجھے نہیں معلوم تھا

رشید۔ اس پتی کو رکھ لو۔ اور رنگ کر اپنے البم میں لگا لینا
بڑا اچھا لگے گا۔

ضیا۔ یار اگر ایسی ہی پتیاں اور ملیں تو بڑا ہی اچھا ہوتا
جاتا ہوں اور ڈھونڈوں گا۔

رشید۔ یہ تو تم گھر پر بھی بنا سکتے ہو .... بڑی آسانی سے

ضیا۔ کیسے؟

رشید۔ کوئی سی پتی لو اور اُسے تقریباً چھ انچ زمین میں
کھود کر گاڑ دو .... پھر ہر روز اس میں پانی دے
دیا کرو۔ دس دن۔ زیادہ سے زیادہ بیس دن
کے بعد اس کو کھود لو۔ پتی بالکل اسی طرح کی
ہو جائے گی۔ اور اسے مختلف رنگوں میں رنگ
لو۔ پھر ..... مثلاً تمہارے البم میں کسی جگہ
نیم کی پتی لگی ہے اسی جگہ اس پتی کو بھی رنگ کر
لگا دو۔ دیکھو پھر البم کتنا اچھا لگے گا۔

ضیا۔ بھئی واہ .... یہ تو تم نے ایک اور مشغلہ بتایا۔
تمہارا بہت بہت شکریہ۔

رشید۔ (مسکراتا ہے)

حامد۔ (گھڑی دیکھ کر۔ غصے سے کہتا ہے) یہ مشاغل
آپ اپنے ہی پاس رکھیے۔ آپ لوگ کوئی پروپیگنڈا
آفیسر تو ہیں نہیں جو مشغلوں کی بھی تبلیغ مذہب کی
طرح کرتے پھریں۔

نعیم۔ (ڈانٹ کر) خاموش رہیے آپ۔

حامد میں خاموش ہوں .... لیکن آپ واپس چلیے
(گھڑی دکھاتا ہے) .... پانچ بج رہے ہیں ...
آپ ابھی لو ٹو اڑا رہے ہیں۔ الیکشن کریں
گے۔ چاہے کبھی یہ بھی نہ سنا ہو کہ الیکشن کس
چڑیا کو کہتے ہیں۔؟

رشید ہاں بھئی چلو .... بڑی دیر ہو گئی اب ...
دیکھیں کے بجے گھر پہنچتے ہیں ..... ؟
(نعیم تانگے والوں کو آواز دیتا ہے۔
تانگے والے آ جاتے ہیں اور تانگے تیار
کرتے ہیں ....)

نعیم۔ (حامد سے، دوسروں کو مخاطب کر کے) ایک مکھی
ماری جا رہی ہیں .... سب سامان
ٹھیک کیجیے، حضرت!
سب دوست سامان تیار کرنے میں مشغول
ہو جاتے ہیں۔ تمام سامان جائزے کے بعد
تانگوں پر رکھ دیا جاتا ہے اس کے بعد
سب دوست روانہ ہو جاتے ہیں ....) (پردہ)

برسات

ایم اے وفا۔ فرخ آبادی

برسات سر پہ آئی
کالی گھٹائیں لائی

گھر گھر کے آئے بادل
ہر سمت چھائے بادل

ہر پھر کے آ رہے ہیں
گھر گھر کے آ رہے ہیں

موتی لٹا رہے ہیں
دریا بہا رہے ہیں

بجلی لپک رہی ہے
کھیتوں کو تک رہی ہے

کیا مست ہیں ہوائیں
گھنگھور ہیں گھٹائیں

وہ بوند بوند ٹپکی
پھر لگ گئی جھڑی سی

بارش کا شور دیکھو
پانی کا زور دیکھو

جھم جھم برس رہا ہے
چھم چھم برس رہا ہے

لہرا رہی ہیں نہریں
بل کھا رہی ہیں نہریں

باغوں میں شان آئی
کھیتوں میں جان آئی

سبزہ نکھار پہ ہے
کھیتی بہار پہ ہے

میدان میں ہے پانی
پانی میں ہے روانی

بچے نہا رہے ہیں
ہنس ہنس کے گا رہے ہیں

پنچھی چہک رہے ہیں
بچوان بک رہے ہیں

جھولے پڑے ہوئے ہیں
ڈورے پڑے ہوئے ہیں

ہمجولیاں کھڑی ہیں
آپس میں لڑ پڑی ہیں

کچھ گنگنا رہی ہیں
ساون اڑا رہی ہیں

رحمت کی ہے نشانی
برکھا کا نیر پانی

حیوان پی رہے ہیں
انسان جی رہے ہیں

سیراب ہو رہے ہیں
شاداب ہو رہے ہیں

سن لو مری زبانی
پانی ہے زندگانی

ہماری بیٹری

علی احمد صاحب - بی ایس، سی (استاد جامعہ)

اگست کے پیام میں ہم نے رگڑ سے بجلی پیدا کرنے کا طریقہ بتایا تھا اور چند ایک کھیل بھی بتائے تھے بہت ممکن ہے تم میں سے اکثر کو ان کھیلوں میں کامیابی نہ ہوئی ہو۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ یہ شرط تھی کہ کنگھا اور بال دونوں خشک ہونا چاہئیں۔ اور برسات کے موسم میں ہوا میں عام طور پر نمی رہتی ہے۔

اب ہم تمھیں ایک ایسی بجلی کے متعلق بتانا چاہتے ہیں جو رو کی شکل میں تانبے کے تار کے اندر ہی اندر چلتی ہے جس طرح نلوں میں پانی بہتا ہے۔ ایسی بجلی سے تم کئی ایک کھیل اور تجربے کر سکتے ہو۔

بازار سے ایک چپٹی بیٹری خرید لو جو ۳ میں مل جائے گی۔ اس چپٹی بیٹری کو تم نے پہلے بھی شاید دیکھا ہو۔ اس کے ایک طرف کاغذ کی ایک پٹی لگی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کو ابھی تک کسی نے استعمال نہیں کیا۔ کاغذ کی پٹی کو اتار دو۔ اس کے نیچے سے پیتل کے دو چمک دار پترے نکلیں گے۔ ایک لمبا اور دوسرا چھوٹا۔
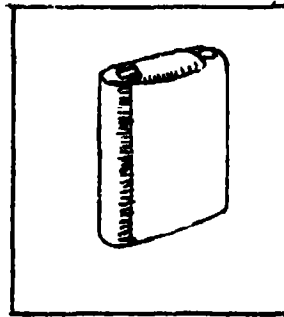
اس بیٹری کو کسی نے استعمال نہ کیا ہو جب بھی اندیشہ ہے کہ دکان میں پڑی پڑی خراب نہ ہوگئی ہو۔ اس لئے کہ ان میں سے اکثر تین ماہ کے بعد خراب ہو جاتی ہیں۔ پیتل کے دونوں پتروں کو ذرا موڑ کر سیدھا کر لو۔ اور بیٹری کو ہاتھ میں لے کر پتروں کو زبان سے لگاؤ۔ اُف کیسا سیٹھا اور تیز مزا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹری میں بجلی کی طاقت موجود ہے اور ہمارے دلچسپ کھیلوں کے لئے بجلی کی رو دینے کے لئے تیار ہے۔

ایک چھوٹا خوبصورت چراغ

بازار سے ایک چھوٹا سا قمقمہ خرید لو اچھا قمقمہ دو آنے میں ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہولڈر بھی لے لو جس میں دو تار ایک سفید اور ایک سرخ لگے ہوتے ہیں۔ اس ہولڈر کے نچلے حصے میں یا ادھر ادھر کسی ٹین ساز سے آدھ انچ والی کیل ٹانکے سے جڑوا لو۔ یہ ایک قسم کا چھوٹا سا برقی چراغ بن جائے گا۔

بجلی کی رو کا پہلا سفر

تم جانتے ہو کہ بجلی روشن کرنے میں کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی۔ بستر پر لیٹے لیٹے بھی ایک بٹن دبا کر روشنی کر سکتے ہو۔ لیکن اس کے لئے دو تار لگانا ہوں گے ایک بیٹری کے ایک پترے سے قمقمے تک اور دوسرا قمقمے سے دوسرے پترے تک۔ ان میں سے ایک تار بجلی کے لئے جانے کا راستہ اور دوسرا آنے کا راستہ

مہیا کرے گا۔ اس لئے کہ بجلی کی رو اس وقت تک روانہ
نہیں ہوتی جب تک اس کے لئے جانے اور آنے کا راستہ
نہ تیار کر دیا جائے۔ اس کے راستے کے لئے اگر ایک ہی
تار لگا دیا جائے تو رو اپنی جگہ سے کبھی روانہ نہ ہوگی۔ اب
اپنے چھوٹے چراغ کو لکڑی کے ایک تختے میں
گاڑ دو اور دونوں تاروں کے سروں پر سے آدھے
انچ کی لمبائی تک دھاگا اتار کر ایک کو بڑے پترے
سے اور دوسرے کو چھوٹے پترے سے باندھ دو۔ آہا
ہمارا چراغ روشن ہو گیا۔

حصے سے ملایا جاتا ہے۔ بجلی کی رو ایک طرف سے
قمقمے میں داخل ہو کر اس کو روشن کرتی اور پھر واپس
بیٹری میں آ جاتی ہے۔

بجلی کا بٹن

تم جانتے ہو کہ بجلی روشن کرنے
کے لئے ایک بٹن دبایا جاتا ہے
اس بٹن کے دبانے سے بجلی کے آنے اور واپس جانے
کے دونوں راستوں کو ملا دیا جاتا ہے۔ جس طرح کسی
دریا کے دونوں کنارے ایک پل کے ذریعے ملے ہوتے
ہیں۔ تاکہ لوگ آسانی سے ایک طرف سے دوسری

اپنے چراغ کا کیل والا ہولڈر اتار کر قمقمے
کو اچھی طرح سے دیکھو۔ اس کے نچلے سرے پر ایک
سفید نقطہ ہے۔ اس کے اردگرد سیاہ دائرہ ہے۔ سیاہ
دائرے اور کانچ کے گولے کے درمیان دھات کا
پیچ دار حصہ ہے۔ کانچ کے گولے کے اندر چھلے کی شکل
کا ایک باریک تار ہے۔ اس تار کا ایک سرا سفید
نقطے سے اور دوسرا سرا درمیان والے پیچ دار حصے
سے ملا ہوتا ہے۔ قمقمے کو روشن کرتے وقت بیٹری کے
ایک تار کو سفید نقطے سے اور دوسرے تار کو پیچ دار

طرف جا سکیں۔ اسی طرح بجلی کے بٹن کے اندر کی کمانیاں
بجلی کی رو کو گذرنے کے لئے ایک پل کا کام دیتی ہیں۔
آؤ ہم تم کو ایک سادہ بٹن بنانے کی ترکیب بتائیں۔
کسی نرم لکڑی کی ایک گول تختی۔ پیتل یا ٹین
کا کوئی دو انچ لمبا، پاؤ انچ چوڑا پترا اور ایک انچ لمبی پتلی
کیل لے لو۔ پترے کے درمیان میں سوراخ کر کے اس
میں سے کیل گذار دو۔ اب اس کیل کو گول تختی کے درمیان
میں گاڑ کر اس کے دونوں کناروں پر دو ڈرائنگ پن
آمنے سامنے اس انداز سے گاڑو کہ پترے کے دونوں

سرے گھومتے وقت پنوں کو چھو کر جائیں۔ اب اپنے چھوٹے قمقمے کا ایک تار بیٹری کے ایک پترے سے اور سرے پر تھوڑا سا سوتی یا ریشمی دھاگا لپیٹ دو جب چھوٹے چراغ کو روشن کرنا ہو تو کیل گھماؤ تاکہ تیرے کے
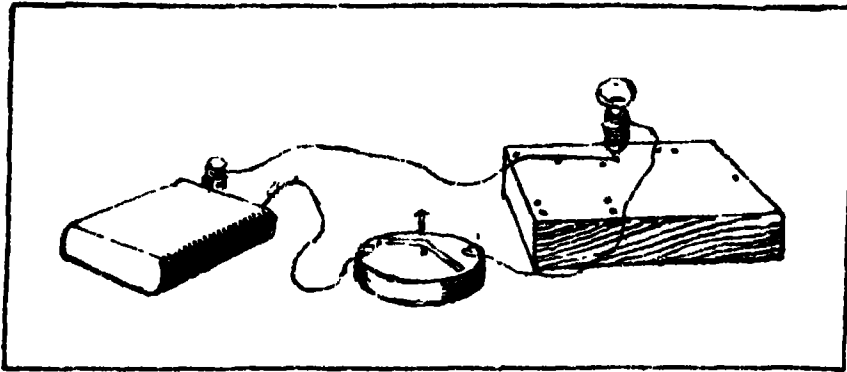
دوسرا تار پن نمبر ۲ سے باندھ دو۔ کیا تم نے بجلی کی رو کے لئے آنے جانے کا راستہ بنا دیا۔ نہیں۔ ابھی بیٹری کا دوسرا پترا تو علیحدہ ہے۔ اس لئے ایک چھوٹے سے تار سے اس کو دوسری پن سے جوڑ دو۔ اب کیل کے دونوں سرے پنوں کے ساتھ مل جائیں۔ اپنی بیٹری کو سنبھال کر رکھو اس سے ابھی ہمیں بہت سے کھیل بنانا ہیں اگر تمہیں ان کھیلوں میں کوئی وقت معلوم ہو یا کوئی بات دریافت کرنا چاہو تو مجھ سے جوابی خط بھیج کر دریافت کر لو۔

کام کی باتیں

(۱) پنیر کے ساتھ تھوڑی سی چینی رکھ دینے سے پنیر کی تازگی میں فرق نہیں آتا۔

(۲) زنگ دار چیز پر پیاز کا ٹکڑا مل کر ایک روز یوں ہی پڑا رہنے کے بعد دھو لیا جائے زنگ دور ہو جاتا ہے۔

(۳) بچھو کے کاٹے پر دار چینی کا تیل لگانے سے درد فوراً دور ہو جاتا ہے۔

(۴) پانی میں چمچہ بھر پسا ہوا کوئلہ ملا لینے سے پھول زیادہ دیر تک تازہ رہیں گے اور پانی بدلنے کی ضرورت نہ ہو گی

(۵) مچھلی کا کانٹا حلق میں پھنس جائے تو لیموں نچوڑ لیجئے۔

(۶) گھاس کی بنی ہوئی چٹائیوں کو دھونا ہو تو پانی میں نمک ملا لینا چاہیئے

(۷) صندوق میں چاندی کے برتن رکھو تو تھوڑا سا کافور بھی رکھ دو۔ چمک دمک قائم رہے گی۔

(۸) اگر کوئلوں کو سلگاتے وقت ان پر تھوڑا سا نمک ڈال دیا جائے تو دیر تک سلگتے رہیں گے۔

ع۔ ف چھپرا متو۔

سندر

محترمہ صالحہ عابد حسین

(۲)

راج کماری خوف سے کانپتی جاتی تھی، اس سے یہ خوفناک منظر نہ دیکھا گیا۔ اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور بولی" اچھے سندر تم مجھے یہاں سے لے چلو مجھ سے یہ حال دیکھا نہیں جاتا"۔ سندر نے راج کماری کو سہارا دیا اور باہر باغ میں لاکر بٹھادیا۔ سندر اس وقت دیو کو مار کر اور راج کماری کو قید سے چھڑاکر پھولا نہ سماتا تھا جب راج کماری کے اوسان درست ہوئے تو سندر اُسے لے کر غار میں آیا اور بولا" راج کماری اس ٹوکری میں بیٹھ جاؤ" راج کماری نے جواب دیا" تم بھی تو آؤ میں تمھیں یہاں اکیلا چھوڑکر ہرگز نہ جاؤں گی" سندر نے کہا" یہ رسی اتنی مضبوط نہیں ہے کہ دو آدمیوں کا بوجھ سنبھال سکے اور تمھاری جان میری جان سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ اس لئے تم ہی پہلے جاؤ۔ پھر اللہ نے چاہا تو میں بھی آجاؤں گا"۔

راج کماری سندر کی خوب صورتی، خوش مزاجی بہادری اور رحم دلی سے بہت متاثر ہوئی اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ سندر کے اتنے بڑے احسان کا کیا بدلہ دے سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے اس کے دل میں ایک بات آہی گئی اور اس نے کہا" اچھے سندر جب ہم خیریت سے اوپر پہنچ جائیں گے تو تمھارے احسانوں کے بدلے میں تم سے شادی کرلوں گی"۔ سندر نے ہنس کر کہا:-

"راج کماری تم ایک بڑے راجہ کی بیٹی ہو۔ اور میں ایک غریب لکڑ ہارا۔ بھلا میرا، تمھارا کیا جوڑ۔ کمخواب میں گاڑھے کا پیوند کیا بھلا لگے گا"۔

راج کماری کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے سندر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا" ہاں ہاں تم کسی بڑے خاندان سے نہیں ہو۔ مگر تمھاری بہادری خوش مزاجی، رحم دلی اور نیکی بڑوں بڑوں کو نصیب نہیں اصلی چیز آدمی کی اپنی خوبی ہے۔ امیری، غریبی، ذات پات سب ڈھکوسلا ہے۔ میں ان میں سے کسی بات کو نہیں مانتی۔ میرے خیال میں تم دنیا کے سب سے اچھے آدمی ہو۔ اپنی نشانی یہ انگوٹھی تمھیں دیتی ہوں۔ اب ہماری منگنی پکی ہوگئی"۔ یہ کہہ کر راج کماری نے اپنی انگلی کی ایک ہیرے کی خوبصورت انگوٹھی سندر کے ہاتھ میں پہنادی۔ بچارے غریب سندر کے پاس سوائے چاندی کے موتیوں کے ایک کنٹھے کے اور کچھ بھی نہ تھا اس نے وہی گلے سے اتارا اور کہا" راج کماری یہ مجھ غریب کی نشانی ہے"۔ راج کماری نے جلدی سے سندر کے ہاتھ سے یہ کنٹھا لے لیا اور چوم کر بڑے پیار سے اپنے گلے

میں پہن کر بولی "میں زندگی بھر اسے پہنے رہوں گی۔"

سندر نے تین مرتبہ زور زور سے رسّی کو ہلایا جس سے اوپر گھنٹی بجی اور ٹوکری اوپر کو اُٹھنے لگی۔ سندر اور راج کماری نے ہاتھ ملایا۔ ٹوکری کافی اونچی ہوگئی تھی کہ سندر کے کان میں آواز آئی "پیارے سندر جلدی آنا، میں تمھارا انتظار کروں گی۔"

راجہ رانی اور تمام رعایا بہت بے تابی سے سندر کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ خدا خدا کرکے ٹوکری اوپر آئی اس میں بیٹھی ہوئی راج کماری نظر آئی۔ ماں باپ دونوں اپنی اکلوتی لاڈلی بچی کو زندہ سلامت دیکھ کر خوشی سے بے تاب ہوگئے اور دوڑ کر اُسے گلے لگا لیا اور رونے لگے۔ تمام لوگ خوشی سے چلائے "راج کماری زندہ باد"۔ "سندر زندہ باد"۔ اس وقت راجہ اور پرجا سب ہی خوش تھے۔ سوائے جاتی کے جو ایک امیر کا لڑکا تھا۔ اُسے خیال تھا کہ راجہ راج کماری کی شادی اس کے ساتھ کردے گا۔ اُس نے سوچا کہ سندر غار سے زندہ نکل آیا تو ضرور راجہ اُس سے راج کماری کو بیاہ دے گا۔ اس نے چپکے سے رسّی کاٹ دی اور جلتی ہوئی آگ غار کے منہ پر رکھ دی۔ غار میں سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھ کر سب لوگ یہ سمجھے کہ دیو بدلا لینے آرہا ہے۔ اور چیختے چلاتے شہر کی طرف بھاگ گئے۔

اب سندر کا حال سنو۔ وہ بچارا ٹوکری میں بیٹھا اوپر کی طرف جا رہا تھا کہ یکایک رسّی ٹوٹ گئی اور وہ کئی گز اونچے سے گر پڑا مگر زمین نرم تھی۔ اس کے زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ ساری رات سندر نے وہیں گذاری سیلی زمین پر بیٹھا سوچتا رہا کہ اس غار سے کیسے نکلوں صبح کے وقت اُسے خیال آیا کہ باہر نکل کر ڈھونڈے شاید کوئی اور راستہ نکلنے کا مل جائے۔ وہ دیو کے خوب صورت گھر کے قریب آیا اور سیڑھیوں کے پاس کھڑا تھا کہ اُسے ایک باریک سی چیخ سنائی دی۔ سندر نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا کہ سامنے ایک بڑا سا لکڑی کا دروازہ تھا اور اس میں پیتل کا مضبوط قفل پڑا تھا۔ سندر اپنی تلوار سے قفل کھولنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے ایک اور دردناک چیخ سنائی دی۔ سندر نے پورا زور لگا کر قفل کھول ڈالا۔ کواڑ کھولے تو کیا دیکھتا ہے کہ بیچ کمرے میں کوئی چیز زنجیروں میں بندھی ہوئی لٹک رہی ہے جس کا چہرہ انسانوں کا سا اور جسم مچھلی جیسا ہے۔ چار پاؤں بھی ہیں۔ اس نے سندر کو دیکھتے ہی کہا: "سندر خدا کے لئے مجھے اس مصیبت سے نکالو۔ میں تمھیں بہت انعام دوں گا" سندر پہلے تو ڈرا۔ مگر اس کی تکلیف دیکھ کر اُسے رحم آگیا دل کڑا کرکے جلدی جلدی زنجیریں الگ کیں۔ وہ چیز ایک منٹ تک زمین پر تڑپتی رہی اور پھر کھڑی ہوگئی اب سندر کے سامنے ایک بہت خوب صورت لڑکا عمدہ لباس پہنے کھڑا تھا۔ اس نے سندر کو گلے سے لگا لیا اور کہا "میرا نام پورجن ہے۔ میں سمندر کے بادشاہ ثامر کا بیٹا ہوں۔ کل جب تم یہاں سے گذرے تھے تو میں نے آواز دی تھی مگر تم نے نہیں سنی۔ آج پھر مجھے پاؤں کی چاپ معلوم ہوئی تو میں نے آوازیں دیں۔ میں تمھارا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے مجھے آزاد کر دیا۔ میں ہمیشہ تمھیں یاد رکھوں گا۔"

سندر نے کہا - اس میں شکریے کی کیا بات ہے
یہ تو میرا فرض تھا کہ آپ کو مصیبت میں دیکھ کر مدد کروں
اچھا یہ تو بتایئے کہ آپ یہاں کیسے آپہنچے تھے ؟"
پورجن بولا " میں سمندر کے کنارے کھیل رہا
تھا کہ یہ دیو جسے کل تم نے مارا ہے وہاں آیا اور مجھ سے
کہا کہ تیرے باپ کے محل میں شربت کی ایک بوتل رکھی ہے
جس کا ایک گھونٹ اگر کوئی پی لے تو وہ ہمیشہ زندہ رہ سکتا
ہے - مجھے وہ بوتل لادے "۔ میں نے کہا " مجھے نہیں معلوم وہ
بوتل کہاں رکھی ہے - اس پر اس نے پہلے تو مجھے ڈرایا
دھمکایا اور پکڑ کر یہاں لاکر قید کر دیا - جب سے میں اس
مصیبت میں گرفتار تھا "
سندر نے کہا " مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میں آپ
کے کام آسکا اور آپ کو آزادی حاصل ہوگئی - مگر اب مشکل
یہ آپڑی ہے کہ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا "
سمندری شہزادے نے سندر کا ہاتھ پکڑ کر کہا
" آؤ ڈھونڈیں - یہاں کہیں نہ کہیں دریا ضرور ہوگا - دریا
مل جائے تو ہمارا کام بن جائے گا " دونوں دریا کی تلاش
میں نکلے - بہت دیر کے بعد انھیں دور سے ایک ندی
نظر آئی - دونوں دوڑتے ہوئے اس کے قریب آئے -
پورجن ندی میں کود گیا اور پھر اپنی پہلی شکل میں بدل گیا
اور سندر سے کہنے لگا " آؤ تم میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ - مگر
آنکھیں بند کر لو - جب تک میں نہ کہوں آنکھیں ہرگز نہ
کھولنا " سندر نے پورجن کی پیٹھ پر سوار ہو کر آنکھیں
بند کرلیں - اسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پانی پر اُڑ رہا
ہو - کبھی اسے ایسا اندازہ ہوتا جیسے پانی کے اندر جا رہا ہو
مگر عجیب بات یہ تھی کہ اس کا جسم پانی میں ذرا بھی نہ بھیگا -
کوئی گھنٹہ بھر بعد پورجن نے کہا " بھائی اب آنکھیں کھول
دو " سندر نے دیکھا کہ وہ ایک ریتلی زمین پر کھڑا ہے
اور چاروں طرف گہرے سبز رنگ کا سمندر لہریں مار
رہا ہے -
سندر " ہم کہاں ہیں "
پورجن " تم میرے ملک میں ہو - اب میں تمھیں
اپنے ابا کے محل میں لے چلوں گا - وہ تم سے مل کر بہت
خوش ہوں گے "
سندر " مگر بھائی میں تو اپنے گھر پہنچنا چاہتا ہوں
میری اماں میرے گم ہونے سے بہت پریشان ہوں گی "
پورجن " میں وعدہ کرتا ہوں کہ کل تک میں
تمھیں تمھاری والدہ کے پاس پہنچا دوں گا "
یہ کہہ کر پورجن سندر کو لئے ہوئے آگے
بڑھا - بیچ سمندر میں سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا محل کھڑا
تھا جس میں ایسے خوب صورت رنگوں کے پتھر اور اتنے
بڑے بڑے موتی جڑے ہوئے تھے جن کو دیکھ کر سندر
کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں - دروازے پر موتیوں سے
" سمندری بادشاہ کا محل " لکھا ہوا تھا - اور ایک مگرمچھ دربانی
کر رہا تھا - شہزادے کو دیکھتے ہی سارے محل میں شور
مچ گیا " شہزادہ آگیا " کھویا ہوا شہزادہ مل گیا " بہت
سے لڑکے ، لڑکیاں خوشی میں ناچنے لگے بہت سے لوگ
شہزادے کے قدموں پر آکر گر پڑے -

(باقی آئندہ)

نئی دنیا کا سفر

از سعید انصاری صاحب بی اے جامعہ۔ ایم اے۔ کولمبیا

(۴)

اٹلی | وینس دیکھ کر مجھے کشمیر کا سری نگر یاد آنے لگا۔ تمام شہر پانی پر آباد ہے اور پانی کی نہریں تمام حصوں میں اس طرح گھومتی پھرتی ہوئی جاتی ہیں جس طرح عام شہروں میں سڑکیں اور گلیاں۔ ان نہروں کے کنارے دو رویہ مکان نہایت اونچے اونچے اور عالی شان بنے ہوئے ہیں۔ ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر آنے جانے کے لئے تھوڑی تھوڑی دور پر پل بنے ہوئے ہیں نہروں میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہر وقت چلتی رہتی ہیں جنھیں وہاں گنڈولے کہتے ہیں۔ ایک بڑی نہر جسے وہاں کی شاہراہ سمجھئے، شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گذرتی ہوئی جاتی ہے یہ اتنی بڑی اور لمبی ہے کہ اس میں بڑی بڑی دخانی کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ بڑی بڑی دکانیں، کارخانے اور دفتر وغیرہ سب اسی کے کنارے واقع ہیں۔ تصویروں میں یہ باتیں صاف نظر آتی ہیں۔

سینٹ مارکو اس شاہراہ کے بالکل بیچ میں ہے جیسے چاندنی چوک کے بیچ میں گھنٹہ گھر۔ یہ ایک پرانا گرجا ہے۔ اس کے آس پاس تمام بڑے بڑے دفتر اور دکانیں ہیں۔ یہ گرجا گھر بہت پرانے زمانے سے چلا آتا ہے۔ اس میں دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشوں پر حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ اور دوسرے لوگوں کی تصویریں نہایت اچھی بنی ہیں۔ اس گرجا گھر کے آس پاس بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ آدمیوں کے ہجوم کے ساتھ ساتھ جنگلی کبوتروں کے پٹے کے پرے ہر وقت اڑتے رہتے ہیں اور لوگوں سے اس قدر مانوس ہوگئے ہیں کہ انھیں جنگلی کہنا غلطی ہے۔

وینس شہر اصل میں کوئی چار جزیروں پر پھیلا ہوا ہے اس میں سب سے بڑا جزیرہ وینس ہے۔ لیکن باقی تین اور حصے ذرا کچھ کچھ فاصلے پر ہیں۔ ان جزیروں پر موٹر کشتیوں کے ذریعے نہایت آسانی سے جاسکتے ہیں ان میں سے ایک جزیرے پر ہم گئے۔ جہاں نہایت پرانی آبادی قدیم زمانے سے اس وقت تک چلی آتی ہے یہ پرچند نہایت پرانے گرجے اسی زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں حضرت عیسیٰ اور ان کے صلیب پر چڑھائے جانے یا ان کے قبر سے اٹھنے کی نہایت اچھی اچھی تصویریں بنی ہوئی ہیں عقیدت مند عیسائی مرد اور عورتیں آتے ہیں اور ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔ یوں بھی عام طور سے اس بستی کی تمام آبادی پر ایک مذہبی رنگ نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے وہ اس زمانے کے لوگ ہیں جب ہی تو پانی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے نے ان کو یورپ کی زندگی سے کس طرح الگ تھلگ کر دیا ہے۔

اسی سلسلے کا ایک اور جزیرہ لڈو کہلاتا ہے جو بہت چھوٹا اور خوش نما ہے۔ یہ اتنا چھوٹا ہے کہ اس میں ٹریم موٹر کار، یا کسی اور سواری کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ صرف ایک سیدھی سڑک چلی گئی ہے۔ جس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے مکانات ہیں۔ اس سڑک پر جگہ جگہ قہوہ خانے اور چائے کی نہایت صاف ستھری دکانیں بھی نظر آتی ہیں جن پر لوگ بیٹھے ہوئے ہر وقت شراب اور شربت کا لطف اٹھاتے رہتے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ اٹلی میں انگور اس کثرت سے ہوتا ہے اور بالخصوص ان جزیروں میں، کہ ہر شخص پینے کے لئے انگور کا شربت اور شراب ہی استعمال میں رکھتا ہے۔

وینس ایک صنعتی شہر بھی ہے اس کی صنعتوں میں ایک نہایت دلچسپ صنعت شیشہ گری ہے یہ شیشے کی لکڑیوں کو تیز آگ پر پگھلاتے ہیں اور پھر اس میں پھونک مارتے ہیں جس سے وہ گول غبارے کی شکل کا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے وہ جو گول چیز چاہتے ہیں بنا لیتے ہیں۔ وہ پگھلے ہوئے شیشے سے نہایت باریک تار بھی کھینچتے ہیں اور اس سے مختلف چیزیں بناتے ہیں۔ شیشے کے قلم سے وہ نہایت اچھے نقش و نگار بناتے ہیں جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ تمام صنعت ہاتھ کی کاری گری کا نتیجہ ہے اور نہایت قدیم زمانے سے چلی آئی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے لوگ جو کلوں کی چیزوں سے اکتا گئے ہیں ان چیزوں کو بڑے شوق سے خریدتے ہیں ایشیائی سیاح بھی اکثر چیزیں اپنے ساتھ لاتے ہیں۔

لیکن جو خرابیاں اس قسم کی دیسی صنعتوں میں ہوتی ہیں وہ یہاں بھی موجود ہیں۔ اس قسم کے بہت سے کارخانے ہیں جو ایک دوسرے سے مقابلے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔ ان کے دلال یا ایجنٹ گاہکوں کی ٹوہ میں ہر طرف پھرتے رہتے ہیں اور جن دام میں ہوتا ہے لوگوں کو کھینچ لاتے ہیں۔ کارخانے والے بھی ان گاہکوں کو کسی طرح ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

میں وینس میں کوئی چند ہی دن ٹھہرا۔ مجھے یہاں پہنچ کر یہ طے کرنا چاہئے تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں جرمنی یا امریکہ۔ لیکن یہاں پہنچ کر بھی مجھے کچھ زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور میں نے سوچا کہ آخری فیصلہ میں انگلستان چل کر بھی کر سکتا ہوں، اس لئے کہ وینس سے اور انگلستان سے جرمنی کا راستہ کم و بیش برابر ہے، اور انگلستان سے سیدھے امریکہ بھی جا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے انگلستان کا رخ کیا۔

اٹلی سے انگلستان سمندر کے راستے بھی جا سکتے ہیں اور خشکی کے راستے بھی لیکن میں کچھ تو سمندر کے سفر سے تھک گیا تھا اور کچھ اس خیال سے کہ خشکی کے راستے کئی ایک ملکوں کی سیر ہو جائے گی، میں نے خشکی ہی کا راستہ اختیار کیا۔ کرایے میں بھی دونوں کے کچھ بہت زیادہ فرق نہ تھا چنانچہ میں وینس سے انگلستان ریل کے ذریعے روانہ ہوا۔ ریل کے ذریعے کئی راستے جاتے تھے ایک میلان اور تورینو ہوتا ہوا پیرس جاتا تھا اور دوسرا شمال سے سوئٹزرلینڈ ہوتا ہوا۔ میں نے ان دونوں میں سے شمالی راستہ اختیار کیا۔

میلان : جہاں یہ مشہور گرجا بنا ہوا ہے تفصیل مضمون (نئی دنیا کا سفر) میں دیکھو
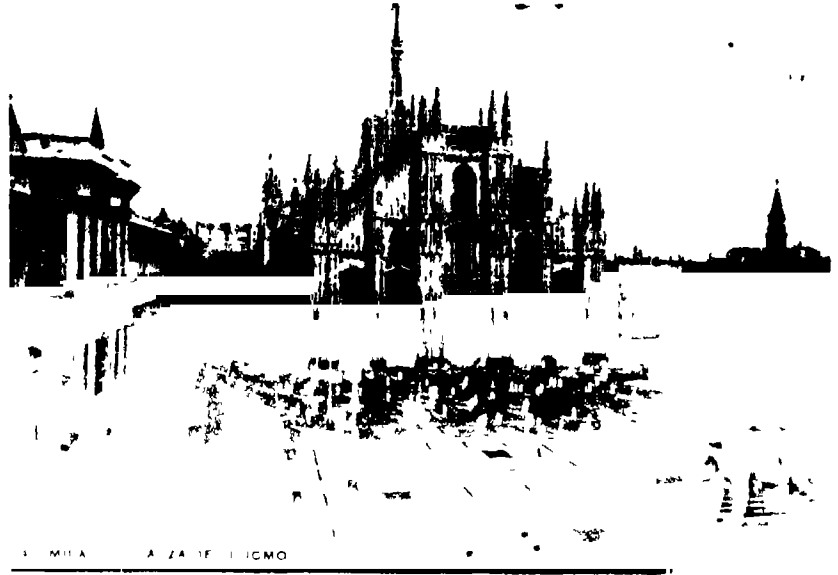
سینٹ مارکو : وینس کا مشہور چوراہا

ایفل ٹاور۔ فرانس کا مشہور مینار جو دہلی کے قطب مینار کی طرح مشہور ہے

فرانس میں پہاڑیں کثرت سے ہوتی ہیں اور وہاں کے کسانوں کی زندگی کا ان پر بہت کچھ دار و مدار ہے

وینس میں پہنچ کر ہمارے جتنے ہندوستانی ساتھی تھے، سب تتر بتر ہوگئے۔ کوئی فوراً سیدھا اپنی منزل مقصود کو روانہ ہوگیا، کچھ لوگ اور زیادہ عرصہ وینس میں ٹھہرے۔ کوئی ایک راستے سے گیا تو کوئی دوسرے سے کثر ان میں سے مختلف جگہوں کو جا رہے تھے، پھر بھی بیشتر کا قبلۂ رُخ انگلستان ہی تھا۔ میرے ساتھ بھی دو چار ہندوستانی سوار ہوئے۔ لیکن میں جس ڈبے میں بیٹھا۔ اس میں ایک امریکن خاتون تھیں جو قسطنطنیہ کے رابرٹ کالج میں معلمہ تھیں۔ اور ایک انگریز نوجوان تھا جو مصر سے آرہا تھا۔ جہاز کے سفر میں تو اتنے ہندوستانی ہم سفر تھے کہ بمشکل کبھی اپنی اجنبیت کا احساس ہوا۔ لیکن اس ایک ڈبے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی نئی جگہ میں پہنچ گیا ہوں۔ وہ اپنے ایک طرف مصروف اور میں الگ ایک جانب کو بیٹھا ہوا۔ وہ یہ سمجھے ہوں گے کہ یہ کہاں سے ایک ناخواندہ مہمان ڈبے میں آگیا اور میں یہ خیال کرتا کہ یہ کم بخت کیوں یہاں موجود۔ پھر بھی ایک دن رات کے سفر میں ایسی صورتیں پیش آئیں جن سے وہ اجنبیت جاتی رہی۔

وینس سے جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں، دو راستے جاتے ہیں :۔ ایک سوئٹزرلینڈ ہوتا ہوا، پیرس کو جاتا ہے اور دوسرا سیدھے میلان ہوکر جاتا ہے اور سوئٹزرلینڈ بالکل چھوڑ دیتا ہے۔ میں ایک راستے سے ہوکر گیا تھا اور دوسرے راستے ہوکر آیا تھا۔ اس لئے مجھے دونوں راستوں میں اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے جو بہترین حصے آتے ہیں اُن کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اٹلی میں میلان ایک بہت پرانا شہر ہے اور پرانے زمانے سے تہذیب و تمدن کا مرکز چلا آتا ہے۔ یہاں ایک بہت اچھا گرجا ہے جس کی تصویر اس مضمون میں کہیں دی گئی ہے۔ میں نے بہت سے گرجے دیکھے ہیں لیکن اس سے بہتر مجھے کوئی گرجا نظر نہیں آیا۔ اس کے کنگرے اور برجیاں خود تصویریں دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ فن معماری کا کس قدر بہترین نمونہ ہیں۔ اندر کھڑکی کے شیشوں پر انجیل کے تمام قصوں کی تصویریں بنی ہیں جو گہرے رنگوں کی آمیزش اور خوب صورتی کے لحاظ سے اپنے طرز کا بہترین کارنامہ خیال کی جاتی ہیں۔

اس سے قریب کچھ آرٹ گیلریاں بھی ہیں جن میں اس زمانے کے بڑے بڑے مصوروں کے شاہکار رکھے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دور پر اٹلی کے سب سے مشہور مصور ڈی ونچی (De Vinchi) کا مکان ہے جو اب تک آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس میں اس باکمال نے دیواروں پر کچھ تصویریں بنائی تھیں جو اب تک باقی ہیں اس میں ایک طرف حضرت عیسیٰ کے "عشائے ربانی" کی تصویر ہے جس میں وہ شاگردوں کے ساتھ بیٹھے آخری کھانا کھا رہے ہیں۔ اگرچہ یہ تصویر کئی سو برس گذر جانے کی وجہ سے کچھ ٹوٹ پھوٹ گئی ہے اور کسی قدر دھندلی اور ماند بھی پڑ گئی ہے لیکن اس کا کمال صاحب نظر کے لئے آج بھی وجد میں لانے کو کافی ہے۔

میلان تہذیب و تمدن کا مرکز ہونے کی وجہ سے امراء اور رؤسا کا مسکن بھی تھا اور اس لحاظ سے شہر میں اُن کے بہ کثرت مکانات اور محلات ہیں، جو آج یا تو بے آباد پڑے ہیں یا پھر ان میں اسکول... مدرسے یا اور سرکاری

دفاتر ہیں۔ ان چیزوں میں مجھے سب سے زیادہ مدرسے دیکھنے کا شوق تھا۔ اور چنانچہ دو ایک مدرسوں میں میں نے جانا بھی چاہا۔ لیکن انگلستان اور امریکہ کے مدرسوں کے برعکس یہاں دروازے پر سخت پہرہ رہتا ہے اور بغیر اجازت کوئی شخص اندر نہیں جاسکتا۔ میں نے ایک مدرسے میں اندر جانے کی اجازت طلب کی لیکن اطالوی زبان نہ جاننے کی وجہ سے مجھے یہ اجازت نہ مل سکی اور جب میں نے اصرار کیا کہ میں صرف آنکھوں سے دیکھوں گا، خواہ میں کچھ سمجھ نہ سکوں تو انھیں میرے اس اصرار سے کچھ شبہ ہونے لگا۔ میں مجبوراً واپس ہوا۔ راستے میں ایک اور مدرسے میں جانے کی کوشش کی لیکن اول تو مجھے اس پر فوجی بارک ہونے کا گمان ہوا لیکن بعد میں جب دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ایک بہت اچھا مانٹیسوری اسکول ہے تو پھر اجازت کا وہی قصہ!

سچ یہ ہے کہ اٹلی میں عسکریت (فوجی ذہنیت) کا اس قدر زور ہے کہ ہر چیز اسی رنگ میں رنگی نظر آتی ہے۔ مسولینی اٹلی والوں کا خدا ہے اور فاشزم ان کا مذہب۔ جہاں دیکھو مسولینی کی تصویریں لٹکی نظر آتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے لڑکے جو گلی کوچوں میں پھرا کرتے تھے آج ان کی ٹولیاں بن گئی ہیں جو صبح شام قواعد کرتی ہوئی شہروں میں چکر لگاتی ہیں۔ ان منظم جماعتوں کو بھیڑیے کے بچے یا (Children of the Wolf) کہتے ہیں وہ جو قصہ مشہور ہے کہ روم شہر کو رومیوس (Romios) اور رومیولس (Romuolus) دو بھائیوں نے بسایا تھا جن کی پرورش بھیڑیے کے ماند میں ہوئی تھی اور ان ہی سے ساری سلطنت روما کی آبادی پھیلی وہ قصہ خواہ صحیح ہو یا نہ ہو۔ لیکن وہ آج اپنے کو اسی بھیڑیے کی اولاد ثابت کر رہے ہیں جو درندگی اور وحشت انھوں نے حبش اور ہسپانیہ کی فتوحات میں دکھائی ہے۔ اُن کے دعوے کا ثبوت ہیں۔

لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی بھی میں نے بڑی بڑی فوجی جماعتیں دیکھیں۔ جنھیں نہایت پابندی کے ساتھ اور باقاعدہ طور پر ہر روز ورزش اور قواعد کرائی جاتی ہے

پہیلیاں

ان پہیلیوں کے جواب صفحہ ۴۲۶ پر دیکھو۔

(۱) چٹ بیٹھا، پٹ مارا

(۲) بجی کے کان، بچا کے کان ہی نہیں

(۳) مخمل کی تھیلی میں ہائے ہوئی کے بیج۔

(۴) بچہ در بچہ، بچہ در بچہ، بچہ در بچہ، بچہ در بچہ

(۵) سر تو اس کا بچہ بچا پہنچے اس کے پیوں
امیر خسرو یوں کہیں کہ بیچ میں لکڑی کیوں

(۶) ادھر اُدھر موتیوں کی لڑی بیچ میں کومل ککڑی

عقیلہ بانو

(۷) ایک راجہ کی انوکھی رانی
دم کے رستے پیئے پانی

ملک نذیر احمد

لالہ رُخ

سید جمیل احمد نقوی۔ لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۲)

شہزادی اپنی سہیلیوں سے کشمیر کی بہاروں اور وہاں کی خوب صورتی کی کہانیاں سُن رہی تھی اتنے میں خواجہ سرا نے سامنے آکر کورنش کی اور عرض کیا کہ بخارا کے نامی گرامی شہزادے نے حضور شہزادی کو گانا سنانے کے لئے ایک بہت بڑے گویّے کو بھیجا ہے۔ وہ ڈیوڑھی پر حاضر ہوکر قدم بوسی کی اجازت سے سرفراز ہونا چاہتا ہے۔

لالہ رُخ کا چہرہ شرم سے لال ہوگیا۔ اس نے کنکھیوں سے اپنی ایک سہیلی کی طرف دیکھا اور پھر مسکراکر نیچی نظر کئے ہوئے آہستہ سے کہا "کیا وہ صرف گویّا ہی ہے؟"

"نہیں حضور وہ ایک نامی شاعر بھی ہے اور اس کی شاعری کی بھی ویسی ہی دھوم ہے۔ جیسی اس کے گانے کی۔"

"کیا وہ بخارا کا رہنے والا ہے؟"

"نہیں وہ کشمیر کا رہنے والا ہے۔ وہ ایک کم سن بھولا، خوب صورت اور نہایت تمیزدار نوجوان ہے۔"

شاہزادی نے ایک بار پھر دارو غہ کی طرف دیکھا۔ اور پوچھا "کیا تم بتا سکتے ہو کہ شاہزادے کے ساتھ اس کا کس قسم کا رکھ رکھاؤ اور میل جول ہے؟"

"جی ہاں! معلوم کرنے سے پتہ چلا ہے کہ اس نوجوان اور حضور شاہزادے سے بڑی دوستی ہے۔"

"کیا شاہزادے نے اس کی بابت کچھ لکھ کر بھی بھیجا ہے؟"

"جی ہاں حضور! انھوں نے لکھا ہے کہ میں اپنے جگری دوست ابراہیم کو شاہزادی کا استقبال کرنے انھیں گانا سنانے اور شعر و شاعری سے ان کا دل خوش کرنے کے لئے بھیجتا ہوں۔ شاہزادی کو ان سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں۔" شاہزادی نیچی نظر کرکے ایک بار پھر مسکرائی اور آہستہ آواز سے کہا "بہت خوب! شہزادے کے دوست کو ہر طرح آرام سے رہنے کا بندوبست کردو۔" اتنا کہہ کر وہ جلدی سے خواب گاہ[1] میں چلی گئی۔ اور خواجہ سرا کورنش کرکے باہر آیا۔

(۳)

آسمان پر بدلیاں چھا رہی تھیں۔ کشمیر کی گھاٹیوں میں لالہ رُخ کی چھاؤنی پڑی تھی۔ بڑا سہانا موسم تھا۔ پہاڑیوں پر بہار آرہی تھی۔ پہر رات گذر چکی تھی۔ چاندنی

---

[1] سونے کی جگہ

روپہلی چاندنی بدلیوں سے چھن چھن کر زمین پر چاندی بکھیرتی معلوم ہوتی تھی۔ لالہ رخ نے سنا کہ پڑاؤ سے دور پرے کوئی بڑی دکھی آواز سے درد بھرا گیت الاپ رہا ہے جس سے گانے والے کی روح کی تڑپ کا پتہ چلتا ہے۔ لالہ رخ بھی اس مستانہ گیت کو سن کر درد کی ٹیس سے تلملا اٹھی اور بے قرار ہو کر اس نے اپنی خاص باندی کو بلا کر پوچھا "یہ کون گا رہا ہے۔ بڑا پیارا گیت ہے"۔ "وہی کشمیری شاعر ہے"، باندی نے جواب دیا۔ "اور حضور گیت تو پیارا ہے ہی۔ مگر گوتا بھی کچھ کم اچھا نہیں ہے"۔ لالہ رخ نے باندی سے کہا "اس سے کہلا بھیجو ذرا اور پاس آ کر گائے"۔ باندی جو حکم کہہ کر اٹھی پھر دل خیمے سے باہر آئی اور تھوڑی دیر بعد ہی میٹھے میٹھے راگ اور پریم بھری راگنیاں شہزادی کے دل میں لہریں لینے لگیں۔

شہزادی دل میں سوچنے لگی جس کی آواز ایسی رسیلی اور بول ایسا مدبھرا ہے وہ خود کتنا پیارا ہوگا۔ شاہزادی کا دل اسے ایک بار نظر بھر کر دیکھنے کے لئے چاہنے لگا۔ شاہزادے نے بھی کہلا بھیجا تھا کہ اس سے پردہ نہ کیا جائے لیکن شاہزادی کو شرم کی وجہ سے اتنی ہمت نہ ہوئی البتہ اس نے اپنی خاص باندی سے باہر کہلا بھیجا کہ اگر شاعر روز رات کو تھوڑی دیر شہزادی کو اپنا گانا سنا دیا کرے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اب دن بھر شہزادی رات آنے کا بے چینی سے انتظار کرتی اور جب اپنے بندھے وقت پر شاعر ڈیوڑھی پر آ کر اپنے سلونے گیت اپنی اسی رسیلی، شہد اور دودھ میں دھلی ہوئی آواز میں گاتا تو شہزادی پر ایک نشہ سا چھا جاتا

کشمیر بھی آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ شہزادے سے ملنے کا دن بھی۔ تمام کشمیر میں شہزادی کے استقبال کی بڑی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ شہزادی کو بھی ہر روز تمام خبریں پہنچ رہی تھیں۔ لیکن شاہزادی کا دل اس خیال سے زور زور سے دھڑکنے لگتا کہ کیا سچ مچ یہ گیت اب جلد ہی ختم ہو جائے گا۔

شالامار کی خوب صورتی اور سرسبزی پر نظر جا کے لالہ رخ کچھ کھوئی سی بیٹھی تھی اور اس طرح جیسے کوئی کسی کے انتظار میں ہو۔ اور واقعی اس نے اس چاندنی کے روشن سمے میں اپنے اس رسیلے گویے شاعر کو بلا بھیجا تھا۔ ایک ہاتھ میں اپنا نازک ستار سنبھالے جب اس نے گھٹنے ٹیک کر شہزادی کو مجرا کیا ہے تو ایک لمحہ بھر کے لئے شہزادی مبہوت ہو کر رہ گئی۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اور بول بھی نہ سکی۔ گویے شاعر نے کہا:۔

"حضور شہزادی نے اس غلام کو روبرو حاضر ہونے کا حکم دے کر نہال کر دیا۔ فرمائیے کیا حکم ہے؟"

"میں اب تمھیں بلا دیکھے نہ رہ سکوں گی!" شہزادی نے رک رک کر کہا۔ "میرا دل چاہتا ہے کہ اس چاندنی میں تم صرف ایک بار میرے سامنے بیٹھ کر وہی پیارا گیت گا دو!"

گویے کی انگلیوں نے ستار کے نازک تاروں کو کپکپا دیا اور ساتھ ہی اپنی مستانہ دھن میں گانا شروع کیا۔ شہزادی اس گیت کی تانوں میں کھو گئی۔ گویے نے گانا ختم کیا اور بڑھ کر شہزادی کا ہاتھ چوم لیا۔ شہزادی چیخ اٹھی اور بے چین ہو کر اپنا ہاتھ تیزی سے

کھینچ لیا۔ اور یہ کہتی ہوئی بے ہوش ہوگئی " ابراہیم میں تمھارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی"

(۴)

شالامار باغ میں کچھ دن ٹھہرنے کی شہزادی نے خواہش ظاہر کی۔ کشمیر سے شہزادے کے برابر تقاضے پر تقاضے آرہے تھے کہ سواری جلد آئے لیکن شہزادی، شہزادے کے پاس جاتی ہوئی گھبراتی تھی۔ اس کے دل کے ساگر میں اس خوب صورت گویّے شاعر کا پریم لہریں مار رہا تھا۔ ویسی ہی چاندنی چٹک رہی تھی۔ دونوں پریمی سنگ مرمر کے ایک بنچ پر پاس پاس بیٹھے تھے۔ پھولوں کا ایک ڈھیر قدموں میں پڑا تھا۔ شہزادی نے کہا " ابراہیم! کس سوچ میں کھوئے ہوئے ہو؟"

"شہزادی ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کا انجام کیا ہوگا۔ شہزادے جب یہ بھید جان لیں گے تو ہماری جان کی خیر نہیں۔ مجھے اپنی ذرا بھی پروا نہیں لیکن میں آپ کو اس دکھ میں نہ دیکھ سکوں گا" ابراہیم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آہ! ابراہیم! شاہزادے بہت سمجھ دار ہیں۔ وہ سمجھتے ہوں گے۔ محبت میں کسی کا زور ظلم نہیں چلتا۔ وہ ہمیں معاف کردیں گے"

"نہیں شہزادی! وہ تمھیں اپنی جان سے زیادہ چاہتے ہیں۔ معاف نہ کریں گے!"

" تو ابراہیم میں خوشی سے تمھارے ساتھ مروں گی۔ کیا تم موت سے ڈرتے ہو؟"

"نہیں شہزادی! اور پھر ایسی پیاری موت سے۔"

" تو پھر یہ بھید کیوں چھپا کر رکھا جائے۔ شہزادے کو لکھ دیا جائے!"

" تو پھر یہ سب ٹھاٹھ ہوا ہو جائیں گے؟"

ابراہیم نے ذرا زور سے کہا۔

"اس کی پروا نہیں۔ تم میرے سامنے بیٹھ کر اس طرح گایا کرنا۔ میں تمھاری سیوا کیا کروں گی۔"

شہزادی نے ہنس کر کہا۔

"پیاری شہزادی بہتر ہے اس غلام کو بھول جاؤ!" — "ایسا نہ کہو! یہ کلمہ سن کر دل دھڑک اٹھتا ہے!"

" تو پھر تمھارا کیا حکم ہے؟"

" شہزادے کو میں یہ سب حقیقت لکھ بھیجوں گی"

" نہیں! تم نہیں! یہ کام میں ہی کروں گا نتیجہ پھر چاہے کچھ ہی ہو!"

(۵)

ابراہیم کے گرفتار ہونے کی خبر آگ کی طرح شہزادی کے لشکر میں پھیل گئی۔ شہزادی نے سنا تو پاگل ہوگئی۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ سواری تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ جوں جوں کشمیر نزدیک آتا جاتا تھا۔ سجاوٹ اور آرائش کی دھوم دھام بڑھتی جاتی تھی لیکن شہزادی بدحواس تھی۔ شہر میں اس کا دھوم دھام سے استقبال ہوا۔ اور جب محل کے پھاٹک میں اس کی سواری داخل ہوئی تو اس پر ہیرے موتی نچھاور کئے

گئے۔ شہزادی نے ارادہ کر لیا تھا کہ جیوں ہی وہ شہزادے کے سامنے پہنچے گی اس کے قدموں پر گر کر ابراہیم کی جان بخشی کی بھیک مانگے گی۔

شہزادہ جڑاؤ تخت پر بیٹھا شہزادی کے استقبال کرنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے (پہلو میں) برابر ہی ایک ویسا ہی دوسرا جڑاؤ تخت شہزادی کے لئے خالی بچھا تھا جیوں ہی شہزادے نے سکھپال سے پیر نکالا۔ شہزادہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بکھرے بال، میلی پوشاک سوکھا اور پیلا چہرہ اور سوجی ہوئی آنکھیں۔ شہزادی نے آنکھیں اٹھا کر شہزادے کو دیکھا تک نہیں۔ وہ آگے بڑھ کر تخت کے نیچے زمین پر لیٹ گئی۔ اس نے شہزادے کے پیر پکڑ کر کہا۔ "رحم، رحم اے رحم دل شہزادے رحم"

شہزادے نے کہا" اٹھو شہزادی! تمھارے لئے سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تمھارا تخت ہے اس پر بیٹھو" شہزادی نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں اٹھا کر شہزادے کی طرف دیکھا "یا خدا!" اتنا ہی اس کے منہ سے نکلا اور بے ہوش ہو کر شہزادے کی گود میں گر پڑی۔

(۶)

"ہاں تو پھر تم ابراہیم کی جان بخشی چاہتی ہو؟"

"ہاں پیارے تم ابراہیم کو جانتے ہو؟"

"کچھ، کچھ"

دونوں ٹھٹھا مار کر ہنس پڑے۔ لالہ رخ نے شہزادے کی گود میں منہ چھپا لیا۔

(ماخوذ)

لڑکیوں کے لئے

انعامی مقابلہ

کاج بنانا

محترمہ ندۃ البیضا بیگم مہتمم مسلم گرلز اسکول پانی پت۔

پیام بچو اور بچیو! کیا تمھیں کاج بنانا آتا ہے؟

کاج تو سب ہی کے کپڑوں میں ہوتے ہیں۔ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب۔ اگر کوٹ اور صدری نہیں تو کرتا یا قمیص تو سب ہی پہنتے ہیں اور ان چیزوں میں کاج بٹن ضرور ہوتے ہیں (معاف کرنا میں بھول گئی تھی آج کل کے فیشن کی نانا قمیصوں کے بعض نمونے اس سے مستثنیٰ ہیں)، مگر خوب صورت کاج بنانے کا رواج اس قدر کم ہے کہ سوا اچھے درزیوں کے شاذ و نادر ہی کوئی اچھے کاج بناتا ہے۔ بہت سی لڑکیاں بڑی دیدہ زیب سلائی کرتی ہیں۔ مگر کاج پر آکر وہ اپنی تمام محنت برباد کر دیتی ہیں۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے کوئی نیا کپڑا تیار کر لیا ہے۔ اور تم اپنی محنت کے نتیجے سے مطمئن ہو۔ مگر جب کاج بنانے کی باری آئی تو تم ڈر سی گئیں۔ اس خوف سے کہ اس آخری منزل سے تم بخیر و عافیت نہ گذر سکو گی۔ ممکن ہے کہ تمھاری استانی یا والدہ نے کہہ دیا ہو کہ کاج میں بنا دوں گی یہ بھی ممکن ہے کہ تمھیں خود یہ کام انجام دینا پڑا ہو۔ اور انجام اس کا مایوس کن ہوا ہو۔ کاج بنانے سے بچنے کے واسطے بہت سی ترکیبیں نکالی گئی ہیں اُن میں سے ایک ٹچ بٹن اور ایک زپ فاسنر (Zip fastener) ہے اور واقعہ یہ ہے کہ بدنما کاج بنانے سے بہتر ہے کہ کاج کے ان نئے قائم مقاموں سے کام لیا جائے۔ بہرحال

اس میں شک نہیں کہ کاج بنانا ذرا مشکل ہے۔ مگر وہ کون سی مشکل ہے جو حل ہو نہیں سکتی۔ محنت سے ہر ایک مہم سر ہو جاتی ہے۔ تھوڑی سی مشق سے تم کو ایسا کاج بنانا آ جائے گا کہ دیکھنے والے تعریف کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ دیکھو اس طریقے پر عمل کرو۔ اگر تم مبتدی ہو تو تمھیں پہلے کاج کا ٹانکا سیکھنا چاہیے۔ کوئی چھوٹا سا کپڑے کا ٹکڑا لے لو اور اس کے کنارے یہ ٹانکا بناؤ۔ سلائی داہنی جانب سے شروع کرو۔ سوئی میں موٹا سا دھاگا پرو دو۔ مگر اس کے سرے پر گرہ نہ دو اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہو کہ کپڑے کے سرے سے کوئی آدھ انچ کے فاصلے پر (نقشے میں مقام الف) سوئی کپڑے میں داخل کرو اور باریک باریک
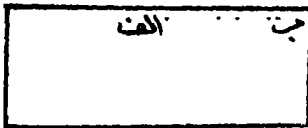
بخیہ کرتے ہوئے کپڑے کے سرے (مقام ب) پر نکال لو۔ یہاں ایک ٹانکا لگا دو تاکہ دھاگا کھینچا جائے تو کپڑے میں سے نکل نہ آئے۔ اب کاج کا ٹانکا شروع کرو جیسا کہ نقشے میں دکھایا گیا ہے۔ دھاگا کپڑے کے آگے رکھو اور سوئی کو کنارے سے تقریباً ⅛ انچ
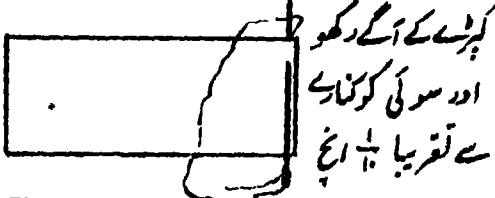
کے فاصلے پر کپڑے میں داخل کرو۔ اور کنارے سے آگے اس طرح نکال لو کہ دھاگے کا سرا جو کپڑے کے آگے ہے وہ سوئی کے نیچے رہے۔ دھاگہ کھینچ لینے پر ایک گرہ سی بن جائے گی یہی کاج کا ٹانکا ہے۔ دوبارہ یہی عمل کرو یعنی دھاگا سامنے رکھ کر کنارے سے ۱/۸ انچ کے فاصلے پر سوئی کپڑے میں داخل کرو اور کنارے پر دھاگے کے اوپر سے نکال لو اور دھاگا کھینچ لو۔ اسی طرح برابر ٹانکے لگاتی رہو۔ لیکن خیال رہے کہ ٹانکوں کی لمبائی اور ان کا درمیانی فاصلہ یکساں ہو۔ چاہے ٹانکے دور دور ہوں مگر فاصلہ کم زیادہ نہ ہو۔ اس ٹانکے کی خوب صورتی کا انحصار بس اسی بات پر ہے۔ ٹانکے کی لمبائی یکساں رکھنے کی ترکیب یہ ہے۔ کہ کپڑے کے تانے یا بانے کے رخ ہی سلائی کی جا رہی ہو، کہ ایک ہی دھاگے پر سوئی ڈالی جائے بہت چھوٹے بچے اس مقصد کے لئے موٹی بناوٹ کا کپڑا استعمال کریں۔ مشق ہو جائے گی تو ٹانکے خود بخود درست آنے لگیں گے۔ یہ ٹانکا اکثر خوب صورت کنارہ بنانے کے واسطے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب تم یہ سمجھو کہ ٹانکا اچھی طرح سیکھ گئی ہو تو اب بسم اللہ کر کے کاج بناؤ۔ ابتدا میں بہتر ہوگا کہ کسی بے کار کپڑے کے ٹکڑے پر ہاتھ صاف کرو جب کاج کر چکو تو اس کو کاج کے ٹانکے سے اس طرح بھرو جیسا کہ پیشتر بتایا گیا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ کاج کی ابتدا ہمیشہ اندر کی جانب سے ہو مثلاً یہ کوٹ ہے اس میں کاج بنانا الف سے شروع ہو ب سے نہیں۔ جب کونے پر پہنچو تو کونے کے گرد

ب ا
ب ا
ب ا
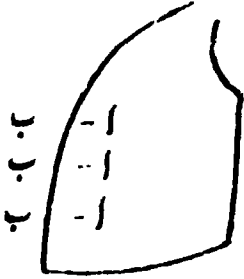
بہت سے ٹانکے اس طرح ڈالو جیسے تصویر میں دکھایا ہے اس کے بعد کاج کی دوسری طرف ٹانکوں سے بھر لو۔ جب اس کونے پر واپس آؤ جہاں سے ابتدا کی تھی تو اس کو پہلے کی طرح نہ بھرنا بلکہ اس سرے پر اس طرح ۱۱۱ برابر برابر ٹانکے لگا دو۔ تاکہ کاج کے دونوں کنارے سوا گول سرے کے ایک دوسرے سے مل جائیں تیار کاج کی شکل یہ ہوگی

کاج کے متعلق یہ نکتے ذہن میں رکھنا۔

(۱) کاٹنے کا طریقہ :۔ اس کام کے لئے ایک خاص قینچی بھی ہوتی ہے۔ مگر اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ معمولی قینچی سے کاج کاٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ کاج جس جگہ پر بنانا ہو اس کو موڑ کر دوہرا کر لو اور قینچی سے اس کو حسب ضرورت بالکل سیدھا کتر دو۔ گویا کپڑے میں ایک شگاف ہو جائے۔ (بعض لوگ کپڑے کا ٹکڑا

کاٹ ڈالتے ہیں اور قینچی کی نوک کپڑے میں گھسا کر کاج بنا لیتے ہیں۔ یہ دونوں طریقے بالکل غلط ہیں۔
(۲) کاج ٹھیک اتنا بڑا ہو کہ وہ بٹن جس کے لئے وہ بنا ہے اس میں سے گذر جائے۔
(۳) کاج کے لئے جو دھاگا استعمال کیا جائے وہ کپڑے کے ہم رنگ ہو۔
(۴) کاج کے لئے دھاگا ذرا موٹا استعمال کیا جائے تاکہ ٹانکے ایک دوسرے سے ملے ہوئے معلوم ہوں۔
(۵) کاج سب ایک دوسرے سے برابر فاصلے پر ہوں۔ اس کے لئے بہتر ہے کہ پہلے صحیح فاصلے پر نشان لگا لو۔
(۶) جب ایک کاج بنا چکو تب دوسرا کرو۔ ورنہ اس کے دھاگے نکل آنے کا اندیشہ ہے خصوصاً اونی اور ریشمی کپڑوں میں۔
(۷) اگر کپڑا ایسا ہو جس کے دھاگے بہت نکلتے ہوں تو لمبے لمبے ٹانکے لگاؤ۔ ورنہ کاج ایک دو دن کے استعمال کے بعد نکل جائے گا۔ کپڑا جس قدر باریک ہو اتنے ہی ٹانکے چھوٹے چھوٹے ہوں۔
اب بتاؤ تمھیں کاج بنانا آگیا؟ دیکھیں ہمارے پاس سب سے اچھا کون بنا کر بھیجتا ہے!

خط کتابت

مکرم محترم جناب اڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم۔
آپ کا گرامی نامہ ملا۔ میں نے پچھلے خط لکھنے کے بعد ایک صاحب سے دریافت کیا تھا تو معلوم ہوا کہ قیمت زیادہ ہے۔ ارادہ تھا کہ آپ کو لکھ دوں۔ مندرجہ ذیل قیمتیں شائع کردیں۔ تاج لوئی (۵) عہ ــ ایران (۵)، ۵ر افغانستان (۶)، ۱۰ر حبس (۷)، عہ ر بلجیم (۵)، ۵ر ارجنٹائن (۵)، لہر ــ جرمنی (۸)، لہ ــ
میں نے یہ قیمتیں انہی صاحب سے دریافت کی ہیں اور یہ قیمتیں اسٹینلی گبنس ٹکٹ فروش کی قیمتوں سے نصف رکھی گئی ہیں اور کمی کی گنجائش نہیں۔ ٹکٹ بذریعہ وی۔ پی روانہ کئے جائیں گے۔ اور کوئی صورت نہیں۔ اقبال۔ بادشاہی چبوترہ، امروہہ

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم۔ میرے پاس مختلف ملکوں اور ریاستوں کے ٹکٹ کافی تعداد میں موجود ہیں اور میں تبادلہ کرنا چاہتا ہوں اور ان کے بدلے میں افغانستان عرب، نیوزی لینڈ، کنیڈا، ایران، عراق، چین، شام ملایا، حبش۔ بڑے سائز کے جارج ششم (موجودہ بادشاہ) کے اور ہندوستانی ریاستوں کے ٹکٹ چاہتا ہوں۔ خط کتابت اس پتے پر کیجئے۔ وحید احمد۔ معرفت علی احمد ٹھیکیدار قرول باغ، کھجور روڈ۔ دہلی۔
اگر کوئی صاحب تصویریں جمع کرتے ہوں وہ مجھ کو بذریعہ پیام تعلیم اپنا پتہ بتادیں
اعزاز
پتہ یہ ہے:۔ اعزاز حسین خریدار نمبر ۱۳۳
معرفت مولوی حکیم عبدالقدیر صاحب
بادشاہی چبوترہ۔ (امروہہ)

تریاہٹ

خواجہ محمد شفیع صاحب، دہلوی

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، خدا کا بنایا رسول بادشاہ۔ ایک بادشاہ تھا اور اس کی مانوں ارمانوں کی ایک اکلوتی بیٹی۔ تم جانو بیٹی پرایا دھن ہوتی ہے پالا پرو سا حوالے کیا۔ ایک دن بادشاہ بیگم نے بادشاہ سے کہا "لڑکی ماشاءاللہ سیانی ہونے آئی اب کچھ فکر کرنی چاہیئے۔" بادشاہ نے ٹال دیا کہا "ابھی اس کے کھانے کھیلنے کے دن ہیں ایسی کیا جلدی پڑی ہے دیکھا جائے گا۔" سال چھ مہینے بعد پھر بادشاہ بیگم نے موقع پاکر یہی ذکر چھیڑا بولیں "بیٹی پرائے گھر کی رونق ہوتی ہے خیر سے اب سولھویں میں لگی ہے کب تک کوٹھے سے لگائے بٹھائے رکھوگے کچھ نسبت ناتے کا خیال کرنا چاہیئے"۔ بادشاہ نے جواب دیا "کیا بتاؤں ہزاروں منتوں مرادوں کے بعد اللہ نے ایک پھول سا دیا ہے اسے آنکھوں سے اوجھل کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" بیگم بولیں "مجھ اُجڑی کا کب دل چاہتا ہے جب اس کی بدا (وداع) کا خیال آتا ہے سینے پر ایک سانپ سا لوٹ جاتا ہے۔ پر کیا بتاؤں بیٹی بٹھانے کی چیز نہیں۔ ہاں ایک بات ہی جو کوئی گھر داماد مل جائے تو بہت اچھا ہو۔" بادشاہ یہ بات سُن کر چپ ہو گیا دوسرے دن وزیر کو بلوایا اور ذکر چھیڑا اشارا پاتے ہی وزیر نے کتنی مشاطائیں دوڑا دیں بڑے بڑے شہزادوں کے رقعے آنے لگے۔ وزیر دو چار رقعے چھانٹ حضور میں لایا بادشاہ کو ایک شہزادہ پسند آیا۔ پیامی سوار روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ ایک اکلوتی بیٹی ہے ہم گھر داماد رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر منظور ہو تو بسم اللہ ہمیں کوئی عذر نہیں۔ شہزادہ اس پر راضی نہ ہوا وزیر خود گیا سمجھایا "ہمارے جہاں پناہ کے کوئی اور اولاد نہیں بیٹی آنکھوں کا تارا ہے وہی زندگی کا سہارا ہے۔ اُسے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہیں۔ آپ داماد نہیں ہوں گے بیٹے کی جگہ ہوں گے یہ بھی سلطنت آپ کی وہ بھی آپ کی" پر شہزادہ نہ مانا آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ لڑکی اپنے ماں باپ کے ہاں رہے اور لڑکا جب جی چاہے ہو آیا کرے۔ دونوں طرف سے تیاریاں ہونے لگیں بڑی دھوم دھام سے شادی رچی۔ لڑکی کے باپ نے خزانوں کے منہ کھول دئے۔ سدا برت جاری ہو گئے بیٹی کے ڈولے پر سے ہیرے جواہرات نچھاور کر دئے لڑکے کا باپ بھی کسی طرح پیچھے نہ رہا دولھا دلہن کو لالوں میں تلوایا بری میں سونے چاندی کی ٹھلیاں بھیجیں۔ اللہ نے بڑا سلوک دیا۔ ماں باپ بیٹی داماد کا سہاگ دیکھ کر پھولے نہیں سماتے تھے جلنے والے جلے جاتے تھے۔ خیر خواہ خوشیاں مناتے تھے شہزادے کو سیر کا شوق تھا۔ دُور دُور ملکوں میں جاتا۔ بیگم کے لئے

بڑی بڑی سوغاتیں لاتا۔ پیغام بر کبوتر تیسرے چوتھے آتا۔ اُدھر سے پیغام لاتا اِدھر سے لے جاتا ایک دن کبوتر آیا پیغام لایا کہ میں سفر پر جا رہا ہوں تمہارے واسطے کیا سوغات لاؤں۔ شہزادی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی چوسر کھیل رہی تھی جھٹ پرچہ لکھ کبوتر کی پہنچی میں باندھ دیا کہ ہمارے لئے زمرد اور یاقوت کی گوٹیں لیتے آنا۔ شہزادی روز کبوتر کی راہ دیکھتی۔ کچھ مدت کے بعد جب شہزادہ سفر سے آیا۔ پیغام بر کبوتر کے پیروں میں سوغات باندھ روانہ کردی۔ وقت کی خوبی جب کبوتر شہزادی کے محلوں پر پہنچا تو شہزادی غسل کر رہی تھی اور اس کی سہیلیاں چھت پر کھڑی تھیں کبوتر کو پہچان گئیں اور جھٹ پکڑ لیا۔ پیروں کو دیکھا تو یاقوت زمرد کی گوٹیں نکلیں وہ تو کھول لیں اور پسے ہوئے کوئلے اور کنکر پتھر باندھ دئے۔ کبوتر کو لے چھپا چھپ شہزادی پاس آئیں اور کہا "لو مبارک ہو تمہارے دولھا آ گئے کبوتر آیا ہے،، شہزادی باغ باغ ہو گئی جلدی سے حمام سے باہر آئی اور کبوتر کے پیروں سے پوٹلیاں کھولیں تو پسے ہوئے کوئلے اور کنکر نکلے دیکھتے ہی سناٹے میں آگئی۔ سہیلیوں نے چھیڑنا شروع کیا کہ "لو تمہاری یہ اوقات ہے۔ کوئلوں سے منہ کالا کرو اور کنکر پتھر کھاؤ"۔ شہزادی نے دل میں ٹھان لی کہ چاہے مرتے مر جاؤں اس میاں سے اب منہ سے نہ بولوں گی جس نے مجھے میری ہم جولیوں کے سامنے ایسا ذلیل کیا ہے۔ کچھ دن بعد شہزادہ

آیا بیوی سے بات کی تو جواب ندارد۔ اب پوچھ رہا ہے "کیا بات ہوئی۔ کیوں خفا ہو؟ کچھ بولو تو سہی" پر شہزادی ایسی گونگی ہڑپ[1] کرکے بیٹھی کہ ایک بات کا جواب نہ دیا۔ شہزادہ سمجھاتے سمجھاتے ہلکان ہو گیا۔ بگڑ کر بولا "آخر کچھ عقدہ تو کھلے کہ تم بگڑی کس بات پر ہو، یا سچ مچ گونگی ہو گئی ہو" میاں نے سب جتن کرلئے پر کیا مجال کہ بیوی ٹس سے مس ہو جائیں ایسی چپ سادھی کہ زبان تو زبان ہونٹ بھی نہ ہلائے۔ شہزادہ بگڑ اپنے ملک چلا گیا کچھ دن بعد پیغام بھیجا کہ میری بیوی کو بھیج دو۔ ساس سسرے گھبرا گئے کہ یہ نئی بات کیسی۔ بیٹی سے پوچھا اس نے کچھ نہ بتایا۔ جواب بھجوایا کہ تمہارا گھر ہے جب چاہو آؤ۔ ہمارا آخری وقت ہے بیٹی کو ہم سے جدا نہ کرو۔ پر شہزادے کو بھی ضد آ گئی تھی اس نے ایک نہ سُنی پھر تقاضا کروایا۔ جب وہاں سے کوئی جواب نہ آیا تو ایک دن لاؤ لشکر لے کر چڑھائی کردی۔ بڈھے بادشاہ نے سہولیت سے کام لیا۔ داماد جس کو بیٹے کی جگہ سمجھتا تھا اس سے بھلا کیا لڑتا راضی رضا سے بیٹی ساتھ کردی کہا "تمہاری چیز ہے لے جاؤ ہم تو پالنے تک کے حق دار تھے" بہت سی فوج فرا حفاظت کو ساتھ کی دور تک پہنچانے آیا داماد کے سر پر ہاتھ رکھ کر خدا کو سونپا۔ بیٹی کو گلے سے لگایا پیار کیا۔ آٹھ آٹھ آنسو روتا اپنی سلطنت میں آیا۔ (باقی)

---

[1] بچوں کا ایک کھیل ہے جس میں چند بچے اکٹھے بیٹھ کر بیک وقت لفظ گونگی ہڑپ کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد کوئی ان میں سے بات نہیں کرتا۔ پہلے بات کرنے والے کو مقررہ جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

ہنڈکلیا

از مسز رضا۔ دہلی

طاہرہ۔ ہاں زبیدہ باجی۔ ابا میاں نے اس مرتبہ کہا تھا کہ ہنڈکلیا صرف جمعہ کو پکانا چاہیئے۔ اس جمعہ کو تو بھول گئے تھے۔ آج مجھے یاد ہے۔ آج ضرور پکائیں گے۔

زبیدہ۔ اچھا چلو چچی اماں سے کہیں۔

طاہرہ۔ ہاں امی جان سے کہیں۔ پھر جلدی جلدی کام کر ڈالیں۔ آج بھائی جان کا بھی آخری پرچہ ہے۔ امتحان ختم ہوتے ہی وہ بھی ہماری ہنڈکلیا میں شریک ہو جائیں گے۔

زبیدہ۔ لیکن چچی جان۔ مان بھی جائیں گی؟ وہ تو ہم لوگوں کو باورچی خانے کی چیزیں چھوتا دیکھ کر بہت جھنجھتی ہیں۔ وہ تو شاید ہی اجازت دیں چلو پہلے چچا ابا سے کہیں وہ ضرور مان لیں گے اور جب وہ چچی جان سے کہہ دیں گے تو پھر کون روک سکتا ہے

(طاہرہ اور زبیدہ دوپٹے اوڑھے ادب سے چچا ابا (مقبول) کے سامنے آکر سلام کرتی ہیں۔)

مقبول۔ جیتی رہو، جیتی رہو۔ ہاں بیٹیو کچھ یاد ہے آج جمعہ ہے۔

طاہرہ زبیدہ۔ جی ہاں ہم دونوں آپ کے پاس یہی کہنے آرہے تھے کہ آج جمعہ ہے۔ اور آپ نے کہا تھا کہ ہنڈ........

مقبول۔ شاباش، شاباش سمجھ گیا، آج ہنڈکلیا کا دن ہے پھر کیا ارادہ ہے

طاہرہ زبیدہ۔ جو آپ کہیئے آج بھائی جان کے امتحان کا آخری پرچہ ہے، وہ بھی پرچہ کرکے دس بجے تک واپس آجائیں گے۔ کوئی چیز ایسی پکائیں جس سے وہ بھی خوش ہوں۔

مقبول ہاں بیٹی ایسی ہی چیز پکاؤ۔ لیکن اب تو دیر ہوگئی ہے اس لئے کوئی آسان سی چیز پکالو۔

زبیدہ۔ ہم تو پوریاں پکائیں گے اور اس کے لئے آلو تل لیں گے۔

مقبول۔ ذرا تولیہ تو اٹھاؤ بیٹی کیا کہا تم نے پوریاں اور آلو؟

طاہرہ۔ لیجئے یہ ہے تولیہ، ہاں تو ابا جان پوری آلو ہی تلیں؟

مقبول جو تمہاری خوشی جلدی سے سامان کرلو۔ مگر یہ تو بتاؤ کتنا روا، کتنا گھی، کتنا نمک ڈالا جاتا ہے

طاہرہ ابا جان ایک سیر روے میں ڈیڑھ پاؤ گھی اور ایک چھٹانک نمک اور ایک تولہ سفید زیرہ

زبیدہ تم بھول گئیں ایک مرتبہ چچی جان نے بتایا تھا کہ

نمک دو تولہ کافی ہوتا ہے

طاہرہ۔ ایک سیر آلو میں، آدھ پاؤ گھی، مرچ حسب ذائقہ، زیرہ سفید ایک تولہ، اور تھوڑا ہرا دھنیا کاٹ کر ڈال دیں گے۔

مقبول۔ اچھا تو جاؤ۔ جلدی سے پکاؤ۔

زبیدہ، طاہرہ۔ بہت خوب جاتے ہیں۔ (باورچی خانے میں چلی جاتی ہیں۔)

محمدی بیگم۔ ارے صدیق تو یہاں آ مجھے اس وقت گرمی لگ رہی ہے۔ یہاں بیٹھ کر پنکھا جھل۔ لڑکیاں نہ ہوئیں آفت ہو گئیں۔ کل کو کچھ اور فرمائش کریں گی تو اُن کے ابا جان پوری کر دیں گے۔ جن باتوں سے مجھے کوفت ہوتی ہے۔ وہی باتیں یہ کرتے ہیں۔ آخر لڑکیاں باورچی خانے میں کیا برباد کر رہی ہیں

صدیق۔ بیگم صاحب طاہرہ بی تو میدہ گوندھ رہی ہیں اور زبیدہ بی آلو چھیل رہی ہیں۔ جعفر میاں بھی اسکول سے آگئے ہیں وہ آگ جلا رہے ہیں

محمدی بیگم۔ کمبخت ایک سے ایک جلانے والا ہے یہاں آکر یہ تک نہیں بتایا کہ پرچہ کیسا ہوا۔ اور چولھے میں گھس گیا۔

مقبول۔ ارے تم نے یہاں صدیق کو کیوں روک لیا بچیاں اکیلی کام کرتے کرتے تھک جائیں گی اس کو وہاں بھیج دو

محمدی بیگم۔ اُن پر کیا آفت تھی۔ کس کی زبردستی تھی کہ چاہے تھکیں چاہے مریں چولھے میں ضرور جھکیں۔ تھکان کا خیال تھا نہ پکوایا ہوتا۔ یہ کہو نا کہ وہ تو میری بحث تھی کہ جتنا مجھے بچوں کا باورچی خانے میں گھسنا برا معلوم ہوتا ہے۔ اتنا ہی تم گھساتے ہو۔۔۔۔

مقبول۔ تم کو تو ہر ایک بات سے نفرت ہے پھر کیا کیا جائے۔ بچیوں کو کھانا پکانا کس طرح آئے گا۔

محمدی بیگم۔ ہاں میں پاگل ہوں مجھے تو ہر ایک بات سے نفرت ہے۔

مقبول۔ اچھا سر نہ کھاؤ۔ لڑکیاں ضرور کھانا پکانا سیکھیں گی۔

محمدی بیگم۔ ارے صدیق! کہاں گیا۔ کم بخت ادھر چل جعفر کو بلا لا۔

صدیق۔ (باورچی خانے میں جاکر) جعفر میاں آپ کو بیگم صاحب بلا رہی ہیں۔ چلئے ۔۔ خفا ہو رہی ہیں۔

جعفر۔ (آکر) امی جان فرمائیے۔

محمدی بیگم۔ اسکول سے آکر میرے پاس تک نہیں آیا یہ بھی نہ بتایا کہ پرچہ کیسا ہوا۔ مگر تم میرے پاس کیوں آنے لگے۔ عورتوں کی طرح باورچی خانے میں گھسنے کا شوق ہے۔

جعفر۔ امی جان مجھے تو دروازے ہی سے طاہرہ نے بلا لیا تھا اور کہا کہ آج ہم ہنڈکلیا پکا رہے ہیں وہاں چلا گیا معاف فرمائیے۔

محمدی بیگم۔ ہاں وہاں تو چلے ہی جاتے مجھ کو سب جلانے والے ہیں۔ صدیق جا دیکھ باورچی خانے میں کیا آگ

لگ رہی ہے۔ کچھ پکا بھی یا نہیں۔

(باورچی خانے میں لڑکیاں بکا رہی ہیں)

صدیق چھوٹی بی بی آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ چیزیں صاف کر دے۔ دیکھئے میں نے چھوٹی کڑھائی۔ تلنے کا جھرنا، لگن بسینی اور چکلا بیلن دھو کر رکھ دئے ہیں ذرا بیگم صاحب کے پاس جا رہا ہوں

زبیدہ۔ شاباش اچھا طاہرہ میدہ گوندھ چکیں یا نہیں

طاہرہ۔ جی ہاں میدہ گندھ گیا میں اس کو بھیگے رومال سے ڈھکے دیتی ہوں

زبیدہ۔ یہ دیکھو لو کہ یہ روا سب کے واسطے کافی ہوگا یا نہیں اور آلو بھی دیکھ لو پھر میں تلے لیتی ہوں

طاہرہ۔ جی ہاں کافی ہے۔ ایسا ہی ہے تو دو تین آلو اور ڈال لیجیے۔

زبیدہ۔ تم پیڑے بنانا اور میں بیلتی ہوں۔

طاہرہ اچھی باجی میں بیلوں گی۔ آپ پیڑے بنا دیجئے۔

زبیدہ۔ لو یہ دس پیڑے بنا دئے ہیں۔ اُن کو بیلو میں آلو دیکھ آؤں گلے یا ابھی نہیں پھر اور پیڑے بناؤں گی۔

طاہرہ۔ باجی زبیدہ نہ معلوم پوریوں میں سختی کیوں ہو

زبیدہ۔ کیا تم نے روے میں گھی نہیں ڈالا۔

طاہرہ۔ کیا روے میں بھی گھی ڈالا جاتا ہے؟

زبیدہ ہاں پہلے سوکھے روے میں تھوڑا سا گھی اور پسا ہوا نمک ملا لینا چاہئے پھر پانی ڈال کر گوندھنا چاہیے جب تک روے میں گھی نہ ڈالا جائے نرمی نہیں آتی اور پوریاں پکانے

میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ پوریاں تلتے وقت پوری کے اوپر کفگیر سے گھی ڈالتے جائیں اس سے پوریاں خوب پھول جاتی ہیں اور اندر سے کچی بھی نہیں رہتیں۔

جعفر۔ بھئی طاہرہ تم لوگوں نے تو دوپہر کر دیا ہے آنتیں قل ھو اللہ پڑھنے لگیں۔

مقبول۔ بیٹی طاہرہ زبیدہ تم نے تو بھوکا مار دیا اب تو بارہ بجنے کے قریب ہیں۔

طاہرہ زبیدہ۔ جی بس تیار ہے۔ صدیق دسترخوان بچھا اور دیکھ برف توڑ کر جگ میں پانی بنا لے

طاہرہ۔ باجی زبیدہ پوریاں کون سی رکابی میں رکھوں۔

زبیدہ پوریاں بڑی پلیٹوں میں رکھو اور آلو چھوٹی پلیٹ میں نکالو اور چلو کمرے میں لے چلیں دسترخوان بچھ گیا ہے

طاہرہ۔ آیئے ابا جان بھائی جان کھانا کھا لیجئے۔

زبیدہ۔ چچی جان چلئے کھانا تیار ہے۔

محمدی بیگم (ناک چڑھا کر) کیا جانے کیسا پکایا ہوگا۔

مقبول تم پہلے ہی سے بچیوں کے دل توڑے دیتی ہو

جعفر۔ بھئی زبیدہ اور طاہرہ پوریاں آلو خوب ہیں

مقبول آلو سب سے اچھے ہیں

محمدی بیگم مگر پوریوں میں سختی ہے

طاہرہ امی جان پہلی کوشش ہے آئندہ اس سے اچھی پکیں گی۔

مقبول شاباش تم نے دونوں چیزیں اچھی پکائی ہیں۔

جعفر۔ ہاں بھئی چیزیں بہت اچھی ہیں۔ اس کے انعام میں ہم تمھیں عصمتی دسترخوان منگا دیں گے۔

انعامی مقابلہ

غلام ساندی (کدلاس) منظر (بہت اچھا)

(عبدالحمید خاں ساگر) ایک کسان عورت (پہلا انعام)

...ت الرحمن میرٹھ) عکس (دوسرا انعام)

(شوکت علی خاں رنگون) ایس ایس ایکما (تعریف کے قابل)

پیام برادری کے چند ممبر

شمس احمد فاروقی نائب صدر شاخ میرٹھ

افضل حسین پٹنہ

سلیم اختر دہلی

محمد انور عارف راولپنڈی

پیام برادری

عزیز بچو اور بچیو! خدا کا شکر ہے کہ میں اب بالکل تندرست ہو کر جامعہ آگئی ہوں۔ میری بیماری کے زمانے میں تم نے میری خیریت پوچھنے کے لئے کیسے کیسے پریشانی بھرے خط لکھے ہیں۔ سچ پوچھو تو یہ تمہاری دعاؤں کا اثر تھا جو میں اس قدر جلد اچھی اور کام کرنے کے قابل ہو گئی۔

بیماری کے زمانے میں میں تمھارا کوئی کام تو نہ کر سکی۔ تمھارے خطوں کا جواب تک نہ دے سکی۔ پر برادری کے خیال سے غافل بھی نہیں رہی۔ میں ہمیشہ اس فکر میں رہتی تھی کہ برادری کو کس طرح ترقی دی جائے۔ اسی سلسلے میں برادری میں شامل ہونے والے بچوں کی عمر کا سوال بھی بار بار سامنے آیا۔ میں نے چند بچوں کے اصرار پر بیس سال کی عمر تک تو کر لی تھی مگر میں یہ محسوس ضرور کرتی تھی کہ یہ عمر بہت زیادہ ہے۔ دہلی آکر میں نے اس بارے میں جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ۔ ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم اور جناب منیجر صاحب سے مشورہ کیا۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب کی رائے تھی کہ زیادہ سے زیادہ عمر چودہ سال ہونی چاہیئے مگر میرا خیال ہے کہ ہندوستانی بچوں کے لئے یہ عمر کافی نہیں ہے۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ سولہ سال کی عمر تک پیامی۔ پیام برادری کے ممبر ہو سکتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس فیصلے سے اُن پیامیوں کو دُکھ پہنچے گا جن کی عمر اس وقت سولہ سے زیادہ ہے۔ مگر مجھے اُمید ہے کہ برادری کے عام فائدے کے خیال سے وہ میرے اس فیصلے کو قبول کر لیں گے۔ آیندہ ایسے پیامی برادری کے ہمدرد سمجھے جائیں گے اور ان کا کام یہ ہوگا کہ پیامی بچوں کو ضرورت کے وقت مدد اور مفید مشورے دیتے رہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہر شاخ کا ایک سرپرست بھی ہونا چاہیئے جو بچوں کو مفید مشورے دیتا رہے اور یہ دیکھتا رہے کہ بچے برادری کے مقصد سے ادھر اُدھر تو نہیں ہٹ رہے ہیں یا اُن کی دلچسپیاں اتنی تو نہیں بڑھ گئی ہیں کہ اُن کی تعلیم میں ہرج ہو رہا ہے اگر کسی بات میں بچوں کو اختلاف ہوگا تو سرپرست کی رائے قطعی سمجھی جائے گی۔ میرٹھ کی شاخ کے سرپرست جناب پروفیسر عقیل صاحب لکچرر میرٹھ کالج منتخب ہوئے ہیں۔ دوسری شاخوں کے بچے بھی اپنے اپنے سرپرست منتخب کرکے ہمیں اطلاع دے دیں۔

پچھلے مہینے ایڈیٹر صاحب نے جھنڈے کے سلسلے میں انعامی مقابلے کا اعلان کیا تھا۔ ابھی تک صرف دو بچیوں نے جھنڈے بنا کر بھیجے ہیں۔ مضمون بھی کل تین چار آئے ہیں۔ ایڈیٹر صاحب کو شکایت ہے کہ بچے ادھر اُدھر کے مضمون تو بہت بھیج دیتے ہیں مگر انعامی مقابلے کے مضمون نہیں لکھتے۔ یہ بُری بات ہے۔ میں چاہتی ہوں سب پیامی مقابلے میں حصہ لیا کریں۔ آیندہ میں بہت اچھی اچھی چیزیں مقابلے کے لئے بتاؤں گی مگر پہلے بچے جھنڈے پر مضمون لکھیں اور بچیاں چھوٹا سا جھنڈا بنا کر بھیجیں۔ ۱۲ تاریخ تک یہ چیزیں میرے پاس پہنچ جائیں

بچوں کو یہ سن کر بہت خوشی ہوگی کہ بیج بن کر آگئے ہیں اور بہت خوب صورت ہیں جن بچوں کے دام دفتر میں وصول ہوگئے
ہیں انھیں بھیجے جا رہے ہیں۔ جن بچوں نے دام نہیں بھیجے ہیں وہ جلد بھیج دیں۔

ہاں بھئی برادری کی تین شاخیں اور قائم ہوگئیں ایک لکھنؤ میں۔ دوسری ساگر میں۔ تیسری جھانسی میں۔ اور دوسری
جگہوں میں بھی شاخیں قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہماری پچھلی شاخیں بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔ ان سب کی رپورٹیں مجھے
مل گئی ہیں مگر گنجائش کی کمی کے سبب ہیں اُن کا صرف خلاصہ چھاپ رہی ہوں۔ اچھا خدا حافظ "تمھاری آپا جان"

رپورٹوں کے خلاصے

۱۔ علی گڑھ عزیزی مسال سعزیز عمر سکریٹری شاخ علی گڑھ اطلاع دیتے ہیں پچھلے مہینے علی گڑھ میں برادری کے چار جلسے ہوئے ان
یہ بچے شریک ہوئے۔ اشفاق حسن قادری۔ بدرالدین ابوالحسن۔ اقبال احمد، محمد الحسین انیس عمر، عبدالحمید۔ بدرالدین قادری۔ کرشنا رنگا آسنہی
احسان رشید صدیقی۔ احمد حسن۔ عبدالرحمٰن۔ خلیل عمر۔ معین الرحمٰن۔ ان جلسوں میں چھوٹے بچوں نے کہانیاں سنائیں۔ بڑوں نے مختلف عنوانوں
مباحثے میں حصہ لیا۔ نظمیں اور لطیفے بھی سنائے گئے کہانی سنانے یا تقریر کرنے پر نمبر بھی دئے گئے۔ علی گڑھ کی شاخ نے ایک کرکٹ کلب بھی کھولا
احسان رشید صدیقی اس کے نائب کپتان ہیں پچھلے مہینے اس کا جمخانہ کلب سے میچ بھی ہوا تھا۔ یہ پہلا میچ تھا اور اس میں برادری کے کلب
بہت شان دار کامیابی ہوئی۔

۲۔ سیال کوٹ۔ پرکاش چندر سیکھڑی۔ سکریٹری شاخ سیال کوٹ۔ اطلاع دیتے ہیں پچھلے مہینے برادری کا جلسہ سیکھڑی بلڈنگ میں
یہ تجویزیں پاس ہوئیں (۱) جلسہ ہر مہینے کے آخری ہفتے میں ہوا کرے گا۔ (۲) ڈبیٹ یا مباحثہ ضرور ہوگا۔ (۳) انجمن کا چندہ ۔ ماہوار رکھا گیا (۴)
سیکھڑی بلڈنگس میں ہوا کرے گا (۵) ہر ممبر کو تقریر پر نمبر دئے جائیں گے۔ (۶) جس ممبر کی نظم، مضمون یا تقریر سب سے اچھی ہوگی یا وہ برادری کے
زیادہ ممبر بنائے گا اسے صدر اور سکریٹری انعام دیں گے (۷) سال میں ایک بار لڑکوں کی چیزوں کی نمائش ہوگی (۸) ڈراما تیسرے مہینے ہوگا (۹)
تیسرے مہینے منگائی جائیں گی۔ سکریٹری نے جواہر لال نہرو پر۔ اندر سکھ دیپ نے ڈاکٹر اقبال پر اور پرتھوی راج چاؤلا نے کھدر پر تقریریں کیں۔ انھیں
بھی دئے گئے۔ سب پیامیوں نے وعدہ کیا کہ وہ کھدر کے کپڑے پہنیں گے جلسہ رامائن کے اشلوک سے شروع کیا گیا جلسے کے بعد ایک ڈراما بھی ہوا جسے آدھے شہر کے بچوں

۳۔ آگرہ۔ عزیزہ اسلام فاطمہ زبیری اطلاع دیتی ہیں۔ ۱۲ر اگست کو ان کے مکان پر برادری کا جلسہ ہوا۔ حاضری بہت کافی تھی۔
کی تلاوت کے بعد سلطانہ بہن کا مضمون پڑھا گیا اور اُن کی اس توجہ اور عنایت کا خاص طور سے شکریہ ادا کیا گیا۔ عاقلہ بیگم نے مذہب کی
پر سبحان فاطمہ نے ہیرا مسٹلر اور اس کے محافظوں پر جلیس فاطمہ نے سنیما اور اس کے اثر پر مضمون پڑھے۔ اگلا پروگرام فدا المبارک رکھا گیا ہے
لڑکیوں کے علاوہ خواتین کو بھی بلانے کا ارادہ ہے۔ آخر میں اسلام فاطمہ کی طرف سے چاء کی تواضع کی گئی۔

۴۔ گلبرگہ۔ ابراہیم حسین جلیس اطلاع دیتے ہیں کہ ۲۶ر جولائی کی شام کو پیام برادری کا جلسہ منعقد ہوا۔ سلیم احمد خاں لودھی

اورنگ آباد چلے گئے ہیں اس لئے نئے عہدہ داروں کا پھر سے انتخاب ہوا۔ اور وہ یہ ہیں۔ ابراہیم حسین نبلیس، ڈرائے فرانسس صدر۔ عبدالغفور احمد خالدی اور زبیر احمد خالدی نائب صدر۔ رفیق احمد مہاجر اور محمد نوح فاروقی سکریٹری۔ غلام علی خزانچی۔ سلیم احمد خاں لودھی سابق صدر نے پیام برادری کے قواعد و ضوابط پڑھ کے سنائے تھے جو ترمیم و تنسیخ کے بعد پاس ہوئے عام ممبروں کا چندہ ۱ر اور مجلس عاملہ کے ممبروں کا چندہ ۲ر رکھا گیا لائبریری کی تجویز بھی پاس ہوئی ۲۴ کتابیں بھی مل گئیں۔ ۱۵ کتابیں مسٹر مرلی دھر نے دیں۔ رفیق احمد مہاجر نے تین کتابیں اور آئندہ کے لئے وعدہ۔ محمد نوح فاروقی نے پانچ۔ بہت سے پیامیوں نے کتابیں دینے کا وعدہ کیا۔

۵۔ حیدرآباد۔ دکن۔ منور حسین صدیقی لکھتے ہیں۔ دو مہینوں کی چھٹیوں کے بعد برادری کا پہلا جلسہ رفعت منزل میں منعقد ہوا۔ سکریٹری نے پچھلے دو جلسوں کی روداد پڑھی اور برادری کے قواعد و ضوابط پڑھ کر سنائے۔ عبدالباری سبحانی نے برادری کے مقاصد اور فائدوں پر ایک مضمون پڑھ کر سنایا۔ معین الدین احمد نے پیامیوں کے لئے قابل عمل باتوں پر تقریر کی۔ اقبال حسین نے اپنی تقریر میں برادری کے بارے میں اچھے خیالات ظاہر کئے۔ آخر میں رحیم الدین صاحب صدر کی تقریر ہوئی۔ پھر آئندہ جلسے کی تاریخ اور مباحثے کے لئے عنوانوں کا اعلان کیا گیا۔

۶۔ جھانسی۔ عزیزی الطاف حسین صدیقی اطلاع دیتے ہیں۔ یہاں جمعہ اور ہفتے کو دو مسلسل جلسے ہوئے پہلے میں پیام برادری کے مقصد اور قانون بتائے گئے۔ الطاف حسین صدیقی نے پیام برادری کی ہر دلعزیزی اور برادری کی جگہ جگہ شاخیں کھولنے کے فائدے بتائے۔ یہ طے کیا گیا کہ (۱) جلسہ سنیچر کو ہوا کرے (۲) مباحثہ ضرور ہو (۳) جلسہ مہینے میں کم سے کم ایک دفعہ ضرور ہو۔ (چھیل بہاری لال نے جگہ کے لئے وعدہ کیا) یہ بھی طے ہوا کہ ہر چوتھے مہینے پکنک یا اکسکرشن اور ڈراما ہوا کرے گا۔ آخر میں جلسے کے صدر اسرار احمد خاں نے تقریر کی پھر الطاف حسین اور یونس حسین نے مہمانوں کی چائے اور پھلوں سے تواضع کی۔

دوسرے جلسے میں چھیل بہاری لال اور احمد حسین صدیقی نے برادری کے بارے میں تقریریں کیں پھر عہدے داروں کا انتخاب ہوا الطاف حسین صدیقی صدر۔ چھیل بہاری لال نائب صدر۔ اسرار احمد سکریٹری اور شہنشاہ حسین اسسٹنٹ سکریٹری مقرر ہوئے اس کے بعد یونس حسین نے علامہ اقبال کی زندگی کے حالات بتائے۔ شوکت علی اور ام۔ اے۔ متین نے مرحوم کے کلام پر روشنی ڈالی۔ یوسف حسین نے بیماری کے حالات بتائے۔ پھر سید حیدر علی نے ایک منظوم کہانی سنائی اور نئے صدر کی تقریر کے بعد طے ہوا کہ شہر کے قریب کے بند کی سیر کی جائے وہاں مسٹر کیلاش چندر نے پیامیوں کی مٹھائی اور پھلوں کی دعوت کی۔

۷۔ ساگر۔ سکریٹری صاحب اطلاع دیتے ہیں۔ ساگر میں پیام برادری کی شاخ کا پہلا جلسہ ۱۴ اگست سنہ بروز اتوار بوقت ۹ بجے صبح جناب بابو نذیر محمد صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ اسحاق محمد صاحب صدر تھے۔

محمد شریف اور ظفر اقبال احمد نے حضرت علامہ اقبالؒ کا "قومی ترانہ" ترنم میں پڑھا۔ اس کے بعد احسان اللہ خاں صاحب نے پیام برادری کے مقاصد اور فائدوں پر تقریر کی۔ امیر اللہ خاں نے بھی پیام برادری کے متعلق مختصر تقریر کی۔ تقریروں کے بعد ابراہیم خاں اور میاں شفیق احمد نے "اردو زبان" اور "اتحاد" پر مضمون پڑھے۔ امیر اللہ خان، ظفر اقبال۔ ابراہیم خان اور

محمد تراب نے اپنی اپنی کہانیاں سنائیں محمد شریف نے فراق صاحب کی نظم "پیام بھائیوں کی دعا" نہایت سریلی آواز اور ایسے دلکش انداز میں سنائی کہ تمام بھائیوں کو دوبارہ سننے کا اشتیاق ہوگیا پھر یہ تجویزیں کثرت رائے سے پاس ہوئیں

(۱) ہر ممبر کو آئندہ جلسے تک کم سے کم دو نئے ممبر بنانے چاہئیں۔

(۲) برادری کے ہر ممبر کو تھوڑی بہت تقریر کرنا ہوگی یا مباحثے میں حصہ لینا ہوگا۔

(۳) اچھی تقریر کرنے والوں کو انعام دئے جائیں گے۔

(۴) پیام برادری کے ممبر بحر برادر۔ تقریر میں بے ضرورت انگریزی الفاظ نہ لائیں۔ آخر میں صدر جلسہ نے پیام برادری کی شاخیں جگہ جگہ کھولنے اور اس کے اعلیٰ اغراض و مقاصد پر مختصراً روشنی ڈالی اور اپنے پیام بھائیوں سے استدعا کی کہ وہ وقت کی پابندی کا ہمیشہ لحاظ رکھیں۔ احسان اللہ خاں صاحب نے چائے کا بھی انتظام کیا تھا ۔

امیر اللہ خاں سکریٹری ۔ ۱۶ اگست [illegible]

پیام
رنگ بھرو
نام .... عمر .... درجہ ....
پورا پتہ ....
دستخط ....

رنگ بھرو
نام .... عمر .... درجہ ....
پورا پتہ ....
تصدیق ....

مذہبی کتابیں

عقائد اسلام — یہ رسالہ مسلمان بچوں کو اسلامی عقائد سکھانے کے لئے اختصار کے ساتھ سلیس اردو میں لکھا گیا ہے۔ ۱ر

ارکان اسلام — اس رسالے میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

قرآن کیا ہے اور اس نے کیا کر دکھایا؟ — بچوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کیا ہے۔ کیسے اترا۔ کس پر اترا۔ اور اس نے لوگوں پر کیا اثر کیا۔ قیمت ۲ر

چالیس حدیثیں — یہی چالیس حدیثیں درج کی گئی ہیں جو خاص طور پر بچوں کے لئے سبق آموز ہیں۔ قیمت ۳ر

آخری نبیؐ — آسان زبان میں آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

ہمارے نبیؐ — ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کا حال کہانی کے انداز میں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھا گیا ہے ۳ر

آں حضرتؐ — رسول پاک کی زندگی کے حالات بہت آسان اور دلچسپ زبان میں۔ قیمت ۴ر

ہمارے رسولؐ — یہ کتاب سرور عالم صلعم کی پاک سیرت پر ذرا بڑے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے جس کے پڑھنے سے رسول کی محبت اور سنت کی پیروی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۵ر

سرکار کا دربار — سرور کائنات صلعم کے حالات، بچوں، عورتوں اور عام مطالعے کے لئے بہت مقبول و مشہور کتاب۔ آٹھواں ایڈیشن۔ قیمت ۸ر

سرکار دو عالم — نسبتاً بڑے لڑکوں کے لئے سیرت پاک سب سے صاف اور ستھری اور آسان زبان میں چھاپی گئی ہے۔ قیمت ۸ر

چار یار — حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی رضوان اللہ علیہم کے نصیحت آمیز اور دلچسپ حالات۔ تیسرا ایڈیشن ۲ صفحے۔ قیمت ۳ر

خلفاء اربعہ — اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی، خدمت اسلام، محبت رسول، عام عادات و اخلاق سہل زبان میں ذرا بڑے لڑکوں کے لئے لکھے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ خلفاء اربعہ کے عہد میں عرب کی کیا حالت تھی اور اسلام نے کیا ترقیاں کیں۔ حجم ۱۹۲ صفحات۔ قیمت ۸ر

دس جنتی — حضرت زبیر، طلحہ، عبد الرحمن، سعد، ابو عبیدہ اور سعید کے حالات تفصیل سے اور باقی چار یار رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات۔ قیمت ۵ر

نبیوں کے قصے — حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کے حالات آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

اچھی باتیں — ان آیات قرآنی کی عام فہم تفسیر جو پند و نصائح پر مبنی ہیں قیمت ۳ر

مکتبہ جامعہ
دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۹۱

دلچسپ معلومات اور ڈرامے

تاریخ ہند کی کہانیاں سینکڑوں برس پہلے کے ہندوستان کی تاریخی کہانیاں ایسی آسان اور پیاری زبان میں لکھی گئی ہیں کہ کوئی بچہ بغیر ختم کئے نہیں چھوڑ سکتا۔ پہلے حصے میں قدیم ہندی باشندوں کا ذکر ہے اور دوسرے حصے میں مسلمانوں کا۔

قیمت حصہ اول ۸ر - حصہ دوم ۵ر

اسلامی تاریخ کی کہانیاں اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں اسلامی تاریخ کی بہت سی مختصر کہانیاں چھوٹے بچوں کے لئے جمع کر دی گئی ہیں اور حصہ دوم میں ذرا بڑی کہانیاں ہیں۔ قیمت حصہ اول ۵ر - حصہ دوم ۵ر

کائنات سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا چیز ہے، دن رات کیسے ہو جاتے ہیں گرمی جاڑا کیوں ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں کے ذریعے بچوں کو سمجھایا گیا ہے۔

دنیا کے بسنے والے عرب، افریقہ، جاپان، سوئزرلینڈ اور ہندستان کے باشندوں کے حالات درج ہیں بہت دلچسپ ہے

دنیا کے بچے دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے حالات بہت آسان زبان اور اچھوتے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے قیمت ۱۲

تعلیمی کھیل اس کتاب میں اول جماعت سے لے کر چھٹی جماعت تک کے لئے ایسے کھیل درج ہیں جن سے بچوں میں حساب، انگریزی اور ڈرائنگ وغیرہ کی استعداد بڑھتی ہے قیمت ۸ر

دہلی دہلی کی خاص خاص عمارتوں کا دلچسپ بیان خاص طور پر بچوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ بلاک کی چو تصاویر اور دو نقشے۔

قیمت ۸ر

بچوں کے لئے ڈرامے

دیانت۔ ڈاکٹر ذاکر حسین	قیمت	۲ر
شریر لڑکا۔ ڈاکٹر سید عابد حسین	″	۲ر
قوم پرست طالب علم۔ محمد عبدالغفار مدہولی	″	۲ر
بچوں کا انصاف	″ ″ ″	۲ر
اسکول کی زندگی	″ ″ ″	۲ر
محنت	″ ″ ″	۲ر

مکتبہ جامعہ

دہلی۔ بمبئی۔ لاہور

بچوّں کی کتابیں

کہانیوں کی کتابیں تو تم اور بھی پڑھتے رہتے ہو۔ پر ہم نے اپنی کہانیاں بہت قابل قابل لوگوں سے لکھوائی ہیں۔ ان میں خاص بات یہ ہے کہ زبان بہت سادہ، صاف اور آسان ہے اور قصّے تو اتنے دلچسپ کہ بس ایک ہی سانس میں ساری کتاب پڑھنے کو جی چاہے۔ یہ قصے تمھاری قابلیت کا خیال رکھ کر لکھوائے گئے ہیں۔ اور ان کے درجے مقرر کر دیے گئے ہیں۔

درجۂ اول

ننھی مرغابی۔ از عبدالواحد صاحب سندھی استاد جامعہ ۔ ہر
بچوں کی کہانیاں " " " ۲ر

درجہ دوم

لال مرغی۔ از عبدالواحد صاحب سندھی استاد جامعہ ۲ر
جنگو کی بلّی " " " ۲ر
مرغی اجمیر چلی۔ از رقیہ ریحانہ ۲ر
تابیل خاں۔ از محمد حسین حسان ایڈیٹر پیام تعلیم ۲ر
چھوٹا چیو " " " ۲ر
پوری جو کڑھائی سے نکل بھاگی۔ از رقیہ ریحانہ ۲ر

درجہ سوم

غیبت کا پھل۔ از مرزا مظفر حسین صاحب ۲ر
شیدلا۔ از پروفیسر محمد مجیب صاحب ۳ر
چھدو۔ از رقیہ ریحانہ ۳ر
بیکاری " " ۲ر
انعامی مقابلہ۔ از محمد حسین حسان ایڈیٹر پیام تعلیم ۳ر

درجہ چہارم

شہزادی گلنار۔ از پروفیسر محمد عطاء اللہ ۳ر
عقاب۔ از رقیہ ریحانہ ۳ر
ترکوں کی کہانیاں ۳ر

سوئٹزرلینڈ کے پہاڑ پر لکڑی کا
ایک پرانا پل

سوئٹزرلینڈ کا ایک منظر
(متعلق مضمون نئی دنیا کا سفر)

ہو منڈو کی اونچی عمارتیں
(متعلق مضمون نا معلوم ہے)

جامعہ کے ننھے اسکالر بچوں کی ٹیم جس نے پچھلے سال انصاری میموریل ہاکی ٹورنامنٹ میں کامیابی حاصل کی

پیامِ تعلیم دہلی

پیامِ تعلیم :- یوپی ، سی پی ، برار ، میسور ، اور حیدرآباد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے "منیجر"

ایڈیٹر :- محمد حسین حسان ندوی جامعی

قیمت سالانہ ہمار - فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۱	اکتوبر ۱۹۳۸ء	نمبر ۱۰

فہرست مضامین

پرنٹر، پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین - ایم اے - پی ایچ ، ڈی جی نے محبوب المطابع برقی پریس ، دہلی

بچوں سے باتیں

سال گرہ نمبر کی تیاریاں قریب قریب مکمل ہو چکی ہیں۔ پرچہ ان شا اللہ تمھیں ٹھیک وقت پر ملے گا۔ ہاں کچھ دنوں سے بہت سے بچوں کی شکائتیں آرہی ہیں کہ انھیں پرچہ نہیں ملا۔ اس لئے احتیاط کی بات یہ ہے کہ یہ خاص پرچہ تمھارے پاس رجسٹری کے ذریعے بھیجا جائے جو بچے زیادہ سے زیادہ ۲۰ر اکتوبر تک رجسٹری کے ٹکٹ بھیج دیں گے۔ انھیں یہ پرچہ رجسٹرڈ پارسل کے ذریعے بھیجا جائے گا۔

اس پرچے کو مفید، دلچسپ اور خوش نما بنانے میں کارکنوں نے بہت محنت کی ہے۔ دوسرے سالناموں کے مقابلے میں اس کی تیاری میں لاگت بھی زیادہ آئی ہے اس لئے ہمیں امید ہے کہ بچے اپنے پرچے کے خریدار بڑھانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت شاہ پیر محی الدین صاحب مرحوم جنوبی ہند کے بہت دین دار بزرگ تھے جامعہ سے مرحوم کو بہت ہمدردی تھی افسوس کہ آخر اگست ۱۹۳۸ء کو اُن کا انتقال ہو گیا ہمیں اس حادثے میں اُن کے عزیزوں کے ساتھ دلی ہمدردی ہے

اس پرچے میں ایک پیامی بچی شمسہ زیب النسا بیگم کی تصویر چھپ رہی ہے۔ یہ ہونہار بچی ابھی بہت کم سن ہے۔ کل ۹ برس کی عمر ہے۔ پھر بھی ابھی پچھلے دنوں اس نے انگریزی مڈل کا امتحان نہایت کامیابی سے پاس کیا ہے اور صوبے بھر میں اول رہی ہے۔ ہم اس کامیابی پر بچی کو اور جناب محمد اسمٰعیل شریف صاحب کو دلی مبارک باد دیتے ہیں۔

میں نے ہے اک بلی پالی — ننھی منی بھولی بھالی

اس کا رنگ سفید اور بھورا — اچھا اچھا پیارا پیارا

جب وہ میرے پاس ہے آتی — میں اس کو ہوں دودھ پلاتی

کھانے کو جب جاتی ہوں میں — اس کو بھی ساتھ کھلاتی ہوں میں

اس کے بال ہیں لمبے لمبے — نرم نرم اور چکنے چکنے

بھائی نے جب دیکھا اس کو — کہنے لگے یہ دے دو مجھ کو

میری بلی کو کیوں مانگیں — دوسری بلی لاکر پالیں

میری پیاری پیاری بلی

میری راج دلاری بلی

کوّا اور ہڈی

محمد اشرف انصاری
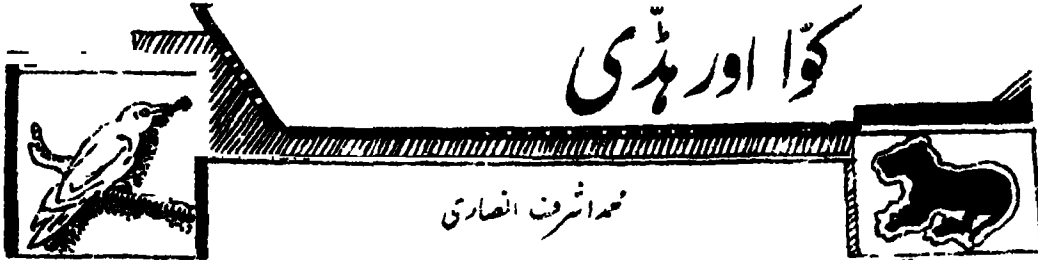
آج ہم تمھیں ایک کہانی سناتے ہیں جس سے تم اندازہ لگا سکوگے کہ کوّا کتنا ہوشیار اور چالاک ہوتا ہے۔

کسی درخت کے نیچے ایک کتّا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں ایک ہڈی تھی۔ وہ اُسے آہستہ آہستہ کھا رہا تھا۔ اوپر درخت کی شاخ پر ایک کوّا بھی بیٹھا تھا اور نہایت غور سے کتّے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح کتّے سے ہڈّی چھینی جائے۔

بیٹھے بیٹھے کوّے کے دماغ میں نہ معلوم کیا آیا کہ وہ وہاں سے اُڑ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک اور کوّے کے ساتھ واپس آیا اور دونوں درخت کی شاخ پر بیٹھ گئے۔ فوراً ہی اُن دونوں میں سے ایک نیچے اُترا اور کتّے کی دُم کے پاس جاکر اُسے کھینچنے لگا۔ کتّے کو اب پیچھے کی طرف مُڑنا پڑا، یہ دیکھنے کے لئے کہ اُس کی دُم کون کھینچ رہا ہے۔

جب اُس نے ایک کوّے کو اپنی دم کھینچتے ہوئے دیکھا تو ہڈی چھوڑ کر اُس پر جھپٹا۔

اتنے میں دوسرا کوّا فوراً نیچے اُترا اور ہڈی اپنی چونچ میں دبا کر اُڑ گیا۔ اب کتّے میاں بہت تلملائے۔ لیکن کیا کر سکتے تھے۔

ٹکٹوں کا چڑیا گھر

محمد عبدالقدیر - میرٹھی
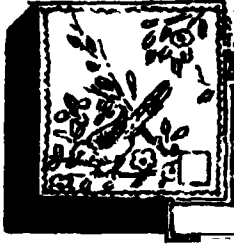
اکثر لڑکوں نے چڑیا گھر دیکھا ہوگا لیکن اگر آپ نے نہیں دیکھا ہے اور آپ کے پاس بہت اچھے اچھے ٹکٹ ہیں تو چڑیا گھر جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کا البم خود ایک چڑیا گھر ہے۔ تقریباً تمام خاص خاص جانور، پرند کیڑے مکوڑے حتیٰ کہ مچھلیاں تک ٹکٹوں پر بنی ہوتی ہیں۔ اگر ان تمام ٹکٹوں کے حالات لکھے جائیں تو اچھی خاصی ایک کتاب تیار ہوجائے۔ ہم ان خاص خاص اور دلچسپ جانوروں کے بارے میں جو مختلف ممالک کے ٹکٹوں پر چھپے ہوتے ہیں۔ مختصر طور پر بیان کریں گے۔

ڈاک کے ٹکٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو ایشیائی جو عموماً سر مور، بورنیو اور لسبتی آبنائے (STRAIT SETTLEMENT) کے ٹکٹوں پر دیکھا جاتا ہے اور ایک لائبیریا کے ٹکٹوں پر افریقہ کے ہاتھی کی تصویر بنی ہوتی ہے جو قد میں ایشیائی ہاتھی سے بڑا ہوتا ہے۔ آخر الذکر ملک تو ہمیشہ سے جانوروں کی تصویروں کے ٹکٹ شائع کرنے کا شائق رہا ہے۔ اسی ملک کے ٹکٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائی گھوڑا بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ عام جو چڑیا گھروں میں پایا جاتا ہے اور ایک قد میں چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی تصویر ۱۹۰۶ کے ۵، سنٹ کے ٹکٹ پر پائی جاتی ہے۔

نیاسا کے ٹکٹوں پر بھی جانوروں کی تصویریں اکثر ملتی ہیں۔ ½ سنٹ کے مثلث شکل

کے ٹکٹ پر "زراف" کی تصویر بنی ہوتی ہے
ایسے ہی ٹنگانیکا کے ایک ٹکٹ پر زراف
کا سر دکھایا ہے

بلجیم کانگو کے ۱۹۳۲ء کے ایک ٹکٹ پر
زراف خاندان کے ایک اور جانور کی تصویر
ہے جسے "وکاپی (OKAP) کہتے ہیں
یہ قد میں زراف سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کے
سینگ بھی نہیں ہوتے اور گردن بھی اتنی
لمبی نہیں ہوتی جتنی "زراف" کی۔

شمالی بورنیو ۱۹۰۹ء کے ۱ سینٹ
کے ٹکٹ پر ایک عجیب جانور کی تصویر ہے اس
کے چھوٹی سی سونڈ بھی بنی ہوئی ہے۔

لائبیریا کے ۱۹۱۸ء کے ۲ سنٹ
کے ٹکٹ پر ایک جانور کی تصویر ہی جو ٹی سے
چھوٹا مگر اس سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔

فرانسیسی گائنا کے ۱۹۰۴ء کے ایک
کم قیمت ٹکٹ پر چیونٹی کھانے والے جانور
کی تصویر ہے۔

آسٹریلیا کے اکثر ٹکٹوں پر کالی بطخ کی
تصویر ہوتی ہے جو مغربی آسٹریلیا کا خاص نشان
ہے۔ چند پر کنگرو بھی بنا ہوتا ہے کیونکہ یہ سوائے
آسٹریلیا کے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔

آسٹریلیا کے ٹکٹوں میں بادشاہ جارج
کی تصویر کے کناروں پر اور نیو ساؤتھ ویلز کے
۱۸۸۸ء کے ۲ پنیں کے ٹکٹ پر "ایمو" کی
تصویر بنی ہوتی ہے جو شتر مرغ سے ملتا
جلتا ہوتا ہے۔ ۱۸۹۸ء کے ۶ پنیں کے ٹکٹ
پر ایک جانور "کیوی" کی تصویر دیکھی ہوگی
وہ قد میں مرغی کے برابر ہوتا ہے اور ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ اپنی لمبی چونچ کی وجہ سے
اپنا بوجھ نہیں سنبھال سکتا۔

نیوزی لینڈ کے ۳ سنٹ کے ٹکٹ
پر ایک اور جانور دکھایا ہے جسے "کی"
کہتے ہیں۔ کسان اسے پسند نہیں کرتے

کیوں کہ وہ بھیڑوں کی پیٹھ پر سے اُون اُتار کر گوشت کھا جاتا ہے۔ یورو گوئے کے ٹکٹوں پر ٹیرو کی تصویر ہوتی ہے۔ وہ جانوروں کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا ہے مگر گوشت نہیں نوچتا۔

شمالی بورنیو کے ٹکٹوں پر اکثر جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں۔ مثلاً "کا کا توا" مگرمچھ وغیرہ

لائبیریا، شمالی بورنیو اور لبنان کے ٹکٹوں پر اکثر مگرمچھ کی تصویر ہوتی ہے۔

نیو فاؤنڈ لینڈ کی تمام دولت کا مدار کاڈ مچھلی پر ہے جو عام طور پر وہاں کے ٹکٹوں پر بنی ہوتی ہے۔ لائبیریا کے ۱۹۰۶ء کے رجسٹری کے ایک ٹکٹ پر سانپ بنا ہے چین کے ٹکٹوں پر اژدہا بنا ہوتا ہے۔

اگر تمام ملکوں کے ان ٹکٹوں کی نمائش کی جائے جن پر جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں تو میرے خیال میں تسمانیہ کا نمبر اول ہوگا کیوں کہ اس کے ٹکٹ پر ایک نہایت عجیب جانور کی تصویر ہے جسے "پلاٹی پس" کہتے ہیں۔ اس کی چونچ اور پیر بطخ کے مانند اور اس کا رواں چھچھوندر کے بالوں کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس جانور میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ چوپایہ ہوتے ہوئے بھی انڈے دیتا ہے خشکی اور تری دونوں میں رہتا ہے۔

جاپان کے ۱۹۲۳ء کے زلزلے کے بعد وہاں ٹکٹوں پر ایک خاص قسم کی مکھی کی تصویر چھاپی گئی۔ لبنان میں ایک سٹ خاص ریشم کے کیڑوں کی بابت چلا ہے جس میں ریشم کے کیڑے کی مختلف شکلیں مختلف ٹکٹوں پر دکھائی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی قسم کے جانوروں کی صورتیں ٹکٹوں پر ہوتی ہیں ٹکٹ جمع کرنے والے بچوں کو چاہیے کہ وہ البم میں کچھ صفحات صرف اِن جانوروں کے ٹکٹ لگانے کے لئے مخصوص کرلیں تاکہ ایک نظر میں پورے چڑیا گھر کی سیر کرلیں ٭

جانوروں کی ہمدردی

محمد مسعود احمد برنی - حیدرآباد دکن

ایک دن دوپہر کو حمید کی ماں نے اس سے کہا کہ "آؤ بیٹا کھانا کھا لو"

"کھانے میں کیا کیا چیزیں ہیں"

"آلو کا بھرتا، گوشت، میٹھے چاول"

"نہیں مجھے گوشت پسند نہیں ہے۔ میٹھے چاول بھی نہیں۔ جاؤ میں کھانا ہی نہیں کھاتا۔"

"اچھا تو جاؤ جہاں جی چاہے کھیلتے پھرو"

یہ سن کر حمید وہاں سے چل دیا اور دن بھر آس پاس کے میدانوں میں کھیلتا رہا آخر سرِ شام تھک کر چور ہو گیا۔ اور بھوک جو زور کی لگی تو ایک جگہ بیٹھ کر آنسو بہانے لگا۔

اتفاق سے اُدھر سے ایک چوہا گذرا اور حمید کو روتا دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیوں میاں تم کیوں رو رہے ہو؟

"مجھے بھوک لگی ہے۔ میں نے صبح سے کھانا نہیں کھایا۔"

"بس اتنی سی بات ہے۔ اچھا میں تمھارے کھانے کے لئے ابھی کوئی چیز لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر چوہا وہاں سے چلا گیا اور گیہوں کے کھیت میں جا کر ایک بال توڑ کر لایا۔ حمید نے اس کے دانے اپنے ہاتھ پر مل کر نکالے۔ اور کھا لئے لیکن بھوک میں کمی نہ ہوئی۔ اتنے میں اِدھر سے ایک شہد کی مکھی گذری۔ حمید کو روتا دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "کہو میاں تم کیوں رو رہے ہو؟"

"مجھے بھوک لگی ہے۔ میں نے صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ اس وقت کھانے کو صرف ایک بال ملی ہے۔"

"بس اتنی سی بات ہے۔ اچھا میں تمھارے

کھانے کے لئے ابھی کوئی چیز لاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر مکھی چلی گئی اور اپنی چھتّے میں سے شہد نکال کر لائی۔ شہد تازہ اور بہت مزیدار تھا۔ حمید نے شوق سے کھالیا، مگر پیٹ اب بھی نہ بھرا۔

اتفاق سے ٹہلتے ٹہلتے ایک گائے بھی اُدھر آپہنچی اور حمید کو بلک بلک کر روتا دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیوں میاں کس لئے رو رہے ہو؟"

"مجھے بھوک لگی ہے۔ میں نے صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا۔ میرا گھر دور ہے۔"

"اچھا آؤ۔ میں تمھیں گھر لے چلوں۔ میرے دودھ دوہنے کا وقت بھی آرہا ہے۔ آؤ اچک کر میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔"

حمید خوشی خوشی اپنی ٹوپی سنبھال کر اُٹھا اور گائے کی کمر پر اُچک کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس نے اس کے سینگ تھام لئے۔

آخر گائے اس کے دروازے کے آگے پہنچی اور اسے جب اپنی کمر سے اتار دیا تو وہ خوشی خوشی اپنی ماں کو آواز دیتا ہوا اندر بھاگا۔ اور اس سے کھانا مانگنے لگا۔ لیکن ماں نے جواب دیا۔

"تمھیں کھانا نہیں مل سکتا۔ یہ کھانے کا وقت نہیں ہے۔ کھانے کا وقت دیر ہوئی ختم ہوگیا۔"

"تو پھر کیا چائے بھی نہیں دوگی؟"

"نہ تمھیں چائے مل سکتی ہے۔ چائے کا ابھی وقت نہیں ہوا ہے۔"

"اماں مجھے بھوک لگ رہی ہے، مجھے بہت افسوس ہے۔"

"یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ وقت پر کھانا نہ کھانے اور کہنا نہ ماننے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ میں مجبور ہوں۔ گھر میں کھانا بھی نہیں اور چائے کے لئے دودھ بھی نہیں"

"بس اتنی سی بات ہے۔ لیجئے دودھ

میں دیتی ہوں" گائے نے کہا جو ان کی باتیں سُن رہی تھی۔

اس طرح حمید نے دن بھر تکلیف اٹھا کر اس وقت دودھ ڈبل روٹی کھائی۔ اگرچہ جانوروں نے اس کے ساتھ اپنی بساط کے موافق ہمدردی ضرور کی۔ لیکن ان کی ہمدردی بہت چھوٹی تھی۔ حمید نے پھر اپنا پیٹ بھر کر گائے کا شکریہ ادا کیا اور چوہے اور مکھی کے نام بھی اسی کے ہاتھ اپنا شکریے کا پیام بھیجا اور ماں سے وعدہ کیا کہ آیندہ سے وہ برابر کہنا مانے گا

خط کتابت

اگر کسی پیام بھائی کے پاس بھوپال کے ار دا ٹکٹ ہوں تو میں اُن کے بدلے ار۱۰ والے ۱۰ ٹکٹ (جو ٹکٹ لینا چاہیں) دے سکتا ہوں۔

محمد سعید خاں بھوپالی۔ نائی دالان گلی نمبر ۸
قرولباغ۔ نئی دہلی

میرے پاس ایک ہزار کے قریب دوسرے ملکوں کے ٹکٹ ہیں کئی دو سو ایڈورڈ ہفتم کے زمانے کے بھی ہیں۔ ان میں جرمنی۔ فرانس۔ آئرلینڈ، جرمنی، بلجیم، امریکہ، نیوزی لینڈ، اٹلی، چیکوسلاویکیا کے ٹکٹ ہیں۔ جو صاحب بدلنا چاہیں وہ لکھیں کہ کون کون سے ٹکٹ بدلے میں دینگے

آنا ایم۔ آر۔ اے۔ کے۔ پی۔ وائی۔ معرفت
ایم عبدالعزیز خان گلی نمبر ۱۳۔ شملہ۔

میرے پاس حیدرآباد کے دو نایاب ٹکٹ موجود ہیں جن پر لکھا ہوا ہے۔

POST STAMP
سرکار آصفیہ
۱۲۱۶ ھ
دو آنہ

میں ان کو ملکہ اسٹرڈ بلجیم کے ماتمی سٹ کے ساتھ مبادلہ کروں گا۔ جو تقریباً ۱۰۰ سال کا ٹکٹ ہے اور میرے پاس حیدرآباد، امریکہ، فرانس، جرمنی اور انگلینڈ، ایڈورڈ ہفتم کے ٹکٹ بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ میں غیر ممالک اور دیسی یاستوں کے مثلاً اندور، کوچین، کشمیر، جھند، جے پور، بھوپال کے ٹکٹوں کے ساتھ مبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔

محمد اسمٰعیل معرفت محمد غوث اسٹورکیپر
سنگاریني۔ کالریس (دکن)

ہمارا طوطا

حسن آرا بیگم (دختر تنہا صاحب) میرٹھ

ہمارا طوطا بھی عجیب ہے۔ بالکل گُم سُم جیسے چپ کے لڈو کھالئے ہوں۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ گلھڑ ہے۔ کوئی تین مہینے ہوئے ایک مولوی صاحب دے گئے تھے۔ ہم اس وقت تو بہت خوش ہوئے کہ کچھ دنوں میں بولنے لگے گا۔ ہم نے بہت پڑھایا مگر یہ ٹیں ٹیں کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ ہم اسے خوب کھلاتے پلاتے۔ سردیوں میں رات کا وقت اپنے پلنگ کے پاس اس کا پنجرہ رکھتے صبح کے وقت جب سورج نکل آتا تو دھوپ میں اُسے باہر لے آتے۔ لیکن یہ طوطا آج تک نہ بولا نہ آئندہ اُمید۔ آخر ہم نے ارادہ کیا کہ اُسے آزاد کردیں اور کوٹھے پر جاکر اس کا پنجرہ کھول دیا۔ پر وہ اندر ہی گھسا رہا۔ کسی طرح باہر نہ آیا۔ میں نے خیال کیا کہ آدمی اسی طرح قید یا غلامی کی حالت میں ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاتا ہوگا۔

لو صاحب آج ہمارا طوطا اُڑ گیا۔ ہوا یہ کہ بھائی جان اور ابّا نے لوہے کی باریک سلاخ لے کر ایک طرف ہنکانا شروع کیا۔ طوطا مجبور ہوکر پنجرے کے دروازے سے نکلا اور بھائی پھر تو ایسا اُڑا کہ دم بھر میں نظروں سے غائب۔

مجھے اس کی بے مروتی اور طوطا چشمی پر افسوس ہوا۔ پہلے تو یہ سمجھ رہی تھی کہ یہ طوطا اُڑلئے بھی نہیں اُڑے گا۔ پر جب وہ پنجرے سے نکل کر دم بھر میں غائب ہوگیا تو سچ مچ رنج ہوا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ ہمارے ہندو مسلمان بھائیوں کا بھی یہی حال ہے۔ انہیں جب تک جھنجھوڑا نہ جائے گا اُن کی آنکھیں نہیں کھلیں گی۔ ہمارے ملک کے اچھے اچھے اور بڑے بڑے لوگ یہی کام تو کر رہے ہیں۔

وقت کی قدر

بشیر احمد صدیقی حیدرآباد دکن۔

تم فرانس کے مشہور سپہ سالار نپولین کے نام سے تو واقف ہی ہو۔ جہاں اس کے بہت سے دوست تھے ...... اس کے دشمن بھی بے شمار تھے، جو آئے دن طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے تھے۔ ایک دن اُس کے خاص دشمنوں نے کہیں سُن پایا کہ آج رات کے آٹھ بجے نپولین تھیٹر جانے والا ہے۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح سنیما تو ہوتے ہی نہیں تھے۔ خیر اُن میں آپس کے صلاح و مشورے کے بعد طے پایا کہ ان میں کا ایک تو سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر ہاتھ کا اشارہ کرے اور دوسرا بم کا گولا پھینک کر نپولین کا خاتمہ کر دے۔

رات کے آٹھ بجے نپولین تھیٹر جانے کے لئے نکلا۔ اشارہ کرنے والے شخص نے سوچنے میں ایک سکنڈ کی دیر کر دی۔ جب اُس نے اشارہ کیا ہے تو نپولین کی سواری مقررہ جگہ سے بڑھ چکی تھی ۔ بم کا گولا پھٹا بھی اور لگا تو سہی مگر کسے؟ نپولین کے نہیں بلکہ اس کے دوسرے ساتھیوں کے ۔

دیکھئے کہ ایک سکنڈ کی دیر نے کیا سے کیا کر دیا۔ اگر نپولین کا دشمن ایک سکنڈ کی بھی دیر نہ کرتا تو بے چارے نپولین کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ اور اگر وہ کروڑوں روپئے بھی صرف کرنے کو تیار ہوتا تو وہ کھویا ہوا سکنڈ واپس نہیں مل سکتا تھا۔

شیر

منیرہ جمیل۔ محمد عبدالرؤف صاحب آصف آباد۔ دکن۔

شیر ہندوستان کے اکثر بڑے جنگلوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہمارے دکن میں ضلع آصف آباد میں جو بہت بڑے اور گھنے جنگل کی وجہ سے مشہور ہے۔ جنگلی جانور جیسے ہرن، سانبھر، چیتل (جو گھوڑے کے برابر ہوتے ہیں۔ بوربچے، ریچھ اور شیر بھی بکثرت موجود ہیں)۔

ذرا خیال تو کیجئے جنگل کا آزاد شیر کیسا ہوتا ہوگا! خوب موٹا تازہ۔ چڑیا گھر کے شیروں کی طرح اس کے پیٹ میں گڑھے نہ ہوں گے اور جدھر جی چاہے چھلانگیں مارتا گرجتا پھرتا ہوگا۔ کسی دوسرے جانور سے ذرا بھی نہ ڈرتا ہوگا۔ اسی لئے تو شیر کو جنگل کا بادشاہ کہتے ہیں۔ ہر شیر آدم خور یعنی آدمیوں کو کھانے والا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی شیر کبھی کسی آدمی کو کھا جائے تو پھر وہ ہمیشہ آدمیوں کی تاک میں رہتا اور آدم خور بن جاتا ہے۔

یہاں کے اکثر لوگوں کا ایسے شیروں سے سامنا ہو جاتا ہے۔ ہم ان کے قصے بہت شوق سے سُنا کرتے ہیں۔ آج میں اپنے پیامی بھائیوں اور بہنوں کو دو ایک قصے سُناتی ہوں۔

ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے والد کے دورے کے زمانے میں اُن کے کلرک وغیرہ دورہ کرکے ایک مقام سے دوسرے مقام کو جا رہے تھے۔ راستے میں انھیں شیر مل گیا! جو ان کے کھاچروں (گاڑیوں) کے آس پاس چکر لگاتا رہا۔ مگر آدمی زیادہ تھے سب نے خوب شور و غل مچایا اور شیر بھاگ گیا۔

کہتے ہیں شیر بلند آوازوں اور چیخوں سے بہت ڈرتا ہے اور فوراً بھاگ جاتا ہے

ایک اور قصہ سنئے : بہت دنوں پہلے کا ذکر ہے میرے ماموں جب نئے نئے تحصیل دار ہوئے تھے تو ان کی آصف آباد میں ان کی تعیناتی ہوئی۔ اب تو اس ضلع سے ریل گذرنے لگی ہے۔ پکی سڑکیں بھی بن گئی ہیں۔ جنگل بھی کچھ کم ہو گیا ہے مگر اس زمانے میں آصف آباد سے سب ہی ڈرتے تھے۔ ماموں جان کہتے ہیں۔ ایک دن مقامی افسروں نے شکار کی ٹھہرائی۔ اور سب نے کسی قریب کے گاؤں میں ڈیرا ڈالا۔ دوسرے دن یہ لوگ شکار کے لئے نکلے سمجھے تھے کہ ہرنوں کا شکار ہوگا۔ شیر کے شکار کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ نہ اس کے لئے کوئی انتظام کیا گیا تھا کیوں کہ شیر کو اونچے اونچے درختوں پر بیٹھ کر مارتے ہیں۔ جس گاڑی میں ماموں جان تھے اس میں ایک اور افسر اور گاڑی بان۔ بس یہی تین آدمی تھے۔ اتفاق سے یہ کھاچر بہت آگے نکل گئی۔ جب بہت دور تک گھنے اور سنسان جنگل اور گھاس کے وسیع میدان میں سے گذرتے رہے۔ سڑک اور کسی دوسرے آدمی کا نشان بھی نہ ملا۔ تو یہ لوگ بہت پریشان ہوئے کیونکہ اب اُن کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ راستہ بھول گئے ہیں بس پھر کیا تھا ذرا بھی پتا کھڑکتا تو یہ سمجھتے کہ شیر آن پہنچا۔

جب اُن کی کھاچر اس گھاس کے لہلہاتے میدان میں سے گذرتی تو قدآدم گھاس کے بیچ میں ایک گلی سی بن جاتی تھی وہ یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ سچ مچ کا ایک خوب موٹا تازہ شیر بڑے بھینسے کے برابر بہت بڑا سر، بڑا سا منہ، بھاری بھاری پنجے لمبے لمبے دانت، گھاس کے میدان سے کود کر اسی گلیاری میں آموجود ہوا۔ اور کھاچر کی سیدھ میں چلا آرہا ہے !

اب کیا تھا حواس غائب ہو گئے بیلوں کی رفتار بھی کم ہو گئی۔ شیر ہے کہ تین چار گز کے فاصلے پر سامنے موجود ہے۔ کھاچر کی دھیمی رفتار کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھا چلا آتا ہے

اتنے میں شیر زمین پر بیٹھ گیا اگلے دونوں پاؤں جھکا دیے۔ گردن بھی جھکالی گویا اب جست کیا ہی چاہتا ہے۔ اتنے میں کھا چ کچھ اور آگے بڑھ گئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ اس کا نشانہ خالی رہا۔ کیوں کہ وہ اُٹھ کر کچھ اور آگے بڑھا پھر جھک گیا۔ گاڑی والے نے کہا "سرکار جان بچانا ہو تو خوب چیخیے" پھر کیا تھا۔ تینوں مل کر خوب چلائے۔ اتنی چیخیں ماریں کہ شیر گھبرا کر زور سے قریب کی گھاس میں کود گیا۔

ان لوگوں نے موقع کو غنیمت جانا اور بہت مشکل سے ایک درخت پر چڑھ گئے۔

بہت دیر گذر جانے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ ساتھی بیسیوں آدمیوں اور بندوقوں وھپڑوں (دیہاتی باجہ) کے ساتھ اُن کو ڈھونڈتے ہوئے آپہنچے ہیں۔ کیونکہ اُن کو معلوم تھا کہ اس طرف آدم خور شیر موجود ہیں۔ جب ان لوگوں کو دیکھا تو بڑی مشکل سے درخت سے اتارا اور سب خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے گھر واپس آ گئے

پہیلیاں[1]

(۱) اک نار میں دیکھی کاری
بچّہ جنے ہر دن ہر باری
بچّہ ہوتے ہی ماں کو کھائے
بچّہ مرے تو ماں جی جائے

(۲) تین دن میں جوان ہو
اور تیرہ دن میں بوڑھا
تین دن وہ قید رہے
اور چوتھے دن ہو پیدا

(۳) نیزہ بازوں کا ایک ہے لشکر
ایک پٹکے سے سب ہیں باندھے کمر
روک دیں جس طرف برائے مصاف
گھر کے گھر کردیں ایک پل میں صاف

(۴) کیا جانوں وہ کیسا ہے
جیسا دیکھوں ویسا ہے
مطلب اس کا سوجھے گا
منہ دیکھو تو بوجھے گا

(۵) کالے منہ کی بھرے قلانچے
اُلٹی ہو انگلی پہ ناچے
جب وہ کنوئیں میں مارے ڈبکی
دل کا حال بتائے چپکی

ملک نذیر احمد

[1] ان پہیلیوں کے جواب صفحہ ۲۲۴ پر دیکھو۔

بڑی عمر کے لڑکوں کے لئے

نامعلوم دنیا

محمد یوسف صاحب بی اے - جامعہ

دنیا میں ابھی بہت سی جگہیں ہیں جہاں انسان یا کم سے کم پڑھے لکھے لوگوں کے قدم نہیں پہنچے ان ہی میں ایک جگہ ہے شیو مندر (SHIWA'S TEMPLE)۔ اس کی اونچائی سطح زمین سے کوئی ایک میل ہے۔ پچھلے پچاس برس میں کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایک دن انسان اس بلندی پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا اور وہ بھی پیدل۔ اس لئے کہ ہوائی جہاز سے پہنچنا تو ناممکن تھا۔ وہاں کوئی جگہ ہی ایسی نہ تھی جہاں جہاز کو اُتارا جاتا۔ اس کامیابی کا سہرا ڈاکٹر ہیرالڈ انتھونی کے سر ہے۔

برطانوی گائنا کے پیچھے ایک دوسری دنیا ہے اُسے کوہ "اورے ما" کہتے ہیں۔ کوئی ڈھائی ہزار فٹ کی اونچائی تک اس پہاڑ پر چڑھ سکتے ہیں مگر اس کے بعد آدھ میل اونچی چٹانیں ملتی ہیں جن پر بہت سے آبشار گرتے ہیں کچھ عرصہ ہوا یہاں مسٹر ای۔ الیف امتھرن چڑھے تھے۔ انھوں نے چوٹی پر گھاس کا میدان دیکھا یہاں شیو مندر کی چوٹی سے کہیں بڑا اور گھنا جنگل تھا۔ اس جنگل میں چھپکلی چوہے اور دوسرے کیڑے رہتے ہیں۔ جانوروں کے اعتبار سے یہاں کوئی چیز نئی نہیں۔ ہاں چند پودے ایسے ضرور ملے جو پہچانے نہیں جاتے۔

جنوبی امریکہ میں ایک دوسری کھوئی ہوئی دنیا ہے اسے مسٹر ایچ۔ سی۔ ہڈلٹن نے دریافت کیا ہے۔ یہ ایک وادی ہے جس میں رڈ انڈین آباد ہیں۔ وادی چاروں طرف سے زبردست چٹانوں سے گھری ہوئی ہے اس میں جانے کا کوئی راستہ نہیں بس ایک دریا ہے جو گھنے جنگل اور دلدل میں سے ہو کر گیا ہے۔ یہاں کے رڈ انڈین وادی کو چھوڑ کر کبھی باہر نہیں جاتے۔ مگر یہ جنوبی امریکہ کی دوسری دیسی نسلوں سے زیادہ شریف اور نیک ہیں۔

مسٹر ہڈلٹن ان چٹانوں سے کسی طرح بچتے بچاتے ایسے راستے سے پہنچے جس میں انھیں دو دن اور تین راتیں لگ گئیں۔ ان پہاڑوں پر سوائے سانپ کے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ مسٹر ہڈلٹن کچھ دنوں تک ان سانپوں میں رہنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ یہاں تک کہ رڈ انڈین کی مہذب جماعت نے انھیں اس مصیبت سے نکالا۔

قریب قریب ایسی ہی صورت آسٹریلیا کے چھپے ہوئے علاقے (HIDDENLAND) کی ہوئی۔ اسے مسٹر مائیکل ٹیری نے دریافت کیا ہے۔ یہ مرکزی آسٹریلیا کے خطرناک ریگستان میں ایک ہرا بھرا میدان ہے۔

اس کا بیس چالیس میل لمبا، بیس میل چوڑا اور کوئی سوسے ڈھائی سو فٹ تک گہرا ہے۔ اسے چاروں طرف سے چٹانوں کی اونچی اونچی دیواروں نے گھیر رکھا ہے۔ یہاں پانی اور شکار کی افراط ہے۔ کچھ پالتو جانور بھی نظر آئے مگر اتنے جنگلی جیسے ہرن۔ اس کا کچھ حصہ ایسا کھلا ہوا میدان ہے جہاں ہوائی جہاز اُتر سکتے ہیں۔ یہاں آبادی کے نشان بھی نظر آئے لیکن سیاہ نسل کا کوئی باشندہ نظر نہ آیا۔ اس جگہ کا نام کھویا ہوا (HIDDEN BASIN) رکھا گیا ہے۔

۱۹۳۷ء میں مسٹر جے، جی، ہائیڈس اور ایک دوسرے افسر ان، جے، او میلی نے نیوگنی کے غیر دریافت شدہ حصے میں دورہ کیا۔ اُن کے ساتھ دس مقامی پولیس کے آدمی اور اٹھائیس قلی تھے۔ وہ دریائے "رینٹول" (RENTOUL) کو پار کرکے بہت سے غاروں میں سے گذرے۔ ایک کھوہ میں تو انھیں ایسا موٹا تازہ لکڑ بگھا ملا کہ اس سے پہلے انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس علاقے کے اُدھر جنگل ہی جنگل تھا جب انھوں نے اُسے پار کرلیا تو اچانک ایک عجیب منظر اُن کے سامنے آیا جسے وہ تعجب اور حیرانی سے دیکھتے رہے۔ نیچے کی طرف ایک بڑی سی وادی تھی جس میں لکڑیوں کے ڈھیر تھے اور چوکور کھیت تھے۔

پہلے اُن کے دل میں خیال آیا کہ یہ چینیوں کی نوآبادی ہوگی۔ مگر پھر اُنھوں نے سوچا کہ چینی اس جگہ کو کیسے فتح کرسکتے ہیں۔ بہرحال وہ برابر آگے بڑھتے چلے گئے، اور کھیتوں میں کام کرنے والوں کے پاس پہنچ گئے یہ چینی تو ہرگز نہ تھے بلکہ نیوگنی کے باشندوں سے بھی بہت کم مشابہت رکھتے تھے۔ اُن کے قد چھوٹے۔ کھال نرم۔ بھورے گھنگرالے بال پھولوں سے آراستہ ناک اور ہونٹ بہت اچھے۔ ایک قسم کی کرتی پہنے تھے اور اپنے ساتھ تیر و کمان رکھتے تھے۔

تھوڑی دیر تک تو وہ ان اجنبی سیاحوں کو دیکھ کر کچھ شرمائے۔ لیکن پھر یہ جھجک جاتی رہی اور سیاحوں کے دوست بن گئے۔ انھوں نے سیاحوں کو بہت اچھے آلو اور کیلے دئے۔ یہ لوگ پتھر کے زمانے کی یادگار ہیں پھر بھی کاشتکاری میں ماہر ہیں۔ اس کا پتہ نہ چل سکا کہ اُن کی اصل کیا ہے۔ مگر ابھی اس ملک کے بارے میں تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ ملک دریائے سیپک کے منبع پر ہے جو بڑے جزیرے کے شمالی جانب بہتا ہے

۱۹۳۲ء میں ایک مشہور سیاح جنرل جارج پریرا نے اپنا سفر پیکنگ سے لھاسا تک پورا کیا۔ لھاسا تبت کا دارالسلطنت ہے۔ راستے میں کوئی ۱۰۰ میل کے فاصلے پر اُسے پہاڑ کی ایک اونچی چوٹی نظر آئی یہ (AMNYI MACHEN) کے پہاڑ میں تھی۔ جنرل پریرا اس چوٹی کو ایورسٹ سے بھی اونچا سمجھتا تھا۔ مگر ڈاکٹر راک نے ۱۹۲۹ء میں اس کی پیمائش کی تو یہ ایورسٹ سے ایک ہزار فٹ کم نکلی۔ ڈاکٹر راک نے اپنے سفر کے زمانے میں دیائے زرد

پر ہوا نے کے موسم میں ایسے پھول دیکھے جو برف میں سے
اپنا سر نکالے ہوئے تھے بہت سے ایسے وحشی جانور
دیکھنے میں آئے جنھوں نے پہلے کبھی آدمی کی شکل نہ دیکھی تھی
پھر بھی بالکل بے خوف تھے اس سفر کے دوران میں
سیاح کو آدمی کی شکل تو کیا آبادی کا بھی کوئی نشان نہ
ملا۔ وہ اسے خالی دنیا (EMPTY WORLD) کہتا ہے

مورکو نیرا درے کی بلندی سے اس نے ایک
زبردست پہاڑ دیکھا۔ اس کی چوٹی بالکل سفید گنبد کی
طرح نظر آتی تھی۔ قریب قریب اتنی ہی بلند چوٹیاں
اور بھی تھیں جن کی وجہ سے یہ نظارہ بہت دلفریب ہو گیا
تھا۔ ان چوٹیوں پر آج تک انسانی قدم نہیں پہنچ سکا ہے۔

ڈاکٹر راک نے اپنی مہم برابر جاری رکھی اور زرد
دریا کے مغربی منبع کی طرف سے ہو کر گذرا۔ یہ خطہ یقیناً
نامعلوم تھا۔ یہاں پر اس نے ان وحشی قبیلوں کے آدمی
دیکھے جو صبح شام پہاڑوں کو پوجتے ہیں، ان کے لئے
ایک خاص درخت کی پتیاں بطور خوشبو کے جلاتے ہیں۔

غرض سیاح برابر ان نامعلوم خطوں کی طرف
بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ انٹارکٹک براعظم کی پیمائش
ہو رہی ہے اور اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا رہا
ہے۔ پھر بھی بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں ابھی تک
مہذب انسان کا قدم نہیں پہنچا ہے اور جہاں اب بھی نئے
نئے پرندوں، جانوروں بلکہ انسانی قبیلوں کی دریافت
کا امکان ہے۔ مشرقی پیرو میں ایک جگہ ہے:۔
(PAMPADE SACRAMENTO) دنیا کے
نقشے میں اس کا نام نہیں ہے۔ یہ غالباً اچھا خاصا بڑا علاقہ
ہوگا اور شاید یہاں بہت دلچسپ لوگ آباد ہوں گے

مشرقی برازیل کے پہاڑی حصوں میں بہت سا علاقہ
ایسا ہے جو ابھی تک دریافت نہیں ہوا ہے یہ وہی ملک ہے
جہاں کرنل پی ایچ فوسٹ غائب ہو گیا تھا وہ اس ملک میں
اس شہر کا دوبارا پتہ لگانا چاہتا تھا جسے اٹھارہویں صدی
میں ایک پرتگیز سیاح نے دریافت کیا تھا۔ یہ سیاح لکھتا ہے
کہ یہ شہر بہت بڑا ہے۔ اس میں بڑی بڑی عمارتیں ہیں غالباً
یہ زلزلے سے تباہ ہو گیا تھا۔

شہر کے باہر پرتگیزی جماعت نے ایک کشتی
دیکھی۔ اس میں سفید قوم کے دو آدمی جا رہے تھے
لیکن وہ وحشیوں کی طرح تیزی سے نظر بچا کر بھاگ
گئے۔ کیا عجب جو یہاں ایک دلچسپ کھوئی ہوئی دنیا
کا پتہ چل جائے۔ اس لئے کہ یہ شہر اتنا پرانا ہے
کہ لوگ اسے بالکل بھول گئے ہیں؛

(ترجمہ و تلخیص)

اس پرچے کی پہیلیوں کے جواب:۔

(۱) دن اور رات (۲) چاند (۳) جھاڑو (۴) آئینہ (۵) قلم

نظام ساگر کی سیر

عبدالباری خاں سبحانی - حیدر آباد دکن -

جاڑے کا موسم تھا، ہمارا امتحان بھی ختم ہو چکا تھا۔ اور کچھ دنوں کی چھٹیاں بھی ہونے والی تھیں۔ ہمارے درجے کے لڑکوں نے صدر صاحب سے درخواست کی کہ ان چھٹیوں میں کہیں جانا چاہیے صدر صاحب نے اُستادوں سے رائے لی اور طے پایا کہ کہیں چلنا ضرور چاہیئے۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوا کہ چلیں تو کہاں چلیں؟۔ کسی نے کہا عثمان ساگر کسی نے عمدہ ساگر اور کسی نے نظام ساگر۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ آخر کار طے یہ پایا کہ نظام[۵۱] ساگر کی سیر ہو

خیر صاحب! مقررہ وقت پر دو لاریاں آگئیں اور ہر لڑکا اپنا مختصر سا سوٹ کیس لے، موٹر میں جا بیٹھا ہمارے ایک مدرس صاحب اپنی موٹر سائیکل پر روانہ ہوئے

یوں تو جاڑے کا موسم ہر جگہ خوش گوار ہوتا ہے لیکن اس دن ہماری روانگی سے پہلے مینہہ برس کر کھل چکا تھا۔ اس لئے جنگلوں کا سماں اتنا اچھا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔

ہماری لاریاں اور موٹر سائیکل ایک دوسرے کا پیچھا کئے چلی جا رہی تھیں۔ قدرت کی رنگا رنگیوں سے ہم سب پوری طرح لطف لے رہے تھے کبھی کبھی سورج ایک دم سے چمک اُٹھتا تو پہاڑ اور درختوں پر معلوم ہوتا کہ بجلی سی کوند گئی۔

ہم میں سے چند لڑکوں نے الاپنا شروع کیا تو حباب اور بھی لطف آگیا۔ کچھ با مذاق لڑکے اپنی خوش گپیوں سے ہم سب کو ہنساتے جاتے۔ بہر حال خوب ہی لطف رہا۔ ڈھائی گھنٹے کی مسلسل دوڑ کے بعد ہم میدک[۵۲] پہنچے۔ یہاں ہم ڈاک یا مسافر بنگلے میں اُترے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ایک آدھ گھنٹہ اِدھر اُدھر اُچھل کود کرتے رہے۔ اس کے بعد پھر روانہ ہوئے۔ شام کے کوئی چار بجے ہم پوچارم[۵۳] پہنچ گئے۔ ارادہ تو یہ تھا کہ اس وقت ہم پوچارم میں ٹھہر جائیں اور شام کی چاء کے بعد پھر روانہ ہوں۔ لیکن پوچارم کے مسافر بنگلے میں کوئی افسر تعمیرات آکر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہیں سیدھے

---

۵۱ - یہ تالاب حیدر آباد سے ۱۰۰ میل کے فاصلے پر ضلع نظام آباد میں واقع ہے۔ حال ہی میں اس سے نہریں بھی نکالی گئی ہیں۔ اور شکر کے کارخانے بھی کھلے ہیں۔ ۵۲ - یہ حیدر آباد کا ایک ضلع ہے جو نظام ساگر کے راستے ہی میں ملتا ہے۔ ۵۳ - یہاں ایک مسافر بنگلہ ہے جو میدک اور نظام ساگر کے درمیان ہے۔ نہایت پر فضا مقام ہے۔

نظام ساگر ہی روانہ ہونا پڑا۔

ساڑھے پانچ یا چھ بجے کے قریب ہم نظام ساگر پہنچ گئے۔ دیکھتے تو نظام ساگر میں تین تین مسافر بنگلے ہیں۔ لیکن ان میں ساگر منظر سب سے زیادہ پُر فضا اور اونچے مقام پر بنایا گیا ہے۔ تاکہ لوگ ساگر کے دلچسپ مناظر سے اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں۔ لیکن یہ ہماری خوش قسمتی سمجھئے یا بدقسمتی کہ اس بنگلے کی اجازت سوائے افسرِ اعلیٰ کے اور کوئی دے نہ سکتا تھا۔ اور یہ اس وقت ہمارے لئے ناممکن سی بات تھی۔ اس لئے مجبوراً ہمیں پہاڑی کے دامن والا بنگلہ کرائے پر لینا پڑا۔

اس وقت چونکہ کافی اندھیرا ہو چکا تھا اس لئے ہم کہیں باہر ٹہلنے نہ جا سکے۔

ہم شب برات کے روز حیدرآباد سے چلے تھے اس لئے اکثر دوست اپنے ساتھ آتش بازی سے آئے تھے۔ طے یہ پایا کہ رات کو آتش بازی چھوڑی جائے کھانے سے فارغ ہو کر ہم نے آتش بازی چھوڑنی شروع کی۔ ہمارے معزز صدر صاحب اور اساتذہ صاحبان برآمدے میں بیٹھ گئے، اور ہماری شرارت کہیئے یا کھیل میں حصہ لینے لگے۔

رات کے دس بجے یا شاید گیارہ بجے تک یہ اُدھم مچا رہا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ہم اپنے کمروں میں آکر بستروں پر دراز ہو گئے۔ محض اس لئے کہ ہمارے اُستاد صاحبان یہ سمجھ لیں کہ ہم سو چکے ہیں۔ لیکن جناب ہم کیوں سونے لگے تھے ایک آدھ گھنٹے بعد پھر اُٹھ بیٹھے۔ کسی نے ہارمونیم اور طبلہ سنبھالا اکچھ تاش کھیلنے۔ اور کچھ ہنسنے ہنسانے لگے۔ لیکن ہم میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو سفر کی تکان کی وجہ سے سو گئے تھے۔ مگر ان بے چارے تھکے ماندوں کا سونا ہم نے حرام کر دیا۔ طرح طرح سے ہم انھیں ستاتے رہے۔ غرض نہ خود سوئے اور نہ انھیں سونے دیا۔ ہمارے اس ظلم سے استاد صاحبان کس طرح بچ سکتے تھے۔ بے چارے سب کے سب کانوں پہ ہاتھ رکھے سو رہے تھے۔ بہر حال ڈھائی بجے کے قریب ہم اپنے بستروں پر پڑ کر سو گئے۔

صبح آٹھ بجے کے قریب اُٹھا دئے گئے، ناشتے سے فارغ ہو کر کچھ تو ساگر منظر اور کچھ تالاب کے کٹے پر ٹہلنے چلے گئے۔ نظام ساگر کا کٹا تین میل لانبا ہے۔ پانی کے دونوں طرف چمن بندی کی گئی ہے۔ چمن نہایت ہی خوش نما اور خوب صورت بنائے گئے ہیں۔ بارہ بجے تک ہم اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ جب گھر لوٹے تو کھانے پر ہمارا شدّت سے انتظار ہو رہا تھا چونکہ ہم بہت ہی تھک چکے تھے۔ اس لئے کھانے سے فارغ ہو کر جلد ہی سو گئے۔

شام کو ہم سب ساگر منظر چلے گئے۔ وہاں سے ساگر کا پورا پورا منظر بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اور خصوصاً اس وقت کا منظر جبکہ سورج کی گول سرخ ٹکیا غروب ہونے کو ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج کی سرخ انگارا سی تھالی عنقریب پانی میں ڈوبنے کو ہے۔ جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھئے پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ اور زیادہ غور کرنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود پانی میں کھڑے ہیں۔۔۔۔ اور ہمارے چاروں طرف پانی ہے۔ بہر حال میں بیان نہیں کرسکتا کہ ساگر منظر سے پانی کا سین کس قدر دلکش معلوم ہوتا تھا۔ کوئی سات بجے ہم لوٹے۔

چاندنی رات تھی۔ ہر طرف چاندنی خوب چھٹکی ہوئی تھی۔ اس لئے ہم سب نے یہ طے کیا کہ آج رات کھانے سے فارغ ہوکر سب کے سب کٹّے پر ٹہلنے چلیں گے غرض کھانے سے فارغ ہوکر ہم صدر صاحب اور اُستاد صاحبان کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ کٹّے پر چاندنی کا اور بھی لطف آرہا تھا۔ ہم سب پانچ پانچ، چھ چھ علیحدہ علیحدہ ہوکر چہل قدمی کر رہے تھے۔ ہم میں سے چند کو شرارت سوجھی۔ پچھلی رات کی بچی ہوئی آتش بازیاں ساتھ رکھ لی تھیں۔ سب کے سب بے خبر چاندنی کا لطف اٹھاتے ہوئے چلے جارہے تھے، کہ پیچھے ایک دم سے زور دار دھماکا ہوا۔ سب کے سب بھاگے اور بہت دیر تک بے چاروں کے حواس ٹھکانے نہ ہوئے۔ اسی طرح کی عجیب عجیب نامعقول حرکتیں کر بیٹھے۔ یہاں تک کہ بے چارے اُستادوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اور انھیں بھی ہنس کر بات ٹالنی پڑی۔ ہم نے تالاب کے پانی پر بھی آتش بازی چھوڑی معلوم ہوتا تھا کہ تہ تک ایک آگ سی لگ گئی۔ غرض اس رات بھی ہم نے خوب ہی مزے کئے۔

صبح جب آنکھ کھلی تو ناشتے پر انتظار ہو رہا تھا۔ آج کا پروگرام فوٹوگرافی کا تھا۔ نظام ساگر کی سین سینیری کا کیا پوچھنا۔ خدا کی قدرت یاد آجاتی ہے ایسے ایسے دلکش مناظر کی ہم نے تصویریں لیں کہ بیان سے باہر ہے۔ ہم ٹہلتے ٹہلاتے کٹّے پر پہنچ گئے۔ پانی کا اس قدر شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہم نے کٹّے کے نیچے اتر کر اس مقام کی تصویریں لیں جہاں پانی کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ اس وقت تین در کھلے ہوئے تھے۔ پانی اس قدر تیزی کے ساتھ زمین پر گر رہا تھا کہ روئی کے سفید گالے کی طرح اُڑا جارہا تھا۔ اور پانی کے شور نے تو ہمیں بہرا بنا رکھا تھا۔ ہم نے اس مقام کے دلکش مناظر کی مختلف تصویریں لیں۔ اس کے بعد ہم گلگشت چلے گئے اور اس چمن کے مصنوعی لیکن دلچسپ مناظر کی تصویریں لیں۔ یہ پارک پانی کے ایک کنارے پر بنایا گیا ہے۔ نہایت ہی خوش نما اور خوب صورت دور سے یہ چھوٹا سا خوب صورت پارک تالاب کے اندر ہی معلوم ہوتا ہے۔

ہم آج پانی سے بھی بہت کھیلے اور پانی کے

سبن لینے میں بہت مارے مارے پھرے۔ اس لئے تھک گئے تھے۔ کھانا کھا کر جو سوئے تو شام کے پانچ بجے آنکھ کھلی۔ منہ ہاتھ دھو کر ہم ساگر منظر چلے گئے وہاں ہم میں کے اکثر حضرات نے لطیفہ گوئی سے ہنسایا اور کچھ صاحبان نے اشعار اور نعروں سے۔ غرض دو گھنٹے مذاق دل لگی رہی۔ ہوا اس قدر زور سے چل رہی تھی کہ بار بار یہ ڈر ہو رہا تھا کہ ہم میں سے چند کمزور دوست اڑ نہ جائیں اسی لئے ہم میں سے کچھ لوگ انھیں پکڑے ہوئے تھے۔ ساڑھے سات کے قریب لوٹے۔ صبح ہماری روانگی تھی۔ جی تو نہیں چاہتا تھا کہ نظام ساگر سے واپس جائیں لیکن مجبوری تھی۔ سیر و تفریح کی بھی ایک حد ہوتی ہے

صبح کو سب تو نہیں لیکن اکثر نہانے چلے گئے پاس ہی ایک چھوٹی سی نہر تھی جہاں ہم خوب نہائے ۱۲ بجے ہم نہا کر لوٹے تو ہمیں حکم ملا کہ اپنے اپنے سامان تیار کرلو۔ سامان وغیرہ کی تیاری کے بعد کھانا کھایا۔ خیال ہوا کہ چلو ذرا گلگشت کی ایک بار پھر سیر کرلیں اس لئے سب کے سب لاری میں بیٹھ کر گلگشت گئے، وہاں خوب پھرے۔ بعض لڑکوں نے گانا بھی گایا۔ نظام ساگر میں نہانے یا تیرنے کی ممانعت ہے لیکن ہم میں سے ایک صاحب جو ذرا منچلے تھے، لنگوٹ کس کو دہی تو پڑے۔ معلوم نہیں حضرت کو اچھی طرح تیرنا آتا تھا یا نہیں، بڑی بڑی مشکل سے ہم نے انھیں تالاب سے نکالا

کوئی پانچ ساڑھے پانچ بجے ہم لاریوں میں بیٹھ کر حیدرآباد روانہ ہوگئے۔ ۶ بجے میدک پہنچے۔ یہاں ہم نے میدک کا گرجا دیکھا۔ بعضوں نے اس کا فوٹو بھی لیا۔ سنتے ہیں کہ ہندوستان بھر میں یہ گرجا دوسرے درجے کا ہے۔ یہاں سے پھر روانہ ہوئے راستے میں بہت ہی لطف رہا۔ ہم میں یہ بات طے پائی کہ ہر ایک لڑکا اپنا ایک گانا سنائے۔ غرض راستے بھر ہنستے ہنساتے ہم رات کے ۱۰ بجے اپنے مدرسے پہنچے۔ وہاں سے ہم اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ امید ہے کہ پیامی بھائی اپنی کسی ایسی ہی دلچسپ سیر کا حال ہمیں بھی سنائیں گے ؛

اطلاع

خط لکھتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھو "رجسٹر ایل نمبر ۱۹۶۱" تمھارا نمبر خریداری نہیں ہے۔ تمھارا نمبر خریداری چٹ پر پتے سے پہلے لکھا ہوتا ہے۔ اور ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ لکھو

منیجر

بجلی اور مقناطیس

جناب علی احمد صاحب استاد مدرسہ ثانوی۔ جامعہ

پیارے بچو! مقناطیس کا نام تو تم نے پہلے بھی سُنا ہوگا۔ بازار میں چھوٹے چھوٹے مقناطیس غالباً ایک ایک آنے میں ملتے ہیں۔ لیکن شاید یہ تم کو معلوم نہ ہوکہ یہ مقناطیس بنائے کیسے جاتے ہیں اور بجلی اور مقناطیس میں کیا تعلق ہے۔

بجلی اور مقناطیس میں بہت گہرا تعلق ہے بجلی سے ہم مقناطیس بنا سکتے ہیں اور مقناطیس کو بجلی کی قوت میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ بجلی سے مقناطیس بنانے میں بھی ہماری بیٹری کام دیتی ہے۔

بجلی سے مقناطیس بنانا:۔

کوئی ڈھائی، تین انچ لمبی لوہے کی چوکور سلاخ لے کر خوب صاف کر لو تاکہ زنگ یا میل اس پر باقی نہ رہے۔ اب گتے یا موٹے کاغذ کی اتنی ہی لمبی نلکی بناکر چوکور سلاخ کو اس میں رکھ دو۔ نلکی پر بجلی کا باریک تار ترتیب کے ساتھ لپیٹ دو تاکہ پوری نلکی پر تار کی ایک تہہ چڑھ جائے۔ اس تار کے دونوں سروں کا تعلق بیٹری کے ساتھ کر دو اور اپنے بنائے ہوئے بٹن کو گھما دو۔ تاکہ بجلی کے لئے آنے جانے کا راستہ بن جائے۔ اب چوکور سلاخ کے ایک سرے کے قریب چھوٹی سی کیل یا لوہے کی نب یا سوئی لاکر دیکھو۔ کیا چوکور سلاخ ان چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے؟۔

چوکور سلاخ میں مقناطیسی قوت پیدا ہوگئی لیکن اگر یہ سلاخ معمولی کچے لوہے کی ہے تو یہ نئی قوت اس میں اس وقت تک رہے گی جب تک کہ اس کے اردگرد لپٹے ہوئے تار میں بجلی چکر کاٹتی رہے گی۔ اب بجلی کی رو کو بٹن گھما کر بند کر دو۔ اے لو چوکور سلاخ نے سوئی کو نیچے گرا دیا۔ یہ اس لئے کہ بجلی کے بند ہوتے ہی سلاخ کی مقناطیسی قوت بھی ختم ہوگئی۔ ایسے مقناطیسوں کو "برقی مقناطیس" یعنی بجلی کی مقناطیس کہتے ہیں۔ لیکن اگر تم ایسا مقناطیس بنانا چاہتے ہو جس کی قوت ایک عرصے تک رہے تو تمھاری چوکور سلاخ نرم لوہے کی جگہ فولاد کی ہونی چاہئے۔

تمھارا نام کیا ہی؟

سید احسن صاحب مارہروی۔ ایم، اے۔

تمھارے نام رکھنے کی ذمہ داری تو تمھارے ماں باپ پر ہے۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی بھلا مانس بدھ کے دن پیدا ہوا ہوگا تو وہ پیدا ہوتے ہی بدھو ہوگیا ہوگا اگر پیدا ہونے والا کسی غریب گھر میں آیا ہے تو بدھوا ہوگا اور اگر کسی پٹھان کے ہاں جنم لیا ہے تو بدھو خاں کہلائے جائیں گے۔ اگر کسی کھاتے پیتے گھر کے لاڈلے ہوں گے تو بڑے ہونے کے بعد شرف الحسن عرف بدھو میاں ہوں گے۔ غرض لفظ بدھو اُن کے ساتھ ایسا لگے گا کہ مرنے کے بعد ہی ساتھ چھوٹے گا۔

ہفتے کے سات دنوں میں سے کسی دن بھی بچہ پیدا ہو بس اسی دن کے نام پر اس کا نام پڑ جاتا ہے مثلاً پیرا، منگل، منگلو یا منگلوا۔ جمعراتی یا جمعراتی لال۔ جمعہ کے دن پیدا ہونے والے کا نام کئی شکل کا ہوتا ہے مثلاً جما، جموا۔ جما خاں۔ لڑکیوں کے نام ایسے ہوتے ہیں جیسے جمیا۔ سنیچر کے دن پیدا ہونا ہی سنیچر ہونے کی نشانی ہے۔ اتوار کے نام سے بھی بہت سے آدمی ہوتے ہیں۔ اصل نام تو پیدا ہونے سے بہت دنوں کے بعد اپنے یہاں کے رسم و رواج کے مطابق رکھا جاتا ہے لیکن پکارنے کے نام اکثر پیدائش کے دن کے حساب سے رکھ دئے جاتے ہیں۔ نام رکھنے کے طریقے ہندو اور مسلمانوں میں تقریباً ملتے جلتے ہیں

مسلمانوں میں قاعدہ ہے کہ پیدا ہونے کے کچھ دن بعد عقیقہ کیا جاتا ہے اس دن بچے کے سر کے بال مونڈے جاتے ہیں اور قرآن شریف سے نام نکالا جاتا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن شریف کو کھولتے ہیں اور جس صفحے پر وہ کھلتا ہے اس صفحے کی پہلی لائن میں پہلے لفظ کا جو پہلا حرف ہوتا ہے اسی پر بچے کا نام رکھ دیا جاتا ہے مثلاً کوئی لفظ "ع" سے شروع ہوتا ہے تو بچے کا نام علاءالدین رکھ دیا۔ اور لوگوں نے انھیں پیار میں عَلو عَلو کہنا شروع کیا جو بعض اوقات بگڑ کر اَلو ہو جاتا ہی اسی لئے علاءالدین نام کے اکثر لوگ گھبراتے ہیں کہ اُن کی طرف اشارہ کرکے لوگ کہتے ہیں کہ ان بچارے کا نام تو علاءالدین ہے مگر پیار میں لوگ اُلو کہتے ہیں

ہندوؤں میں بھی نام رکھنے کا کچھ اسی قسم کا طریقہ رائج ہے۔ یعنی مونڈن کے دن برہمن کچھ اشلوک پڑھتے ہیں اور بچے کی پیدائش کا صحیح وقت دریافت کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چاند کا بھی کچھ حساب کیا جاتا ہے۔ اگر چاند کسی ایسی جگہ تھا جس کا نام "چ" سے شروع ہوتا ہے تو بچے کا نام جیت رام ہوتا ہے' یا چاند کسی ایسی جگہ ہوتا ہے جو "دُ" سے شروع ہوتا ہے تو بچے کا نام درگا پرشاد، دونی چند رکھ دیتے ہیں۔ نام رکھنے کے طریقے تو ہندو اور مسلمانوں کے یہاں۔

مذہبی ہیں۔ مگر بہت سے قاعدے ایسے بھی ہیں جن کا مذہب
سے کچھ تعلق نہیں صرف رسم و رواج کی بنا پر ایسے نام
پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً ہندو اور مسلمان دونوں میں یہ رواج
ہے کہ اگر کسی کے یہاں اولاد زندہ نہیں رہتی تو والدین
اپنے بچے کو پیدا ہونے کے بعد کسی کو بھیک دے دیتے ہیں
تو اس کا نام غلام بھیک۔ یا بھیک چند ہو جاتا ہے۔ یا اگر
دیکھئے کہ ہندوؤں کے یہاں ہوتا ہے، اس بچے کو
چند پیسوں میں خرید کیا جائے تو بچے کا نام "دمڑی
لال" یا چھدامی، ہو جاتا ہے۔ یعنی چند دمڑی اور چھدام
کے بدلے اس کو خرید لیا۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگ خداوند تعالیٰ
یا بھگوان کے نام پر بھی نام رکھتے ہیں اور یہ طریقہ بھی
ہندو اور مسلمان دونوں میں رائج ہے۔ اور ایسے نام
بہت متبرک سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے دیوکی نندن،
رام پرشاد۔ گنگا سہائے۔ گنگا رام وغیرہ۔ کالی
سیتا اور دیوی کے نام پر بھی ہزاروں نام رکھے جاتے
ہیں۔ بہت سے نام ایسے ہوتے ہیں جس میں مذکر اور
مونث[۱] دونوں نام ہوتے ہیں جیسے لچھمی نرائن، سیتا
رام۔ گوری شنکر وغیرہ۔

جن بچوں سے زیادہ محبت کی جاتی ہے اُن کے
نام بھی ویسے ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً سندر لال۔ بھولی رام
سدرشن۔

نظر بد سے بچانے کے لئے بھی اکثر نام ہوتے
ہیں۔ جیسے ٹنکوری۔ دکھی۔ بچوا۔ چھنگوا۔ مچھیا۔ کلاری

پیدائش کے بعد بہت سے بچوں کے ناک
کان وغیرہ چھید دئے جاتے ہیں تو اُن کے نام چھیدی، نتھو،
ناتھو رام۔ بندو خاں وغیرہ وغیرہ ہو جاتے ہیں۔

بہت سے بچوں کی پیدائش کے بعد اُن کا نال
گھورے پر گڑوا دیا جاتا ہے تو اس غریب کا نام گھورے
ہی پڑ جاتا ہے اور عمر بھر وہ گھورے یا گھورن کے نام
سے یاد کیا جاتا ہے۔

اکثر بچے پیدا ہونے کے بعد غلّے کے برابر وزن
میں تولے جاتے ہیں اس کو "چھورا" کہتے ہیں چنانچہ
ہندی میں لفظ چھورا لڑکے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے
جو بچہ چھلنی میں رکھ کر تولا جاتا ہے اس کا نام چھجو، پڑ جاتا
ہے یا بعض مرتبہ اس کو کسی چیز میں رکھ کر گھسیٹتے ہیں
تو بچارا عمر بھر گھسیٹا ہی رہے گا۔

بہت سے نام موسم اور مہینے کے لحاظ سے
بھی رکھے جاتے ہیں مثلاً اگر کوئی چیت کے مہینے میں پیدا
ہوا تو وہ چیتو ہو گیا۔ یا اگر عید یا بقر عید کے زمانے میں
پیدا ہوا تو عیدو یا بقرعیدی کہہ کر پکارا جائے گا ککڑی
کی فصل میں پیدا ہونے والے کا نام ککڑو پڑ جاتا ہے۔ یا
اگر کوئی میدانوں کا رہنے والا اتفاق سے پہاڑ پر
پیدا ہو گیا تو عمر بھر پہاڑی کے نام سے یاد کیا جائے گا
قحط سالی کے زمانے میں اگر کوئی بدقسمت اس دنیا میں آگیا
تو سب لوگ اس کو اکالی ہی کہیں گے۔ مہینوں اور فصلوں
کے علاوہ جانور، چڑیوں اور پھلوں وغیرہ کے اوپر
بھی بہت سے نام رکھے جاتے ہیں۔ جیسے بیلی رام۔

[۱] یعنی مرد اور عورتوں کے ملے ہوئے نام۔

چندو - جے پال سنگھ - ہیرالال - گلاب خاں - گل محمد
جوہری لال - سورج خاں - طوطا لی - مرچا مل -
روپ چند - اور یشو سنگھ وغیرہ -
کچھ عجیب و غریب نام اس قسم کے بھی ہوتے ہیں
جیسے غرض خاں - حساب علی - الف خاں وغیرہ
سرحد کے کچھ لوگوں کے نام ایسے بھی ہوتے ہیں جیسے
گل زر باغ حسین - سڑک زکوئے محمد -
مسلمانوں کے یہاں بہت سے نام پیغمبروں
وغیرہ کے نام پر رکھے جاتے ہیں جیسے محمدؐ ، علیؓ ، عبداللہ
عمرؓ ، سلام ، قاسم - سلیمان ، عثمانؓ - صادق
داؤدؑ - یحییٰ - یعقوب - یٰسین - موسیٰؑ - عیسیٰؑ وغیرہ
ان کے علاوہ ہندوستانی اپنے نام کے
ساتھ نئے نئے لقب بھی لگاتے ہیں جیسے مسلمانوں
میں انصاری - قریشی - ہاشمی وغیرہ - یا ہندوؤں میں
گپتا - سریواستو - شرما - مصرا وغیرہ - لیکن جنوبی
ہند میں اور خصوصاً بمبئی میں ایک اور طریقہ پارسیوں
کی دیکھا دیکھی لقبوں کا چلا ہے - مثلاً ماچس والا یعنی
دیا سلائی کے کارخانے کا مالک ، باٹلی والا وغیرہ -
ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جہاں
کہا جاتا ہے کہ آم اور سانپوں کی ہزاروں قسمیں ہیں
اسی طرح نام رکھنے کے طریقے بھی لاتعداد ہیں فی الحال
یہ چند نام سنا دئے گئے - اگر تم نے ان کو پسند کیا
تو آیندہ اور اچھے اچھے اور دلچسپ نام سنائے
جائیں گے ۔

تمہارا سالگرہ نمبر

۲۹ اکتوبر کو شائع ہو جائے گا

یہ اتنا اچھا اور دلچسپ ہوگا کہ ہمارے پچھلے سالنامے بھی اس کے آگے ماند پڑ جائیں گے
کیا تم اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو اس کا خریدار نہ بناؤ گے؟ پیام تعلیم تمہاری محبت کا امتحان
کرنا چاہتا ہے - خریداری کے خط ابھی سے بھجوا دو گے تو ہمیں سہولت رہے گی -

"منیجر"

لڑائی

محمد فاروقی مالیگانوی

آسمان پر بادل چھایا ہوا تھا۔ بجلی بھی چمک رہی تھی سورج اپنی باریک باریک تیز کرنوں سے اُن کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ بادل اور بجلی اپنی اپنی قوت اور طاقت کو منوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لڑ رہے تھے، جھگڑ رہے تھے اور اپنی . . . پوری قوت سے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، بدنام اور رسوا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ان ناسمجھوں کے دماغ میں یہ بات بھی نہ آتی تھی کہ وہ ایک ہی خدا کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں۔ سمجھتے بھی کیسے غصے اور حسد کی حالت میں عقل بھی تو ٹھکانے نہیں رہتی، بادل کڑک کڑک کر کہہ رہا تھا "میری قوت کے آگے کون سر اُٹھا سکتا ہے۔ میرے سینے میں بارش کا ہیبت ناک طوفان اور تباہ کن سیلاب چھپا ہوا ہے۔" اور بجلی تڑپ کر بولی "میری ذرا سی آواز سے شیروں کے دل دہل جاتے ہیں، انسان اپنے گھروں میں دبک جاتا ہے، آسمان اور زمین میری چمک سے دن کی طرح روشن ہو جاتے ہیں"

دونوں اسی طرح لڑ رہے تھے، بڑے بڑے دعوے اور دلیلیں پیش کر رہے تھے اور اُن کی خوفناک گرج اور کڑک سے دنیا خاموش دبکی پڑی تھی، سورج اور ہوا، چاند اور تارے ان کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے، اور مذاق اُڑا رہے تھے۔

سورج نے ہوا کے کان میں آہستہ سے کہا "دیکھتے ہو! یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ دونوں ایک دوسرے کی گود میں پلتے اور بڑھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد سے پروان چڑھتے ہیں"

چاند نے مسکرا کر تاروں سے کہا "اپنی قوت کے زعم میں مست ہیں، اپنی طاقت اور غرور کے سیلاب میں خود ہی بہے جا رہے ہیں"

ہوا نے کہا "آؤ ہم انھیں اس غرور کا مزا چکھائیں"

سورج گرم ہونا شروع ہوا۔ ہوا نے اپنے سرد جھونکے کا ایک طمانچہ بادل کے منہ پر رسید کیا، بادل کانپ گیا۔ دہشت سے اس کے بدن پر لرزہ آگیا، اور وہ پانی بن کر قطرہ قطرہ زمین پر گرنے لگا، وہ چیخا، چلایا، آہ و زاری کی مگر سورج اپنی پوری تمازت سے اس کی آہ و زاری پر کھلکھلا رہا تھا، تاروں نے تالیاں بجانا شروع کیں، اور چاند الگ کھڑا اپنا پیٹ پکڑ کر ہنس رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے بادل پانی بن کر آسمان سے غائب ہو گیا۔ اس کے کچھ قطرے تپتے ہوئے صحرا میں گر کر جذب ہو گئے۔ کچھ پہاڑوں اور میدانوں میں بہہ گئے

کچھ سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب گئے۔ بادل کی تمام قوت کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ اس کا مغرور جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بٹ گیا۔

اور جب بجلی نے دیکھا کہ سرد ہوا کے جھونکے اس کے جسم میں کپکپی پیدا کررہے ہیں تو وہ روئی، چلائی، لرزی، اور تڑپ کر دیوانوں کی طرح ادھر اُدھر بھاگنے لگی۔ کل تک وہ بادل کی گود میں چین سے پڑی سورہی تھی۔ آج اُسے معلوم ہوا کہ وہ آسمان پر بے یار و مددگار چھوڑدی گئی ہے۔ اُس نے ہوا سے پوچھا سورج کے آگے ہاتھ پھیلائے، تاروں کی منت وسماجت کی، چاند کے پیر پر گری۔ مگر کسی نے اُسے پناہ نہ دی کسی نے اسے بادل کا پتہ نہ بتایا۔ ہوا نے کہا "مجھے کیا خبر"
سورج نے جواب دیا "میں کیا جانوں؟"
تاروں نے ہنس کر جواب دیا "ہم کیا بتائیں؟"
چاند منہ پھیر کر بولا "مجھے کیا علم"

بجلی دوڑتی رہی، پھرتی رہی بادل کی تلاش میں مگر وہ نہ مل سکا، وہ ہر طرف سے مایوس ہوگئی، آخرکار وہ بادل کی تلاش میں زمین کی طرف بڑھی، کونا، کونا چھان مارا، مگر بادل کا کہیں پتہ نہ چلا، وہ دیوانہ وار اپنا سر پٹکنے لگی، اور زمین میں گر کر غائب ہوگئی۔

بادل اور بجلی دونوں کا خاتمہ ہوچکا تھا۔

سورج، ہوا، چاند اور تارے ہنس رہے تھے، سرگوشیاں کررہے تھے، وہ دونوں کی موت پر بے حد خوش تھے۔

آسمان پر سورج، ہوا، چاند اور تارے عیش و مسرت کا جشن منا رہے تھے۔

دُعا

اخلاق دہلوی

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی سہانا سماں — خدا کی تجلی سے روشن جہاں
یہ سرسبز پودے یہ پھل پھول سب — عبادت میں اس کی ہیں مشغول سب
ہمیں بھی ہے لازم دعائیں کریں — مرادوں کے پھولوں سے جھولی بھریں
الٰہی ہماری تمنا یہ ہے — کہ ہم سے ہمیشہ تو راضی رہے
پڑھیں اور لکھیں اور لائق بنیں — زمانے کو حکمت سے روشن کریں
الٰہی یہ توفیق بھی دے تو ہمیں — کہ ہم تیرے بندوں کی خدمت کریں
غریبوں کے حامی رہیں رات دن — وطن کی بھی سیوا کریں رات دن
مرادیں یہ بر آئیں اخلاقؔ کی — ہمیشہ ہو رحمت کی بارش تری

نئی دنیا کا سفر

یورپ کا کشمیر

از جناب سعید انصاری صاحب پرنسپل استادوں کا مدرسہ

(۴)

سوئٹزرلینڈ

اٹلی سے رخصت ہوکر ہم سوئٹزرلینڈ ہوتے ہوئے فرانس پہنچے۔ لیکن اٹلی چھوڑنے سے پہلے ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں جب اٹلی سے گذر رہا تھا تو راستے میں معلوم ہوا کہ میرا ٹکٹ ختم ہوگیا ہے۔ ریل پر ٹکٹ 'چک' کرنے والے نے ٹکٹ مانگا تو میں نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر دیا۔ اس نے کہا "یہ ٹکٹ تو نہیں ہے، اسے ٹکٹ میں تبدیل کرلینا چاہیئے تھا۔" میں نے کہا "میں تو بہرحال قیمت دے چکا ہوں، اب کیا کرسکتا ہوں؟" اس نے کہا "میں اس کا ذمہ دار نہیں۔ آپ کو دوسرا ٹکٹ خریدنا ہوگا۔" اس گفت و شنید میں سب سے بڑی دقت زبان کی تھی وہ تو خیر سے میرے رفقائے سفر میں ایک امریکن خاتون تھوڑی بہت فرانسیسی جانتی تھیں۔ انھوں نے اس مشکل کو حل کیا۔ یورپ کے سفر میں اگر کوئی زبان سب ملکوں میں کام آسکتی ہے تو وہ فرانسیسی ہے۔ ان خاتون صاحبہ نے آخر میں یہی طے کیا کہ مجھے دوسرا ٹکٹ لے لینا چاہیئے۔ اور اس لفافے کو کمپنی میں بھیج کر میں کرائے کی رقم واپس لے سکتا ہوں۔

بات یہ ہوئی کہ طامس کک والوں نے بجائے پورا ٹکٹ دینے کے یہ کہہ دیا تھا کہ وینس سے میں دوسرا ٹکٹ لے لوں اور اس کے لئے مجھے اپنے وینس کے دفتر کے نام ایک خط دے دیا تھا وہ خط بدلوانا میں بھول گیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ میں اس مصیبت میں مبتلا ہوا۔

میں نے ٹکٹ لینے کو تو لے لیا اور سمجھا کہ اس مصیبت سے نجات ملی لیکن ابھی بہت دور نہیں پہنچا تھا کہ معلوم ہوا وہ ٹکٹ اٹلی کی سرحد تک کے لئے تھا جو اب ختم ہوچکا ہے اور مجھے سوئٹزرلینڈ کے لئے دوسرا ٹکٹ لینا چاہیئے۔ میں نے یہاں بھی بک بک جھک جھک شروع کی۔ لیکن سب بے نتیجہ! وہی خاتون پھر میری حمایت کو آئیں اور سمجھایا کہ مجھے دوسرا ٹکٹ لے لینا چاہیئے۔ میرے پاس جو اطالوی سکّے تھے میں نے ان ہی کو بھُنا کر ایک ٹکٹ لیا اور اب سمجھا کہ اس بلا سے پیچھا چھوٹا۔ پیرس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ٹکٹ پھر یہاں آکر ختم ہوگیا ہے۔ یہاں آکر میں نے پھر ایک ٹکٹ سیدھا انگلستان کا لیا اور میرے پاس جو اطالوی اور سوئس سکّے تھے وہ میں نے اس کے

عوض دے۔ انگلستان پہنچ کر میں نے طامس کک والوں سے شکایت کی کہ انھوں نے مجھے پورا ٹکٹ کیوں نہیں دیا اور اب جو میں نے اتنے پیسے راستے میں خرچ کیے ہیں اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ انھوں نے دہلی کے دفتر والوں پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ وہ لفافہ آپ ہمیں دے دیجئے۔ ہم آپ کو اس کی رقم واپس دے دیں گے۔ میں نے اپنے جی میں کہا یہ اچھی رہی ایک تو راستے میں اپنا پیسہ خرچ کیا اور دوسرے ان سے وصولی کا ایک ہی ثبوت ہے۔ یہ بھی ہاتھ سے دے دوں تو پھر میں کہیں کا نہ رہا۔ لیکن ان کے اطمینان دلانے پر میں نے وہ لفافہ ان کے حوالے کر دیا اور تین مہینے کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی سو روپے کا چک لفافے میں بند ملتا ہے!

لیکن سکوں کی اس ادلا بدلی میں کوئی بیس پچیس روپے کا نقصان بہر حال ہوا۔ یورپ میں جب ایک ملک کے سکے سے دوسرے ملک کے سکے کا مبادلہ ہوتا ہے تو وہ اس میں کچھ اپنی دلالی ضرور رکھ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو مجھے اپنے روپے طامس کک کے (TRAVELLER'S CHECK) سے بدلنے میں کچھ نہ کچھ دینا پڑا ہوگا۔ پھر انگریزی پونڈ سے اطالوی لیرا۔ لینے میں کچھ دینا پڑا ہوگا۔ اطالوی لیرا سے سوئس لیرا میں بھی کچھ گیا ہوگا۔ پھر ان دونوں کو ملا کر میں نے فرانسیسی فرینک (FRANC) میں ٹکٹ خریدے اور اس میں بھی کافی گھاٹا ہوا ہوگا۔ پھر سب سے تنگ آکر جب میں انگلستان پہنچا تو میرے پاس ان سب ملکوں کے سکوں کا ایک انبار تھا اور میں نے سب کو بے جا کر امریکن ڈالر (DOLLAR) سے بدل ڈالا۔ غرض خشکی کے راستے کی یہ ایک اچھی سزا تھی۔ مگر اس طرح مختلف ملکوں سے گذرنے میں ان ممالک کے جو حالات معلوم ہوئے اور جو جو باتیں تجربے میں آئیں، اُن کے مقابلے میں یہ خسارا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

اٹلی سے انگلستان تک جانے میں اس راستے سے کوئی ۳۶ گھنٹے لگتے ہیں۔ بس اتنا ہی جتنا دہلی سے کلکتہ جانے میں، لیکن اس عرصے میں چار مختلف ملکوں سے گذرنا ہوتا ہے اور کوئی پانچ زبانوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ان زبانوں میں فرانسیسی زبان سب سے زیادہ سمجھی اور بولی جاتی ہے لیکن اب انگریزی سے بھی کام چل جاتا ہے۔ اور جرمن زبان روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کی سرحد میں داخل ہوئیے۔ تو چنگی اور پاسپورٹ کے محکموں کی طرف سے سخت جانچ ہوتی ہے۔ فرانس میں آیئے تو اس بُری طرح کی تلاشی ہوتی ہے۔ کہ کیا کسی مجرم کی ہوگی! ریل آکر کھڑی ہو جاتی ہے

سٹیشن کے دروازوں پر تالے پڑھ جاتے ہیں،
ئی مسافر ڈبے سے اُترنے نہیں پاتا اور پھر ایک
رف سے تلاشی شروع ہوتی ہے! اس تلاشی کا
مقصد کیا ہوتا ہے، بس یہ کہ کوئی سگریٹ تو نہیں
ے جاتا ہے؛ یا اس کے پاس اور کوئی چیز تو ایسی
ہیں ہے جس پر محصول لگ سکے۔ لوگ عموماً سگریٹ
غیرہ چھپا کر اپنے ساتھ رکھ لیتے ہیں اور اسی کے
صول سے بچنا چاہتے ہیں۔ فرانس میں جب میں
سئیم (جنگی گھر) سے گذر رہا تھا تو ایک عورت
ڑی گئی۔ اس کے بکس میں چند ڈبیاں سگریٹ
ی نکلیں۔ لوگ بھی عجیب طرح کے ہوتے ہیں باوجود پڑھے
لکھے ہونے کے دو چار پیسے کے فائدے کے لئے
یسی حرکتیں کرتے ہیں! میں سمجھتا ہوں یہ کچھ انسان
کی فطرت میں ہے؛ جتنا ہی چھوٹی موٹی باتوں پر
قید کی جائے۔ اتنا ہی وہ جرم کرنے پر آمادہ
ہوتا ہے۔

انگلستان میں میں نے بڑا اچھا طریقہ دیکھا
یہاں چنگی کے افسران ہر ایک کے سامنے ایک
فہرست پیش کرتے ہیں اور آپ کو اسے ایک نظر
دیکھ کر یہ اعلان کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز
آپ کے بکس میں ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو آپ
سیدھا گذر جائیے۔ اور اس طرح یہاں وہ کام منٹوں
میں ہو جاتا ہے، جسے اور جگہوں میں گھنٹے لگتے ہیں۔

اٹلی اور جرمنی میں علاوہ چیزوں کی تلاشی
کے روپئے پیسے کی دیکھ بھال بھی ہوتی ہے یہ ممالک
نہیں چاہتے کہ ان کے ملک میں ان کا سکہ کوئی
باہر سے لائے۔ بلکہ وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ
باہر سے سونے کا سکہ آئے یا ایسا سکہ آئے جس
کی ساکھ سونے پر ہے۔ وہ اپنے ملک سے ایک
مقررہ رقم سے زائد لے جانے دینا بھی نہیں چاہتے
ان ملکوں سے باہر آنے جانے میں تو ایک شخص پکا
چور سمجھا جاتا ہے۔ اٹلی کی سرحد میں جب میں داخل
ہوا تو مجھے اپنے بکسوں کی تلاشی کے ساتھ اپنے بٹوے
کی تلاشی بھی دینی پڑی۔ میں چاہتا تھا کہ کچھ اطالوی
لیرا باہر سے لیتا آؤں تاکہ اٹلی کے اندر خرچ میں کفایت
پڑے۔ لیکن خیر سے میں لینا بھول گیا اور اس طرح
اس گرفت سے بچ گیا

سچ یہ ہے کہ یورپ کے اتنے چھوٹے سے رقبے
کے اندر جس کے طے کرنے میں ۴۰ گھنٹے سے زیادہ
نہیں لگتے ہیں، اتنی سلطنتیں ہیں اور ان میں بھی
باہم ایسی رشک و رقابت ہے کہ ایک اجنبی شخص سخت
پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہم ہندوستان میں
ہزاروں میل سفر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اکثر
کئی دن اور کئی راتیں ریل میں گذر جاتی ہیں۔ لیکن سب
جگہ ایک قانون اور ایک ہی دستور ہے۔ یورپ
میں قدم قدم پر نئے قوانین اور نئے دستور سے سابقہ

پڑتا ہے، اور یہ اختلاف کچھ ان ہی معاملات پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ آج کل تو یورپ کا سیاسی مطلع اس قدر گرد آلود دیکھتے ہیں اور ہر لحظہ یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ اب جنگ ہوئی، اب جنگ ہوئی، یہ سی تقسیم اور اسی اختلاف کا نتیجہ ہے

لیکن ہم کہاں سے کہاں جا پہنچے! کچھ ایسے بھی حالات اور مناظر آتے ہیں جن پر اس تقسیم کا کوئی اثر نہیں اٹلی سے گذر کر جب ہم سوئٹزرلینڈ پہنچے تو کشمیر کی وادیاں یاد آنے لگیں۔ سوئٹزرلینڈ کو یورپ کا کشمیر کہتے ہیں اور اس میں شک بھی نہیں۔ کہ جہاں تک قدرتی مناظر کا تعلق ہے، اس میں وہ سب باتیں موجود ہیں جو کشمیر میں ہیں۔ لیکن کشمیر کی وادی اتنی بڑی ہے اور وہاں مناظر کا اتنا تنوع ہے کہ سوئٹزرلینڈ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اونچے اونچے سرسبز پہاڑ، اور ان کے دامن میں نقرئی پانی کی جھیلیں۔ اور پھر ان سب پر مستزاد یہ کہ انسانی راحت و آسائش کی تمام چیزیں موجود! یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ کشمیر چھوڑ کر سوئٹزرلینڈ جاتے ہیں۔ لیکن جب یہ سب چیزیں یہاں ہو جائیں گی تو پھر کشمیر کے آگے سوئٹزرلینڈ کا کوئی نام بھی نہ لے گا۔

سُندر

محترمہ صالحہ عابد حسین

(۳)

ان سب کی صورت تو آدمیوں کی سی تھی مگر ایک بڑی سی دم سے جس میں قسم قسم کے رنگ قوس قزح کی طرح چمکتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ انسان نہیں ہیں پورجن نے سندر سے کہا "میں ابھی آتا ہوں" اور اندر چلا گیا۔ یہاں سندر ڈرا ہوا کھڑا تھا۔ اور تمام سمندری لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں سمندری شہزادہ اور اس کا باپ نظر آئے۔ بادشاہ کی شکل بہت شاندار تھی اور اس کی بڑی سی رنگین دم میں قسم قسم کے جواہرات کے چھلے پڑے ہوئے تھے جس سے وہ اور زیادہ خوب صورت معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے آکر سندر کو گلے سے لگا لیا اور بولا "پیارے بیٹے میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ تم نے میرے بچے کو آزادی دی اور مجھ بوڑھے کی آنکھوں کی ٹھنڈک کو پھر مجھ سے ملایا۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تم میرے پاس ہی رہو۔ مگر تمہاری ماں تمہارے لئے بے چین ہوں گی۔ اس لئے میں تمہیں زیادہ نہیں روکوں گا۔ صرف آج رات آرام کرکے کل چلے جانا"

رات کو سندر اور سمندری شہزادہ ایک جگہ سوئے

صبح کو بادشاہ نے سندر کو بلا کر کہا "میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کچھ انعام دوں" یہ کہہ کر اس نے جواہرات اور موتیوں سے بھرے ہوئے بڑے بڑے صندوق منگائے۔ ان میں ایسے ایسے جواہرات تھے کہ سندر تو کیا زمین کے کسی بادشاہ نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔ پورجن نے چپکے سے سندر کے کان میں کہا "ان میں سے کچھ نہ لو صرف سونے کا سیب مانگ لو۔ اس میں یہ صفت ہے کہ تم جو چیز کہوگے وہ سیب تمہیں منگا دے گا" سندر نے ادب سے کہا "حضور میں غریب لکڑہارا بھلا ایسے قیمتی جواہرات لے کر کیا کروں گا۔ میرے لئے آپ کی مہربانی اور محبت کافی ہے" بادشاہ نے کہا "اے نیک و شریف لڑکے کچھ نہ کچھ یادگار کے طور پر تو تمہیں لینا ہی پڑے گا" سندر نے کہا "تو خیر مجھے سونے کا سیب منگا دیجئے" بادشاہ نے اسی وقت "سونے کا سیب" سندر کو دے دیا اور پیار کر کے رخصت کیا۔ شہزادے نے اپنے دوست سندر کو اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور لے کر سمندر کے کنارے آیا۔

لورجن :" پیارے دوست مجھے تم سے جدا ہونے کا بہت رنج ہے ۔ مگر اس کی خوشی بھی ہے کہ تم اپنے وطن پہنچ کر خوش ہوگے ۔ میری دعا ہے کہ تم خیریت سے اپنے گھر پہنچو ۔ اور اپنے عزیزوں سے ملو ۔ یہ سیب تمھارے بہت کام آئے گا ۔ تم صرف اس سے یہ کہنا " اے پیارے سیب! خدا کے نام کی برکت سے مجھے فلاں بات بتا دے ، یا فلاں چیز منگا دے ، فوراً وہ چیز تمھیں مل جائے گی "۔ یہ کہہ کر سمندری شہزادہ سندر سے گلے ملا اور غوطہ مار کر غائب ہوگیا ۔ سندر نے کہا " پیارے سیب! خدا کے نام کی برکت سے مجھے ایسی گاڑی منگا دے جو مجھے اپنی ماں کے پاس پہنچا سکے "۔

ایک منٹ بعد سندر نے دیکھا کہ ایک خوبصورت چھوٹی سی پردار گاڑی آسمان پر اُڑی آرہی ہے ۔ وہ سندر کے پاس آکر ٹھہر گئی اور سندر اس میں بیٹھ گیا گاڑی پھر پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑنے لگی ۔

اب ادھر کا حال سنو ۔ جب سندر غار سے واپس نہ آیا تو اس کی ماں اور راج کماری کو بہت فکر ہوا ۔ راج کماری نے دل میں عہد کیا کہ اگر سندر واپس نہ آئے گا تو وہ کبھی شادی نہ کرے گی ۔ وہ باپ سے اجازت لے کر سندر کی ماں کے پاس آگئی ۔ وہ دونوں سارے دن سندر کا ذکر کیا کرتیں اور اس کی واپسی کی دعائیں مانگا کرتی تھیں ۔

ایک دن سندر کی ماں اور راج کماری صحن میں بیٹھی تھیں کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک گاڑی آسمان سے اُن کے گھر کی طرف اُتر رہی ہے ۔ وہ بہت حیران ہوئیں اور غور سے اُسے دیکھنے لگیں ۔ ذرا دیر بعد گاڑی اُن کے صحن میں رک گئی ، اور اس میں سے سندر ہنستا ہوا نکلا اور اپنی ماں سے لپٹ گیا راج کماری کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو بھر آئے بہت دیر تک تینوں بیٹھے باتیں کرتے رہے ۔ تمام قصہ سندر نے انھیں سنایا اور وہ سیب بھی دکھایا ۔ پھر تینوں راجہ کے پاس آئے وہ بھی سارا حال سن کر بہت حیران اور بے حد خوش ہوا ۔ راجہ کو فکر ہوا کہ وہ کون تھا جس نے سندر کی ٹوکری کی رسّی کو کاٹ دیا تھا اور غار میں آگ رکھ دی تھی ۔ سندر نے کہا ابھی معلوم ہوا جاتا ہے یہ کہہ کر اس نے اپنے سیب سے کہا " اے پیارے سیب! خدا کے نام کی برکت سے یہ بتا کہ کس نے یہ شیطانی حرکت کی تھی "۔ اُسی وقت جامی اپنی جگہ سے اُٹھا اور راجہ کے پاؤں پر گر کر اپنا قصور مان لیا ۔ راجہ بہت خفا ہوا اور کہا " اسے ابھی قتل کر دو "۔ مگر سندر نے کہہ سن کر راجہ کا غصہ ٹھنڈا کیا اور جامی کا قصور معاف کرا دیا ۔ جامی پر سندر کی اس نیکی کا بہت اثر ہوا اور وہ دل سے اس کا دوست بن گیا ۔

اگلے دن بہت دھوم دھام سے راج کماری

اور سندر کی شادی رچائی گئی اور اس کے بعد راجہ نے اپنی سلطنت سندر اور راج کماری کو دے دی۔ ان دونوں نے بہت اچھی طرح حکومت کی اور ایسا عمدہ انتظام کیا کہ ملک بھر میں کوئی آدمی دکھی نہ رہا۔ جب کسی شخص کو کوئی شکایت ہوتی، تو وہ بے دھڑک سندر کے محل میں چلا آتا اور اپنا حال بیان کرتا۔ سندر سیب کے ذریعے سچا حال معلوم کر لیتا اور ایسا انصاف کرتا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا تھا۔

سب لوگ یہ بات بڑی حیرت سے دیکھتے تھے کہ سندر سوائے ایک انگوٹھی کے اور کوئی چیز نہیں پہنتا۔ اور راج کماری جس کے پاس لاکھوں روپے کے جواہرات کے زیور ہیں صرف ایک چاندی کے موتیوں کا کنٹھا پہنے رہتی ہے۔ کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ ان دونوں کی محبت کی نشانیاں ہیں۔

لطیفے

ماسٹر۔ (شاگرد سے) آج اخبار میں کوئی نئی بات ہے

شاگرد۔ کوئی نئی بات نہیں۔ وہی روزمرہ کے پرانے واقعات ہیں۔ کہیں آگ لگی۔ کہیں طوفان آیا۔ کسی کو سزا ہو گئی۔ کہیں جنگ ہو گئی۔

ماسٹر (کند ذہن شاگرد سے)۔ تمھارا حافظہ بہت کمزور ہے۔ کل کی بات بھی یاد نہیں رہتی۔

شاگرد۔ نہیں ماسٹر صاحب مجھے کل کی مار اب تک یاد ہے۔

——— محمد اسمٰعیل۔ سنگارینی کالریس

ایک صاحب:۔ فوٹوگرافر صاحب میری تصویر؟

مصور:۔ تیار ہے۔

وہی صاحب۔ قیمت؟

مصور:۔ پہلی کے دو روپے اور دوسری کا ڈیڑھ روپیہ

وہی صاحب اچھا تو آپ مجھے دوسری تصویر دے دیجیے۔

——— ایم اے رشید

ماسٹر صاحب: (لڑکوں سے) اس وقت کتنے بجے ہوں گے

ایک لڑکا:۔ ایک گھنٹہ ہوا بارہ بجے تھے۔ اب معلوم نہیں۔

——— سید افتخار النبی

ایک مرتبہ میری ایک بہن کمرے میں جھاڑو دے رہی تھیں کہ ان کے اباّ نے بید مانگا۔ بہن نے فوراً تعمیل کی لیکن بجائے بید کے جھاڑو والا ہاتھ سامنے کر دیا۔ع۔

لڑکیوں کے لئے

تریاہٹ

خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی

(۲)

بیٹی بغیر گھر کاٹے کھاتا تھا۔ نورِ چشم نہ تھی۔ چار طرف اندھیرا نظر آتا تھا۔ غم ہر دم گھلائے جاتا تھا۔ ایک ایک چیز دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو بہاتا تھا۔ بادشاہ نے بیٹی کے غم میں دربار کرنا چھوڑ دیا۔ کچھ دن سلطنت کا انتظام پٹ پڑا رہا۔ آخرکار وزیر وزرا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ جہاں پناہ! رعیت بھی حضور کی اولاد ہے اُن کی رکھوالی آپ پر فرض۔ آس پاس کے رئیس تاک لگائے بیٹھے ہیں۔ یہاں فوج میں ابتری پھیل رہی ہے آپ کے اقبال سے کسی کی آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ پر کب تک۔ آخر کو بادشاہ وزیروں، امیروں کے کہنے سننے سے پھر دربار کرنے لگا۔ پر دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ غم گھن کی طرح کھائے جاتا تھا۔ دنیا دکھاوے کو دربار میں آتا، کام کاج کرتا ہنستا، مسکراتا۔ پھر جب گھر میں جاتا آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہاتا۔ راتوں کو اٹھ اٹھ دیواروں ہاتھوں سے سر ٹکراتا۔

اب یہاں کی تو یہاں چھوڑو اور ذرا شہزادی کا حال سنو۔ تھوڑی دور جانے کے بعد شہزادے نے سسرے کی ساتھ کی ہوئی فوج واپس کر دی اور شہزادی کو لے اپنے ملک کی طرف چلا۔ راستے میں پھر کہا، دیکھ نیک بخت اب بھی بتا دے کہ تو کس بات پر خفا ہے میں نے ایسا کون سا گناہ کیا کہ تو مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ ابھی کچھ نہیں گیا ہے۔ اب بھی ہٹ چھوڑ دے: ایک چپ سو کو ہرائے، شہزادہ کہتے کہتے، سمجھاتے سمجھاتے جب تھک گیا اور شہزادی کے کان پر جوں نہ چلی تو تم جانو وہ بھی شہزادہ تھا اس کو بھی غصہ آگیا۔ بلا حجام کو شہزادی کا سر منڈوا ڈالا۔ مردانے کپڑے پہنا۔ گھوڑے پر بٹھا اپنے ساتھ ساتھ لے کر چلا۔ جب اس کا شہر قریب آیا تو پھر سمجھایا "دیکھ میں بہت بُرے پیش آؤں گا۔ تیرا برا دھاڑا بناؤں گا۔ اب بھی بول دے"۔ پر شہزادی ہونٹ سئے بیٹھی رہی۔ ایک بات کا جواب نہ دیا۔ شہزادہ بیوی کو مردانہ بھیس میں لئے محلوں میں پہنچا۔ شہزادیاں چھپنے لگیں۔ اس نے منع کیا اور کہا "یہ میرا بڑا عزیز دوست ہے اس سے کسی کا پردہ نہیں سب اس کے سامنے ہوں گے، اور اس کا

نام تریامنڈا تبایا۔ اب میاں تریامنڈے محلوں میں رہنے سہنے لگے۔ مدت گذرگئی۔ امیروں، وزیروں نے دیکھا شہزادہ سسرال کا رُخ ہی نہیں کرتا سمجھے شاید کچھ دل بھر گیا۔ لوگوں نے ڈورے ڈالنے شروع کردئے۔ اِدھر اُدھر سے پیغام آنے لگے۔ شہزادے نے ایک شہر میں بات پکّی کرلی۔ شادی کا دن تاریخ ٹھہر گیا۔ ایک دن تریامنڈے کو حکم دیا کہ تمام شہر میں صفائی کرواؤ۔ ہماری شادی ہے۔ تریامنڈے نے تمام خاک روب جمع کئے اور کہا دیکھو جھاڑو بہارو دے کر سارا شہر چندن سا کردو۔ شہزادے صاحب کی شادی ہے اور کوڑا لے جاکر محلوں کے سامنے ڈال دینا۔ اب جو شہزادہ شام کو ہوا خوری کے واسطے نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ کوڑے کے انبار پڑے ہیں۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ تریامنڈے کا یہی حکم تھا۔ دوسرے دن پھر بلایا بہت خفا ہوا اور کہا "جاؤ سارے شہر میں چھڑکاؤ کرواؤ"۔ انھوں نے جا سارے بنیوں سے دو دو گڑ کی بھیلیاں لے پانی میں گھلوا شربت کا چھڑکاؤ کروا دیا۔ شام کو شہزادہ پھر باہر آیا تو تمام میں مکھیوں کی بھنکار۔ پوچھا تو لوگوں نے بتایا۔ کہ تریامنڈے نے شربت کا چھڑکاؤ کروایا ہے۔ شہزادہ بہت نیلا پیلا ہوا اور کہا جاؤ۔ ہماری سسرال میں سب انتظام کردو۔ ہم کل برات لے کر آئیں گے۔ جب یہ سمدھیانے پہنچے دلہن والوں نے دولہا کے ہاں کے دستور پوچھے تو بولے، ساری ریت رسمیں وہی ہیں جو تمھارے ہاں ہیں۔ ہاں ایک فرق ہے" انھوں نے کہا وہ کیا۔ تو بتایا؟ ہماری طرف دولہا کو جب کھیر کھلاتے ہیں تو طباق میں نیچے کنکر بچھا دیتے ہیں"۔ اِن غریبوں کو اس چھل کی کیا خبر تھی۔ جیسا اس نے بتایا انھوں نے کردیا۔ اب جو شہزادے نے کھیر منہ میں رکھی تو کنکر ہی کنکر۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جو شخص آپ کی طرف سے آیا تھا اس کے کہے سے ایسا کیا گیا۔

شہزادہ بیوی بیاہ گھر لے آیا۔ تریامنڈے اور نئی دلہن میں بہت اخلاص و پیار رہا۔ دلہن کو تریامنڈے کی آنکھیں بہت پسند تھیں اور حق یہ ہے کہ تھیں بھی لاکھوں کروڑوں میں ایک۔ ایک دن دلہن نے کہا: "میاں تریامنڈے تمھاری آنکھیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ کاش میری بھی ایسی ہی ہوتیں"۔ تریامنڈے نے جواب دیا: "کوئی میں ماں کے پیٹ سے یہ آنکھیں لے کر تھوڑی پیدا ہوا تھا آنکھیں تو بنائی جاتی ہیں"۔ دلہن بولی: "میری آنکھیں تیری جیسی ہو جائیں تو جو لوگے سو دوں"۔ تریامنڈے نے کہا "یہ کام آسان نہیں ہے۔ تم سے نہیں ہوگا بڑی سخت تکلیف ہوتی ہے اور جو کہیں سسکاری نکل جائے تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ آنکھیں بننے کی جگہ پٹم ہو جاتی ہیں"۔ دلہن

بولی۔ "کسی طرح میری آنکھیں اپنی جیسی بنا دے
اس میں چاہے میری جان پر بن جائے تو پروا
نہیں۔" تریا منڈے نے صاف صاف کہہ دیا
"شہزادی جو سسکاری بھر دی تو میں ذمہ دار
نہیں۔" بھولے بھولے لوگ تھے۔ بھولے زمانے شہزادی
دل کڑا کر ہو بیٹھی اور تریا منڈے نے لوہے کی
سیخیں گرم کر شہزادی کی آنکھوں میں جو پھیریں تو
اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ بس یہ
سیخیں چھوڑ کھڑا ہو گیا۔ بولا "غضب کیا سسکاری
تو سسکاری تم تو چیخ اٹھیں۔ اِدھر محلوں میں
کھل بلی پڑ گئی۔ ڈاکٹر حکیم دوڑ پڑے۔ شہزادے
کو خبر ملی۔ دوڑا آیا۔ تریا منڈے کو بلا کر بہت کچھ
برا بھلا کہا۔ بات آئی گئی ہوئی۔ واس کی آنکھوں
کا علاج ہونے لگا۔ خدا نے شفا دی۔

کچھ دن بعد شہزادے نے محلوں میں سب
سے کہہ دیا کہ باتوں باتوں میں تریا منڈے سے یہ
معلوم کریں کہ وہ کس چیز سے ڈرتا ہے۔ ایک دن
سب شہزادیاں مل کر بیٹھیں، اور ڈر خوف کی باتیں
کرنی شروع کیں۔ کسی نے کہا "میں بجلی سے ڈرتی ہوں"
کوئی بولی "میرا کڑک سے دم نکلتا ہے۔" ایک بولی
میرے تو موئی رسی کے نام سے تن بدن کے رونگٹے
کھڑے ہو جاتے ہیں۔" پھر سب نے مل کر تریا منڈے
سے کہا "تو بھی کسی شے سے ڈرتا ہے؟" اس نے کہا
"مجھے گیدڑوں سے ڈر لگتا ہے۔ جب رات کو غل
مچاتے ہیں، میں کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہوں"
فوراً یہ خبر شہزادے کو پہنچا دی گئی۔ ایک دن جب
تریا منڈا بے خبر سو رہا تھا اس کو چارپائی پر خوب سیلی
سے جکڑ دیا اور چار گیدڑ چاروں پایوں سے باندھ دئے
اب جو تریا منڈے کی آنکھ کھلی تو خون ہی تو خشک ہو گیا
اب تریا منڈا سکڑا سکڑایا بیچ پلنگ پر بیٹھا تھر تھر کانپ
رہا ہے اور شہزادہ دور کھڑا مسکرا رہا ہے۔

آخر کو شہزادے نے کہا "جو تو اقرار کرے
کہ مجھ سے بولے گی اور خفگی کی وجہ بتائے گی تو
یہ گیدڑ کھلوا دوں گا۔ ورنہ بندھی پڑی رہ۔" شہزادی
نے ہاتھ جوڑے اور کہا "للہ مجھ پر رحم کر۔ ان
گیدڑوں سے میرا پیچھا چھڑوا جو تو کہے گا سو کروں
گی۔" شہزادے نے حکم کیا گیدڑ کھول دئے گئے۔ شہزادی
کی جان میں جان آئی۔ کوئلوں اور کنکروں کا سارا
حال کہہ سنایا۔ شہزادے نے قسمیں کھائیں یقین
دلایا کہا "میں نے تو یاقوت زمرد کی گوٹیں بھیجی تھیں
یہ شرارت تمہاری سہیلیوں کی ہے۔" سب ہنسی خوشی
رہنے سہنے لگے۔ جیسے خدا نے ان کے دن پھیرے سب کے سنتوں کے پھیرے۔

انعامی مقابلہ

گلاب کا پھول

محترمہ ذرۃ البیضا بیگم، منیجر مسلم گرلز اسکول، پانی پت

اصغری کے سامنے سلائی کا سامان رکھا تھا۔ اور وہ خاموش بیٹھی تھی۔ گویا بڑی فکر میں گرفتار ہے میں نے قریب جاکر پوچھا "اصغری کیا کر رہی ہو؟"۔ کچھ نہیں:" یہ سلائی کا سامان سامنے اور تم پریشان! کیا تمھیں سلائی پسند نہیں؟" "مجھے کاڑھنے کا بہت شوق ہے۔ مگر ....؟" "مگر کیا" بات یہ ہے کہ جو چیزیں اچھی خوب صورت ہوتی ہیں وہ میں بنا نہیں سکتی اور جو کچھ میں بناتی ہوں اس کی کوئی تعریف نہیں کرتا۔ اماں جان کو دکھاتی ہوں تو وہ کہتی ہیں کہ ہاں "بہت اچھا ہے" اور بس، آپا جان جو چیزیں بناتی ہیں اُن کی سب بڑی تعریفیں کرتے ہیں اور ابا جان بھی دیکھ کر شاباش شاباش کہتے ہیں تو اب ہم کیا کریں؟" تو اب تم کیا کرو" میں نے غور کرتے ہوئے کہا" بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو تم بھی اچھی طرح بنا سکو۔ کہو گلاب کا پھول بناؤگی" گلاب کا پھول؟ اصغری نے تعجب کے لہجے میں کہا۔ پھر مایوسی سے کہا مجھ سے کبھی نہیں بنے گا" "مگر یہ پھول ایسا ہے کہ اسے تم جیسی چھوٹی لڑکیاں بھی بنا سکتی ہیں۔ لو ہم ترکیب بتلاتے ہیں:۔

ایک بڑے ناکے کی سوئی لو، اور اس میں بہت کم بٹا ہوا کاڑھنے کا سوت۔ ریشم یا اون پرو لو۔ مگر اس کا رنگ ایسا ہو جیسا گلاب کے پھول کا۔ گلاب کے پھول تم جانتی ہو۔ متعدد رنگ کے ہلکے گہرے ہوتے ہیں، گلابی، پیازی، شربتی، بادامی، گل شفتالو، عنابی، قرمزی، سرخ، عنابی زرد زعفرانی وغیرہ وغیرہ۔ سوا ان رنگوں میں سے کسی رنگ کا دھاگا ہو۔ مگر ذرا پھولا ہوا ضرور ہو ورنہ پھول خوش نما نہ ہوگا۔ اب جس کپڑے پر بنانا ہو اس کو فریم پر لگا لو اور نیچے کی طرف سے سوئی اوپر نکال لو جس جگہ سے سوئی نکالی ہے اس کے قریب ہی پھر کپڑے میں داخل کرو اور دھاگا کھینچ لو مگر اس قدر کہ کپڑے کے

اوپر ایک پھندا کوئی ۱/۲ انچ کا رہ جائے ایسے ایسے چار پھندے

برابر بنا لو

ان کی جڑ میں ایک ٹانکا دے دو تاکہ جب تم دھاگا
کھینچو تو اس کے ساتھ پھندے نہ کھنچ آئیں۔ ان پھندوں
کی جڑ کے گرد الٹے بخیئے کے ٹانکے لمبے لمبے لگاؤ۔
چونکہ تم ان پھندوں کے گرداگرد ٹانکے لگاؤ گی اس لئے
یہ ٹانکے ایک کے اوپر ایک ہو جائیں گے۔ ایک
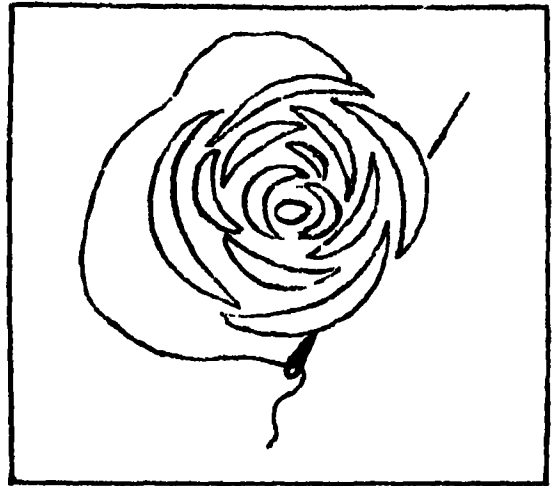
دوسرے کے اوپر دھاگے کے چڑھنے سے پھول
اونچا اٹھا ہوا ہوگا۔ اور یہی اس کی خوبصورتی ہے"

اصغری میری ہدایت کے موافق پھول بناتی رہی
اور جب ختم ہوگیا تو خوشی کے مارے اچھل پڑی اور
کہنے لگی "اماں جان کو دکھاؤں؟" میں نے کہا ابھی
نہیں۔ یہ پھول جیسا بننا چاہئے تھا نہیں بنا۔ دو
تین اور بناؤ۔ مشق کے بعد ہی قابل تعریف پھول
بن سکتا ہے" چنانچہ اصغری نے میری بات مان
لی اور جب بہت ہی اچھا سا ایک پھول بن گیا تو دوڑی
دوڑی اماں جان کو دکھانے گئی۔ انھوں نے اس
کی اتنی تعریف کی کہ اصغری کی مدت کی آرزو پوری
ہوگئی۔ اور ابا جان نے جب دیکھا تو انھوں نے اسی
طرح شاباش شاباش کہا جیسا کہ ہمیشہ اس کی آپا جان
کو کہا کرتے تھے۔

تم بھی اس پھول کے بنانے کی مشق کرو اور ایک
پھول بنا کر ہمارے پاس بھجوا دو۔ تاکہ معلوم ہو کہ
تمھیں بنانا آگیا یا نہیں۔ شاید تمھارا پھول سب بچوں سے
اچھا ہو اور تم کو مقابلے کا انعام مل جائے۔ یہ
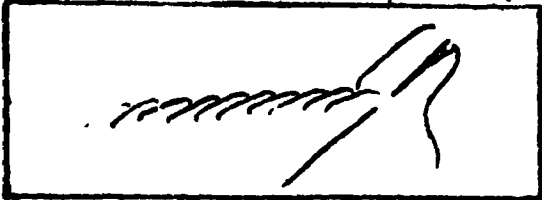
الٹے بخئے کا ٹانکہ ہے

نوٹ۔ یہ پھول بنا کر پیام تعلیم ملنے کے پانچ دن بعد ڈاک سے میرے پاس بھیج دو

ہنڈکلیا

آم کے گلگلے

میدہ، آدھ سیر۔ گھی، آدھ سیر۔ شکر، تین پاؤ۔
آم کا رس، ڈیڑھ سیر۔ دارچینی، ایک ماشہ۔

ترکیب:- آم کا رس، میدہ اور دارچینی پسی ہوئی تینوں چیزیں خوب ملا لیجئے۔ پھر کڑھائی میں گھی ڈال کر گرم کیجئے اور گلگلے تل تل کر تار بند قوام میں ڈالتی جائیے۔ جب تل جائیں تو خوشبو دے کر پتیلی ڈھک کر رکھ دیجئے تھوڑی دیر کے بعد کھائیے۔

کیروی سیڈکیک

انڈے، ۱۰ عدد۔ مکھن، ایک پاؤ۔ شکر، ایک پاؤ
میدہ، ایک پاؤ۔ جائفل، دو ماشہ۔

ترکیب:- انڈوں کی زردی میں شکر اور مکھن خوب ملالیں پھر میدہ تھوڑا تھوڑا کر کے ملائیے۔ اور پسی ہوئی جائفل بھی ملائیے۔ اس کے بعد سفیدی کو خوب اچھی طرح پھینٹ کر سب چیزیں ملائیے، اور ولایتی زیرہ چھڑک کر سانچوں میں بھر کر احتیاط سے سینک لیجئے۔

ع، ف - چھپرا مئو

گول گپّے

میدہ، ایک چھٹانک۔ گھی، دو چمچہ۔ اول میدے میں گھی ڈال کر خوب ملو۔ پھر اس کو پوری کے آٹے کی طرح گوندھو۔ اب اس کی روپیوں کے برابر گول گول باریک ٹکیاں بیل لو۔ کڑھائی میں گھی اور ڈال کر تل لو۔ خوب پھول کر بتاشے کی طرح ہو جائیں تو نکال لو۔ سب تل چکو تو ان کے لئے چٹنی تیار کرو۔

انچور، ایک پیسے کا۔ چوک، دھیلے کا۔ زیرہ سفید وسیاہ، ایک ایک چٹکی۔ نمک، مرچ، شکر، ذائقے کے مطابق کچری، ایک عدد۔ ان سب کو باریک پیس کر خوب پتلا کرو اتنا پتلا نہ کرنا کہ ذائقہ جاتا رہے۔ اب تلے ہوئے گول گپوں کے بیچ میں انگلی سے سوراخ کرو۔ اور چمچے سے پتلی پتلی چٹنی اس کے اندر بھر دو اور پلیٹ میں رکھتی جاؤ۔ اتنے مزے کے ہوں گے کہ تمہاری سہیلیاں سب چٹ کر جائیں گی

ط، ب - چھپرا مئو۔

پیام برادری

"آپا جان"

عزیز بچیو اور بچو! آج کل تو تم بہت خوش خرم ہوگے۔ اکتوبر کا مہینہ آگیا ہے اور ہلکی ہلکی سردی بھی پڑنے لگی ہے۔ اب کی دلی میں مینہہ بہت کم برسا۔ دلی سے آگے پنجاب میں گویا برسات ہی نہیں ہوئی۔ ادھر یو، پی میں یہ حالت ہے کہ جگہ جگہ سیلاب آ رہے ہیں ہمارا سالگرہ نمبر تو بہت اہتمام سے شائع ہو رہا ہے۔ ایڈیٹر صاحب اور دوسرے لوگوں نے اس کی تیاری میں دن اور رات ایک کر دیا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ تمہارے لئے یہ بالکل ہی نئی چیز ہوگی۔

ستمبر کے پرچے میں رنگ بھرنے کی تصویر چھپی تھی۔ بہت سے بچوں نے رنگ بھر کر بھیجا ہے۔ نام یہ ہیں:۔

جمیلہ خاتون، میرٹھ۔ دھرم رام پرشاد، حیدرآباد دکن۔ مبین الرحمٰن، حیدرآباد دکن۔ محمد سمیع اللہ، پھلواری شریف۔ گھنشام گیر حیدرآباد دکن۔ محمد اسحٰق، بمبئی۔ محمد شبیر خاں، شیخوپور۔ احمد ابراہیم صدیقی، محبوب نگر۔ غلام یزدانی، حیدرآباد دکن۔ اقبال عزیز پٹنہ۔ نور الحسن خاں، کلکتہ۔ فہمیدہ خاتون، نہٹور۔ مرزا بشیر احمد، حیدرآباد دکن۔ کے ایم ظفر اللہ، کلکتہ۔ سید محمد ظہور الحسنین پٹنہ۔ سید محمد یوسف، نئی دہلی۔ حامد خلیل، دہلی۔ محمد الطاف، گجرات۔ خلیل الرحمٰن، بارہ بنکی۔ اقبال احمد، امروہہ۔ سعید الزماں جعفری علی گڑھ۔ منیر احمد، لاہور۔ حامدہ عشرت، ردولی۔ حمیرا خاتون، اعظم گڈھ۔ ابن الحسن، سکندر آباد۔ میر محمد علی، سنگاریڈی کالریز۔ نجیب اشرف، سرائے میر۔ عبدالرزاق، میسور۔ محمود خاں، ایبٹ آباد۔ فضل اللہ خاں، بدن مئو۔ سلطان صلاح الدین جامع دہلی۔ محمد اسمٰعیل، سنگاریڈی کالریز۔ صادق میاں، جامعہ نگر (اوکھلا)۔ ابرار الحسن، جامعہ نگر (اوکھلا)۔ امجد، جامعہ نگر (اوکھلا) غلام احمد خاں، جامعہ نگر۔ امتیاز علی، جامعہ نگر۔ مسعود احمد، جامعہ نگر۔ ابراہیم اچھا، جامعہ نگر۔ عبدالمعبود، جامعہ نگر۔ احمد اسمٰعیل کڑوا جامعہ نگر۔ یٰسین، جامعہ نگر۔ عبدالحفیظ دلاوری، جامعہ نگر۔ عبدالحفیظ گوالیاری۔ جامعہ نگر۔ مصطفیٰ رشید صدیقی، جامعہ نگر سید منظر حسین، جامعہ نگر۔ محمد تقی، جامعہ نگر۔ مبارک سعید لودی، جامعہ نگر۔ محمد مصطفیٰ اشرف، جامعہ نگر۔ نور احمد جامعہ نگر۔ محمد اسمٰعیل انصاری کشتگی، رائچور۔ نشاط فاطمہ، لکھنؤ۔

ان میں مبین الرحمٰن اول۔ دھرم رام پرشاد دوم اور غلام یزدانی سوم آئے ہیں۔ مضمون کے مقابلے میں ان بچوں نے حصہ لیا ہے اعزاز حسین، امروہہ۔ امیر اللہ خاں، ساگر۔ جن آرا، میرٹھ۔ محمد اسمٰعیل سنگاریڈی کالریز۔ افضل حسین۔ محمد اسحٰق طیب، بمبئی۔ محمد ابراہیم خاں، ساگر۔ ایک مضمون پر نام نہیں ہے۔

پیام برادری کے چند ممبر

سید عبداللہ (اورنگ آباد دکن)

شمسہ زین النساء (میسور)
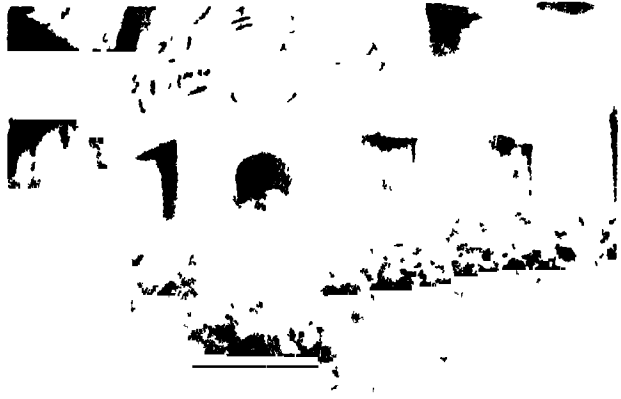
شبنم رحیم الدین صدر پیام برادری (حیدرآباد دکن)

امان اللہ خاں (ارمک سرحد)

فوٹو گرافی کا انعامی مقابلہ

"محنت"
(پہلا انعام)   (محمد علی بھٹکلی جامعہ ملیہ)

"منظر"
(تیسرا انعام) (عبدالحمید خان ساگر)

(دوسرا انعام) "منارہ" رات میں (کے-ام-عبداللہ کلکتہ)

"گھر کا مدرسہ"
(تعریف کے قابل) (ایس-ایم-اسلام بانکی پور)
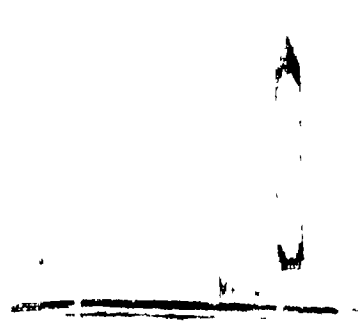
ان میں حسن آرا اول ۔ محمد ابراہیم خاں دوم اور امیر اللہ خاں سوم آئے ہیں۔ بچوں کو چاہیئے کہ مضمون کے نیچے اپنا نام ضرور لکھیں۔ ہاں سلائی کے مقابلے میں ان بچوں اور بچیوں نے پیوند سی کر بھیجے ہیں۔ منیر النسا بیگم، حیدرآباد دکن۔ حمیرا خاتون اعظم گڈھ۔ نعنا کماری، حیدرآباد دکن۔ بلا رانی، حیدرآباد دکن۔ ہاجرہ خاتون، گورکھپور۔ چمن آرا بیگم، کلکتہ۔ ش، ع، شملہ۔ وقار احمد میرٹھ۔ شاکرہ بنت فضل احمد احمد، حیدرآباد دکن۔ اسلم حبیبہ موڑک۔ ان میں بہن درۃ البیضا بیگم نے عزیزہ منیر النسا بیگم کو اول قرار دیا ہے۔ محترم بہن لکھتی ہیں کہ بچیاں مشق کے بعد اچھا نمونہ بنا کر بھیجیں اور مضمون کی ہدایتوں پر پوری طرح عمل کریں۔ جھنڈا صرف دو بچیوں نے بنا کر بھیجا ہے[۵]۔ اُن میں انعام کی مستحق حمیرا خاتون قرار پائی ہیں

ہاں اب کی ۹ ر اکتوبر کو منشی پریم چند کی برسی ہے۔ منشی جی ہماری زبان کے بہت بڑے فسانہ نگار اور ادیب تھے انہوں نے بچوں کے لئے بھی مزے مزے کے قصے لکھے ہیں۔ ہماری سب شاخوں کو چاہیئے کہ اس دن جلسہ کریں۔ اس جلسے میں پیامی منشی جی کے حالات پر مضمون پڑھیں اور اُن کی کوئی اچھی سی کہانی سنائیں۔ بعد میں یہ مضمون میرے پاس بھیج دئے جائیں۔ جس کا مضمون سب سے اچھا ہوگا اُسے میں انعام دوں گی۔

اب کی تصویر میں رنگ بھر کر دس تاریخ کو ڈاک میں ڈال دو۔ بچیاں بھی گلاب کا پھول بنا کر پانچ تاریخ کو ڈاک میں ڈال دیں بیج کے ملنے میں دیر ہوگئی تھی اب آگئے ہیں اور میں سب کو بھجوا رہی ہوں۔ جہاں جہاں برادری کی شاخیں ہیں وہاں بچے اور بچیاں اپنے بیج سکریٹری سے لے لیں۔ لکھنؤ میں مکتبے کی شاخ پر بھجوائے گئے ہیں۔ بچے اور بچیاں وہاں سے منگوائیں

اچھا اب سالگرہ نمبر میں تم سے ملاقات ہوگی۔ "تمھاری آپا جان"

شاخ پیام برادری (لڑکیوں کی) علی گڑھ۔

۱۲ ر اگست ۱۹۳۸ء کو ۹ بجے صبح پیام برادری کا پہلا جلسہ نیلی چھتری میں منعقد ہوا جس کی صدارت آمنہ عمر صاحبہ نے فرمائی

(۱) عذرا خاتون نے تلاوت قرآن کی۔

(۲) آمنہ عمر صاحبہ نے یہ باتیں تفصیل سے بتائیں۔ (۱) پیام برادری کیا ہے۔ (۲) آپا جان صاحبہ کون ہیں؟ (۳) پیام برادری کے مقاصد (۴) اس کے قواعد۔ (۴) اس میں شامل ہونے کا طریقہ (۵) ہر شہر میں شاخ قائم ہونے کی ضرورت۔

(۳) اس کے بعد عہدہ داروں کا انتخاب ہوا۔ روشن آرا صاحبہ صدر۔ سلمہ رشید نائب صدر۔ رشیدہ عمر سکریٹری۔ قمر آرا نائب سکریٹری اور محمودہ ساجد خزانچی مقرر ہوئیں۔ آمنہ عمر صاحبہ نے بتایا کہ عہدہ داروں کے کیا حقوق ہیں اور ممبران کے کیا فرائض۔ ہر جلسے کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے پیام برادری کا نعرہ "جاگو اور جگاؤ" لگایا جائے گا۔ آپس کے

[۵] حمیرا خاتون۔ اعظم گڈھ اور ساجدہ انصاریہ لکھنؤ

مشورے سے برادری کے لئے یہ اصول بنائے گئے (۱) ہمارے جلسوں میں مباحثہ ضرور ہوا کرے۔ تقریر کا عنوان خود پیامی بہنوں کو چننا ہوگا۔ اس کے تین حصے کئے ہیں (۱) تقریر دس سال سے زیادہ عمر کی بہنوں کے لئے (۲) اخلاقی نظمیں سبق آموز قصے کہانیاں، کسی بڑے شخص کی زندگی کے حالات وغیرہ۔ (۳) دلچسپ مشغلے ہر پیامی بہن کے لئے

ہر پیامی بہن کا فرض ہے کہ وہ نہایت سادے کپڑے پہن کر آئے اور ہر قسم کی سادگی اور تمیز و تہذیب کو مدنظر رکھے۔ جو وقت جلسے کے لئے دیا جائے اس کی پوری پابندی کی جائے۔ اور وقت مقررہ پر جلسے کی کارروائی شروع کر دی جائے دس سال سے کم عمر پیامی بہنوں کے لئے ایک خاص انعام مقرر کیا گیا۔ یہ انعام اس لڑکی کو دیا جائے گا جو سب سے زیادہ صاف ستھری ہوگی۔ اگر کوئی پیامی بہن دوسری پیامی بہنوں کو دعوت دینا چاہیں تو انھیں خیال رکھنا چاہئے کہ کسی قسم کے تکلفات نہ ہوں۔

برادری کا چندہ دس سال سے کم عمر کی بہنوں کے لئے ایک آنہ۔ دس سال سے زیادہ عمر کی بہنوں کے لئے دو آنہ۔ عہدہ داروں کو ۴ دینا ہوں گے۔ چندہ مہینے کی دس تاریخ تک خزانچی صاحبہ کو دے دینا ضروری ہے۔ ورنہ اس کے بعد جرمانہ کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی ممبر بلا اطلاع لگاتار تین جلسوں میں شریک نہ ہو تو اس کا نام برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔ اگر وہ دوبارہ ممبر ہو جانا چاہے تو اس کو ایک آنہ جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ جب صدر صاحب اور سرپرست صاحبہ کی رائے سے مقرر کیا جائے گا۔ ہر ممبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی صدر اور سکریٹری کا پوری طرح احترام کرے اور صدر صاحبہ کی ہر بات پر بلا چون و چرا عمل کرے۔

بیگم صاحبہ عبد اللطیف اور بیگم صاحبہ ساجد سے درخواست کی گئی کہ وہ ہماری سرپرستی قبول فرمائیں۔ ہم کو خوشی ہے کہ انھوں نے ہماری درخواست قبول کی اور ہماری ہمت بڑھائی۔ ۱۰ بجے ہمارا پہلا جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا اور محفل برخاست ہوئی۔

رشیدہ عمر۔ سکریٹری پیام برادری (علی گڑھ)

جلسہ پیام برادری - کان پور

پیام برادری کا پہلا جلسہ زیر نگرانی مختار احمد صاحب مختار اسسٹنٹ ماسٹر پریڈ مڈل اسکول کان پور بتاریخ ۱۷ اگست ۳۸ء بمقام پریڈ مڈل اسکول کان پور ٹھیک چار بجے منعقد ہوا۔ پیام برادری کے ممبروں کے علاوہ استاد بھی شریک ہوئے اولاً جناب مختار احمد خاں صاحب نے پیام برادری کے ممبروں کو برادری کے اغراض و مقاصد دلچسپ پیرائے میں سمجھائے۔ برادری کو بڑھانے اور ترقی دینے پر خاص زور دیا گیا۔ پھر عہدہ داروں کا انتخاب شروع ہوا۔ صدر کے لئے صرف

دو نام پیش ہوئے۔ پہلا نام سید ہادی حسن ہاشمی طالب علم درجہ ششم کا تھا اور یہی کثرت آراء سے منتخب ہوا۔۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔
نائب صدر محمد اشرف اشرف صدیقی سکریٹری۔ مشتاق احمد خان مشتاق منتخب ہوئے۔ خازن ارشاد علی بنائے گئے۔
نگراں صاحب کے ارشاد کے مطابق یہ طے ہوا کہ ہر ایک سنیچر کو ۹ بجے کے بعد جب کہ اسکول آدھے دن کا ہو جاتا ہے تقریری
مقابلہ ہوا کرے۔ آیندہ مقابلے کے لئے یہ عنوان طے ہوا "مشین کا بنا ہوا کپڑا زیادہ مفید ہے یا ہاتھ کا"
مشتاق احمد خاں مشتاق۔ سکریٹری۔ ۱۷ اگست ۱۹۳۸ء

پیام برادری شملہ

جلسہ کلام پاک کی تلاوت سے شروع ہوا۔ اس کے بعد میں نے بتایا کہ پیام برادری کیا ہے۔ اس کے مقاصد کیا ہیں اور اس کے ذریعے سے ہم کس طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد عہدہ داروں کا انتخاب کیا گیا۔ اتفاق رائے سے سعیدہ آپا کو صدر مقرر کیا گیا۔ مجھے سکریٹری کا عہدہ دیا گیا۔ اور بہن افضال فاطمہ کو خزانچی مقرر کیا گیا۔ یہ بھی طے ہوا کہ ہماری برادری میں چودہ سال سے زیادہ عمر کی لڑکیاں شامل نہیں کی جائیں گی۔ ہماری برادری کا ماہواری چندہ ایک آنہ مقرر کیا گیا۔ یہ بھی طے ہوا کہ برادری کی ممبروں کا ایک کلب قائم کیا جائے اور اس کلب میں کیرم۔ ٹنک پونگ اور دوسرے کھیلوں کا انتظام کیا جائے۔ برادری کے تمام ممبر شام کے وقت کلب میں جمع ہوں اور آپس میں تبادلۂ خیال کریں۔ ہر اتوار کو پکنک کے لئے کسی قریب کی پہاڑی یا چشمے پر جایا کریں اور قدرتی مناظر کی تصویریں لیا کریں اور ہر مہینے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزوں کی نمائش کریں۔

اس کے بعد سب بہنوں نے مل کر میری والدہ یعنی بیگم افضال سے درخواست کی کہ وہ ہماری سرپرستی قبول فرمائیں انھوں نے ایک تقریر کے ذریعے ہماری ہمت افزائی کی اور وعدہ فرمایا کہ وہ ہمیشہ برادری کو فروغ دینے کے لئے ہر ممکن کوشش فرمائیں گی یہ بھی وعدہ کیا کہ ہر نمائش کے موقع پر پہلی دو لڑکیوں کو جنھوں نے سب سے اچھی چیزیں بنائی ہیں اپنی جانب سے انعامات عنایت فرمائیں گی۔ چائے کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ حسن آرا بیگم سکریٹری

کارروائی جلسہ یوم فلسطین۔ علی گڑھ۔

جلسہ رامپور ہال میں ٹھیک ۹ بجے ۸ ستمبر کو منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کے بعد صدر صاحب نے خطبۂ صدارت پڑھا جس میں انھوں نے بتایا کہ پیام برادری کیا ہے۔ اس کے کیا فائدے ہیں کب قائم ہوئی وغیرہ وغیرہ

اس کے بعد (۱) جناب نسیم احمد صاحب انصاری عمر ۱۰ سال ۲۰ منٹ۔ (۲) جناب شائق الرسول صاحب ۲۰ منٹ۔ (۳) جناب محمد فضل قدیر صاحب ۱۰ منٹ۔ (۴) جناب خلیل عمر صاحب ۱۰ منٹ نے تقریریں کیں جس میں نسیم احمد انصاری صاحب کی تقریر بے حد پسند کی گئی۔ یونیورسٹی کے ایک طالب علم محمد خالد علی صاحب نے ایک تقریر کی پھر نسیم احمد انصاری اور بدر الدین ابوالحسن صاحب نے پرجوش نظمیں سنائیں۔ پھر سکریٹری صاحب نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد پروفیسر حاذق صاحب نے ایک تقریر کر کے ہماری ہمت افزائی فرمائی۔ جلسہ ۱۰ بجے برخاست ہوا۔

خلیل عمر نائب صدر۔ علی گڑھ

پیام برادری۔ میرٹھ

۱۲ اگست ۱۹۳۸ء کو ۴ بجے میرٹھ کی پیام برادری کا جلسہ عام محمد شریف صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ مسٹر بی۔ ایس بنودہ جلسے کے صدر تھے۔ مسٹر محمد مبین توقیر سابق سکریٹری نے اعلان کیا کہ اُن کا امتحان قریب ہے اس لئے انھوں نے ایک ماہ کے لئے اپنا چارج نفیس احمد فاروقی کو دے دیا ہے۔

نفیس احمد فاروقی نے اپنی تقریر میں پچھلے جلسے کی روئداد سنائی۔ محمد مبین صاحب توقیر نے حاضرین جلسہ سے درخواست کی کہ وہ ہندو مسلم اختلاف مٹا دیں جو برادری کا اہم مقصد ہے۔ احسن عمر نے غرور کی برائیاں بتاتے ہوئے ایک چھوٹا سا قصہ محمود و ایاز سنایا۔ شاہ منظور نے ایک دلچسپ لطیفہ سنایا۔ فیروز شاہ نے ایک چھوٹی سی نظم "ہندو مسلم اتحاد" سنائی۔ آخر میں نعیم پاشا اور رئیس احمد فاروقی نے ایک ایک لطیفہ سنایا۔ مسٹر بی۔ ایس بنودہ نے اپنی تقریر میں کارکنان برادری سے اپیل کی کہ وہ ہندوؤں کو برادری کا ممبر بنائیں۔ محمد مبین توقیر اور نفیس احمد فاروقی نے مسٹر بنودہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں بتایا کہ برادری میں ہندو ممبروں کی بھی کافی تعداد ہے۔ نفیس احمد فاروقی سکریٹری

پیام برادری۔ حیدرآباد دکن

بتاریخ ۱۵ اگست ۱۹۳۸ء کو انجمن کی طرف سے ایک مباحثے کا جلسہ منعقد ہوا عنوان تھا "جنگ امن و ترقی کے لئے ضروری ہے" بشیر احمد عدنی محرک اور معین الدین احمد انصاری مخالف تھے۔ گذشتہ جلسے کی روئداد ختم ہونے کے بعد محرک نے عنوان کی تحریک کرتے ہوئے بہت پرزور اور مدلل تقریر کی۔ اس کے بعد ایک پیامی نے محرک کی تائید میں تقریر کی۔ پھر چونکہ وقت ختم ہو چکا تھا اس لئے دوسرے پیامیوں کو تقریر کا موقع نہیں ملا۔ صدارتی تقریر کے بعد رائیں لی گئیں اور کثرت رائے سے

فیصلہ ہوا "جنگ امن و ترقی کے لئے ضروری نہیں ہے"

اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ منور حسین سکریٹری پیام برادری۔ حیدرآباد دکن۔

روئداد جلسہ شاخ پیام برادری۔ ساگر

پیام برادری کی شاخ (ساگر) کا دوسرا جلسہ بتاریخ ۲۰ اگست ۳۰ء ۴½ بجے جناب بابو نذیر محمد صاحب صدر بازار ساگر کے مکان پر صدیق رضا صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ پیام بھائیوں نے بکثرت شریک ہوکر پیام برادری سے اپنی محبت کا عملی ثبوت دیا۔

جلسہ قرآن مجید کی تلاوت سے شروع ہوا۔ پھر قومی ترانہ ترنم سے پڑھا گیا اس کے بعد احسان اللہ خاں صاحب نے پیام برادری کے مقصد پر روشنی ڈالی۔ آپ نے جلسے میں شرکت کرنے والوں سے پرزور درخواست کی کہ وہ بھی پیام برادری کے ممبر ہوجائیں۔ پھر محمد عطاء اللہ خاں نے "صبح اٹھنے" ظفر اقبال نے صفائی اور محمد ابراہیم خاں نے سچائی کے موضوع پر تقریریں کیں۔ ابراہیم خاں، میاں شفیق احمد، محمد تراب، سراج احمد اور عبداللہ خاں نے مختلف عنوانات پر مضامین پڑھے امیر اللہ خاں، نور محمد، محمد یوسف، حمید احمد، ظفر اقبال، محمد جلیل اور محمد ابراہیم خاں نے اپنی اپنی دلچسپ کہانیاں سنائیں اس کے بعد احسان اللہ خاں صاحب نے تقریر کے موضوع پر ایک پراز معلومات اور دلچسپ تقریر کی۔ محمد شریف نے دلچسپ لطیفے سنائے پھر محمد عطاء اللہ خاں نے چکبست لکھنوی کی قومی نظم "وطن" اور محمد شریف نے "پیامی بھائیوں کی دعا" دلکش آواز میں پڑھی۔ صدر صاحب کے ارشاد پر ریاض احمد صاحب نے جلسے کے حسن انتظام۔ ترتیب اور مقرروں کی تقریر پر اپنے خیالات ظاہر کئے اور مفید مشورے بھی دئے۔ نیز وقتاً فوقتاً امداد دینے کا وعدہ فرمایا۔

یہ تجویزیں پاس ہوئیں۔ (۱) مہینے میں زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ جلسہ ہوا کرے (۲) جلسے میں ہر ممبر پورا ہندوستانی لباس پہن کر آئے (۳) دو آنے ماہوار چندہ ہر ممبر سے لیا جائے۔

پھر اراکین کا انتخاب ہوا۔ ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم کے ارشاد کے مطابق احسان اللہ خاں صاحب سرپرست بنائے گئے۔ اسحٰق محمد لیڈر۔ امیر اللہ خاں صدر۔ محمد جلیل نائب صدر محمد ابراہیم خاں سکریٹری۔ عبدالحمید خاں نائب سکریٹری اور حمید احمد امین مقرر کئے گئے۔ اس کے بعد صدر صاحب نے آخری تقریر فرماکر جلسہ ۱۲½ بجے کے قریب برخاست کیا

محمد ابراہیم خاں سکریٹری۔ ساگر

ماہانہ جلسہ (میرٹھ)

شاخ میرٹھ کا ماہانہ اجلاس ۱۰ ستمبر ۳۸ء کو شام کے ۷ بجے کناٹ ہال میں زیرِ صدارت مسٹر وقار احمد ظیفا ئرہ منعقد ہوا۔ جلسے میں حاضرین کی کافی تعداد تھی مہمانوں میں ڈاکٹر بی آر چٹرجی۔ پروفیسر ایس، پی سنہا مسٹر زرف آغا۔ مسٹر مبارک ساغر اور ڈاکٹر صادق حسین کمبوہ تشریف رکھتے تھے۔

جلسے کی کارروائی تلاوتِ قرآن شریف سے شروع ہوئی۔ مسٹر حبیب احمد نے ایک سورت نہایت خوش الحانی سے پڑھی۔ بھجن مس پربھا ٹنڈن کے دیر میں آنے کی وجہ سے نہ ہوسکا۔ حضرت ساغر نظامی کی ایک نظم کا کورس ان بچوں نے پڑھا۔ احسن عمر نعیم پاشا، ریاض اقبال، یوسف پاشا، فیروز پاشا، اور راشد انصاری۔ اس کے بعد نفیس احمد فاروقی سکریٹری نے تقریر کی۔ پھر ان بچوں نے نظمیں پڑھیں۔ فیروز پاشا، حبیب احمد، ریاض اقبال، یوسف پاشا، راشد انصاری۔ شاہد منظور اور نعیم پاشا۔ شاہد منظور کی نظم جج صاحبان نے اول قرار دی۔ انھیں ایک نقرئی تمغہ انعام دیا گیا۔

ڈاکٹر چٹرجی۔ پروفیسر سنہا اور زرف آغا صاحب جج تھے۔

محمد مبین جاوید سابق سکریٹری نے ایک نظم پڑھی جسے بہت پسند کیا گیا۔ شکیل حسین زیدی نے مباحثۂ مخلوط تعلیم میں انعام حاصل کیا۔

بڑے لوگوں کی سوانح عمری:۔ اس کے بعد ان بچوں نے بڑے لوگوں کی سوانح عمری سنانے میں حصہ لیا۔

سب سے پہلے احسن عمر نے کمال اتاترک کی سوانح عمری سنائی۔ نعیم پاشا نے نپولین بونا پارٹ کی زندگی کے حالات سنائے۔ مسٹر ریاض اقبال نے ہٹلر کی سوانح حیات سنائے۔ شاہد منظور نے مہاتما گاندھی کی زندگی کے حالات سنائے۔

جج صاحبان کے فیصلے کے مطابق احسن عمر کو اول۔ نعیم پاشا کو دوم اور مسٹر شاہد منظور کو سوم قرار دیا گیا۔

پروفیسر بی آر چٹرجی ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی نے اپنی تقریر میں برادری کو پھولتے پھلتے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

مسٹر زرف آغا برادری کے متعلق ایک اچھی رائے رکھتے تھے جسے انھوں نے اپنی تقریر میں ظاہر کیا۔

وقار احمد صاحب ظیفا ئرنے اپنے خطبۂ صدارت میں چھوٹے بچوں کی محنتوں پر شاباش دی اور اُن کی آیندہ ترقی کے لئے ایک نئی راہ تجویز کی۔ معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا گیا اور "جاگو اور جگاؤ" کے نعرے پر جلسہ ختم ہوا۔

انعامات　شاہد منظور کو بہترین نظم سنانے پر ایک چاندی کا تمغہ انعام میں دیا گیا۔ احسن عمر نے بہترین سوانح عمری سنانے پر ایک چاندی کا تمغہ حاصل کیا۔ شکیل احمد زیدی کو اُن کی تقریر پر ایک چاندی کا تمغہ دیا گیا۔ محمد شفیق متعلم میرٹھ کالج نے ایک چاندی کا تمغہ فیروز پاشا کو۔ مسٹر ظیفا ئرنے ایک ایک کتاب یوسف پاشا اور راشد انصاری کو اور محمد مبین صاحب، جاوید نے ایک چاندی کا تمغہ شاہد منظور کو اور ایک کتاب حکیم برات کو دینے کا وعدہ کیا

نفیس احمد فاروقی، سکریٹری

مذہبی کتابیں

عقائدِ اسلام — یہ رسالہ مسلمان بچوں کو اسلامی عقائد سکھانے کے لئے اختصار کے ساتھ سلیس اردو میں لکھا گیا ہے۔ ۱ر

ارکانِ اسلام — اس رسالے میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

قرآن کیا ہے اور اس نے کیا کر دکھایا؟ — بچوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کیا ہے۔ کیسے اترا۔ کس پر اترا۔ اور اس نے لوگوں پر کیا اثر کیا۔ قیمت ۶ر

چالیس حدیثیں — ایسی چالیس حدیثیں درج کی گئی ہیں جو خاص طور پر بچوں کے لئے سبق آموز ہیں۔ قیمت ۲ر

آخری نبیؐ — آسان زبان میں آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

ہمارے نبیؐ — ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کا حال کہانی کے انداز میں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھا گیا ہے۔ ۳ر

آں حضرتؐ — رسول پاک کی زندگی کے حالات بہت آسان اور دلچسپ زبان میں۔ قیمت ۴ر

ہمارے رسولؐ — یہ کتاب سرورِ عالم صلعم کی پاک سیرت پر ذرا بڑے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے جس کے پڑھنے سے رسول کی محبت اور سنت کی پیروی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ۵ر

سرکار کا دربار — سرورِ کائنات صلعم کے حالات، بچوں، عورتوں اور عام مطالعے کے لئے بہت مقبول و مشہور کتاب۔ آٹھواں ایڈیشن۔ قیمت ۷ر

سرکارِ دو عالم — نسبتاً بڑے لڑکوں کے لئے سیرتِ پاک بہت ہی صاف اور ستھری اور آسان زبان میں چھاپی گئی ہے۔ قیمت ۸ر

چار یار — حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کے نصیحت آمیز اور دلچسپ حالات۔ تیسرا ایڈیشن ۲۱۰ صفحے۔ قیمت ۷ر

خلفاءِ اربعہ — اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالاتِ زندگی، خدمتِ اسلام، محبتِ رسول، عام عادات و اخلاق سہل زبان میں ذرا بڑے لڑکوں کے لئے لکھے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ خلفاءِ اربعہ کے عہد میں عرب کی کیا حالت تھی اور اسلام نے کیا ترقیاں کیں۔ حجم ۱۴۴ صفحات۔ قیمت ۸ر

دس جنتی — حضرت زبیر، طلحہ، عبد الرحمٰن، سعد، ابو عبیدہ اور سعید کے حالات تفصیل سے اور باقی چار یار رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات۔ قیمت ۵ر

نبیوں کے قصے — حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کے حالات آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

اچھی باتیں — ان آیاتِ قرآنی کی عام فہم تفسیر جو پند و نصائح پر مبنی ہیں۔ قیمت ۳ر

مکتبہ جامعہ

دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور